انبیاءِ کرام علیہم السلام کے بعد دُنیا کے مقدس ترین انسانوں کی سرگزشتِ حیات

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

حِصّہ اوّل
خلفائے راشدین

قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا

محمد اللہ کے رسول ہیں اور جو لوگ آپ کے صحبت یافتہ
ہیں وہ کافروں کے مقابلہ میں سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں اے
مخاطب! تو اُن کو دیکھے گا کبھی رکوع کر رہے ہیں کبھی سجدہ کر رہے ہیں اللہ تعالیٰ
کے فضل اور رضامندی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں

انبیاء کرام علیہم السلام کے بعد دُنیا کے مُقدس ترین انسانوں کی سرگزشتِ حیات

سِیَرُ الصَّحَابَہ رضی اللہ عنہم

تاریخ اسلام اَسماءُ الرّجال اور ذخیرۂ احادیث کی گرانقدر کتابوں سے ماخوذ
مُستند حوالہ جات پر مبنی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نیز مشہور تابعین و تبع تابعین اور
آئمہ کرام رحمۃ اللہ علیہم کے مفصّل حالاتِ زندگی پر اُردو میں سب سے جامع کتاب

ناشر

اسلامی کتب خانہ
فضل الٰہی مارکیٹ
چوک اُردو بازار، لاہور
فون 042 - 7223506

marfat.com

تاریخ اسلام کا گرانقدر ذخیرہ (سیر الصحابہ رضی اللہ عنہ کامل)

صحابہ کرام (رضی اللہ عنہم) تابعین، تبع تابعین اور نامور ائمہ کرام (رحمہم اللہ) کے مستند حالات زندگی پر اُردو میں حوالہ جات سے مزین۔ سب سے اہم جامع اور مفصل سلسلہ کتب جو چودہ حصوں میں تحریر کیا گیا تھا اب مجلد آٹھ جلدوں میں دستیاب ہے۔

جلد 1

حصہ اوّل : خلفائے راشدینؓ (چاروں خلفاء رضی اللہ عنہم راشدین کے حالات وکمالات)

جلد 2

حصہ دوم: مہاجرین، حصہ اوّل (عشرہ مبشرہ و اکابر قریش اور فتح مکہ سے پہلے اسلام لانے والے ۳۸ حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات)

حصہ سوم : مہاجرین، حصہ دوم (بقیہ ۱۰۱ مہاجر حضراتِ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے)۔

جلد 3

حصہ چہارم : انصار، حصہ اوّل (۵۱ جلیل القدر انصار کرام صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات)

حصہ پنجم : انصار، حصہ دوم (بقیہ ۶۴ انصار کرام اور حلفاء انصار صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات)

جلد 4

حصہ ششم : (چار صحابہ رضی اللہ عنہم، حضرت امام حسن، حضرت امیر معاویہ، حضرت امام حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہم کے حالات)

حصہ ہفتم : (فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے یا صغیر السن ۱۵۰ صحابہ رضی اللہ عنہم کے حالات کا مرقع۔

جلد 5

حصہ ہشتم : اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم اوّل (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عقائد، عبادات، اخلاق، حسن

marfat.com

معاشرت اور طرز معاشرت)

حصہ نہم : اسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم دوم: (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سیاسی، مذہبی، علمی خدمات کی تفصیل اور مجاہدانہ کارنامے)

جلد 6

حصہ دھم : سیر الصحابیات رضی اللہ عنہن (ازواج مطہرات بنات طاہرات اور اکابر صحابیات رضی اللہ عنہن کے سوانح زندگی)

حصہ یازدھم : اسوۂ صحابیاتؓ (صحابیات کے مذہبی، علمی، اخلاقی، معاشرتی واقعات اور دینی خدمات)

حصہ دوازدھم : (۱۹۳ اہل کتاب صحابہؓ صحابیاتؓ اور تابعین و تابعاتؒ کے سوانح اور کارنامے)

جلد 7

حصہ سیزدھم : تابعین رحمہم اللہ (۱۹۶ اکابر تابعین رحمہم اللہ کے سوانح زندگی، علمی، اصلاحی خدمات، مجاہدانہ کارنامے)

جلد 8

حصہ چہاردھم : تبع تابعین رحمہم اللہ اوّل (۱۹ جلیل القدر تبع تابعین بشمول مشہور آئمہ کرام رحمہم اللہ کے حالات و کمالات)

جلد 9

حصہ پانزدھم : تبع تابعین رحمہم اللہ (دوم) (۴۷ تبع تابعین عظام کے سوانح و حالات اور ان کی علمی و دینی خدمات کی تفصیل)

۵۲۵۶ صفحات پر مشتمل مکمل سیٹ ۹ جلدوں میں مجلد، گلیز سفید کاغذ، ذائی دار مضبوط جلدیں

اسلامی کتب خانہ
فضل الٰہی مارکیٹ
چوک اُردو بازار، لاہور
فون 042 - 7223506

marfat.com

ترتیب

1

① عرض ناشر ☆
② ترتیب حصص سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم کامل ☆
③ فہرست اسمائے گرامی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور تابعین و تبع تابعین رحمہم اللہ ☆
④ فہرست اسمائے گرامی صحابیات رضی اللہ عنہن و تابعات رحمہن اللہ ☆

2

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم حصہ اوّل ☆ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم

① سیدنا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ☆
② سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ☆
③ سیدنا حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ ☆
④ سیدنا حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ☆

marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرض ناشر

﴿ نَحْمَدُهٗ وَ نُصَلِّی عَلٰی رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ وَ عَلٰی آلِهٖ وَ اَصْحَابِهٖ اَجْمَعِيْنَ ﴾

امابعد !

اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ کئی ماہ کی مسلسل جدوجہد کے بعد سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم کا مکمل سیٹ جو پندرہ حصوں پر مشتمل تھا۔ اب زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر نو جلدوں کی شکل میں آپ کے سامنے موجود ہے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین اور ان کے ذیل میں تابعین و تبع تابعین کے حالات و سوانح پر اُردو زبان میں سب سے ضخیم اور مفصل تحریر ہے۔ جو کئی مصنفین کی کاوش و محنت سے وجود میں آئی ہے۔ یہ سیٹ عرصہ سے نایاب تھا۔ اہم علمی اور تاریخی ذخیرہ ہونے کے باوجود ناشرانِ کتب نے تجارتی بنیاد پر اس کتاب کو چھاپنے کی ہمت نہ کی تھی۔

بعض مخلص احباب کے توجہ دلانے پر ہم نے توکلاً علی اللہ اس کام کا آغاز کیا اور پندرہ حصوں کو نو جلدوں میں تقسیم کر کے اس کی طباعت کا کام شروع کیا۔ چونکہ یہ پندرہ حصے

marfat.com

ایک خاص منہج سے مصنفین نے علیحدہ علیحدہ تحریر کئے تھے۔اس لیے ضروری معلوم ہوا کہ پہلی جلد کے آغاز میں ایک فہرست اُن تمام صحابہ کرام ﷡ وصحابیاتؓ، تابعینؒ و تابعاتؒ اور تبع تابعین کے اسمائے گرامی کی لگا دی جائے۔جن کے حالات وسوانح ان جلدوں میں مفصل آئے ہیں۔اُمید ہے کہ اس فہرست کے اضافہ کے بعد اب اس مجموعہ سے استفادہ کرنا اور مطلوبہ شخصیت کے سوانح تلاش کرنا آسان ہو جائے گا۔

امید ہے کہ اہل علم و دانش حضرات تاریخ اسلام کے اس گرانقدر ذخیرہ کی کماحقہ، پذیرائی کریں گے اور سیر الصحابہ ﷡ کے اس سیٹ کو ہاتھوں ہاتھ لیں گے۔

والسلام : ناشرین

marfat.com

قال اللہ تعالیٰ فی القرآن المجید

أُولَٰئِكَ هُمُ الرَّاشِدُونَ (الحجرات)

رَضِيَ اللَّهُ عَنْهُمْ وَرَضُوا عَنْهُ (المجادلۃ)

ترجمہ شیخ الہند رحمہ اللہ

وہ لوگ وہی ہیں نیک راہ پر

اللہ اُن سے راضی اور وہ اُس سے راضی

marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لَقَدْ كَانَ فِي قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِأُولِي الْأَلْبَابِ (القرآن الکریم)

ترجمہ
یقیناً ان کے قصے میں عقل والوں کے لیے
بہت بڑی عبرت ہے

قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ

أَصْحَابِي كَالنُّجُومِ

بِأَيِّهِمُ اقْتَدَيْتُمْ
اهْتَدَيْتُمْ

marfat.com

ترتیب حِصص

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم (کامل)

جلد اوّل	سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم : حصہ اوّل یعنی۔ خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم	1

اس جلد میں سیدنا حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان غنی، اور حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے مکمل حالات، مستند حوالہ جات کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں اور ان کی عظیم الشان علمی، دینی، سیاسی و انتظامی خدمات اور ان کے دورِ حکومت پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

تحریر و ترتیب : الحاج مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم

❁❁❁

جلد دوم	سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم : حصہ دوم و سوم یعنی۔ سیر المہاجرین رضی اللہ عنہم کامل ۲ حصے	2

اس جلد کے دونوں حصوں میں اُن جلیل القدر مہاجر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مفصل سوانح زندگی تحریر کیے گئے ہیں۔ جو فتح مکہ سے پہلے اسلام لائے اور اپنے گھر بار کی قربانی دے کر مدینہ منورہ کی جانب ہجرت کی سعادت حاصل کی۔

تحریر و ترتیب : الحاج مولانا شاہ معین الدین ندوی مرحوم

marfat.com

جلد سوم	سیر الصحابہ ؓ : حصہ چہارم و پنجم یعنی ۔ سیر انصار ؓ کامل ۲ حصے	3

اس جلد کے دونوں حصوں میں ان جلیل القدر انصار اور حلفائے انصار صحابہ کرام ؓ کے مفصل سوانح زندگی بیان کئے گئے ہیں ۔ جنہوں نے تن من دھن کی بازی لگا کر رحمت عالم ﷺ کی نصرت وحمایت کا فریضہ انجام دیا ۔

تحریر و ترتیب : جناب مولانا سعید انصاری صاحب رفیق دار المصنفین

❀❀❀

جلد چہارم	سیر الصحابہ ؓ حصہ ششم و ہفتم	4

حصہ ششم : حضرت حسن ، حضرت معاویہ ، حضرت حسین اور حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ کے مفصل سوانح زندگی ۔

حصہ ہفتم : فتح مکہ کے بعد اسلام قبول کرنے والے یا صغیر السن ۱۵۰ ؍ حضرات صحابہ ؓ کے حالات کا مرقع ۔

تحریر و ترتیب : الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم

❀❀❀

جلد پنجم	سیر الصحابہ ؓ : حصہ ہشتم و نہم یعنی ۔ اسوۂ صحابہ ؓ کامل ۲ حصے	5

اس جلد کے دونوں حصوں میں صحابہ کرام ؓ کی پوری حیات طیبہ کا اجمالی نقشہ کھینچا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے عقائد ، عبادات ، معاملات ، اخلاق ، حسن معاشرت اور طرزِ معاشرت کا انداز کیا کچھ تھا ؟ نیز صحابہ کرام ؓ کی سیاسی مذہبی علمی خدمات کی پوری تفصیل اور ان کے مجاہدانہ کارناموں کا حال مکمل بیان کیا گیا ہے ۔

تحریر و ترتیب : جناب مولانا عبدالسلام صاحب ندوی مرحوم

marfat.com

جلد ششم	سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم حصہ دہم یازدہم و دوازدہم	6

حصہ دہم (۱۰) : سیر الصحابیات ؓ : ازواج مطہرات ؓ، بنات طاہرات ؓ اور اکابر صحابیات ؓ کے سوانح حیات۔

حصہ یازدہم (۱۱) : اسوۂ صحابیات ؓ : صحابیات کے مذہبی علمی معاشرتی اور اخلاقی واقعات، عظیم دینی خدمات اور صحابیات کا اسوۂ حسنہ۔

حصہ دہم (۱۲) : ۹۳ ر اہل کتاب صحابہ ؓ و صحابیات ؓ اور تابعین ؒ و تابعات ؒ کے سوانح اور کارنامے۔

تحریر و ترتیب : جناب مولانا سعید انصاری صاحب (حصہ دہم)

جناب مولانا عبدالسلام ندوی صاحب (حصہ یازدہم)

جناب مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی صاحب (حصہ دوازدہم)

❀❀❀

جلد ہفتم	سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم : حصہ سیزدہم (۱۳) یعنی۔ تابعین رحمہم اللہ	7

۹۶ ر مشہور اکابر تابعین کرام رحمہم اللہ کے مفصل حالات زندگی علمی و دینی خدمات اور ان کا اسوۂ حسنہ۔

تحریر و ترتیب : الحاج مولانا شاہ معین الدین احمد ندوی مرحوم

مقدمہ و تقریظ : نواب صدر یار جنگ بہادرؒ و مولانا حبیب الرحمٰن شروانی

marfat.com

جلد ہشتم	سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم : حصہ چہاردہم (۱۴) یعنی ۔ تبع تابعین رحمہم اللہ اوّل	8

اس جلد میں اُنیس جلیل القدر تبع تابعینؒ کے جن میں تفسیر و حدیث اور فقہ وتصوف کے نامور آئمہ کرام بھی شامل ہیں۔ مفصل حالاتِ زندگی بیان کر کے ان کی علمی خدمات کا مفصل تذکرہ کیا گیا ہے۔

تحریر و ترتیب : مولانا حافظ مجیب اللہ ندوی صاحب

جلد نہم	سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم : حصہ پانزدہم (۱۵) یعنی ۔ تبع تابعین رحمہم اللہ دوم	9

اس جلد میں مزید چوہتر (۷۴) جلیل القدر تبع تابعین کرام رحمہم اللہ کے حالات و سوانح حیات درج کئے گئے ہیں۔ جنھوں نے تفسیر و حدیث، فقہ وتصوف، جہاد و معاشرت کے میدانوں میں اہم دینی خدمات انجام دیں۔

تحریر و ترتیب : جناب ڈاکٹر محمد نعیم صدیقی ندوی

marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشاریہ

اُسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم (کامل): ۱۵ حصے، ۹ جلد مجلد

.... اسمائے گرامی صحابہؓ و تابعینؒ و تبع تابعینؒ ....

اسمِ گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
(الف)			
حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	1	خلفائے راشدین	19
حضرت ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - اوّل	437
حضرت ابوسلمہ بن عبدالاسد رضی اللہ عنہ	″	″ ″	424
حضرت ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ	″	″ ″	169
حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ	″	″ ″	314
حضرت ارقم بن ابی الارقم رضی اللہ عنہ	″	″ ″	392
حضرت آنسہ (ابومسروح) رضی اللہ عنہ	″	مہاجرین - دوم	342
حضرت ابان بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ	″	″ ″	312
حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ	″	″ ″	224
حضرت ابواحمد بن جحش رضی اللہ عنہ	″	″ ″	298
حضرت ابوبردہ اشعری رضی اللہ عنہ	″	″ ″	358
حضرت ابوبرزہ اسلمی رضی اللہ عنہ	″	″ ″	290
حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ	″	″ ″	79
حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ	″	″ ″	250
حضرت ابورہم اشعری رضی اللہ عنہ	″	″ ″	357
حضرت ابورہم غفاری رضی اللہ عنہ	″	″ ″	306

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت ابوسبرہ بن ابی رہم رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - دوم	337
حضرت ابوسنان بن محصن رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	355
حضرت ابوفکیہہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	321
حضرت ابوقیس بن حارث رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	332
حضرت ابوکبشہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	333
حضرت ابومرثد غنوی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	304
حضرت ابوہریرہ دوسی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	58
حضرت اربد بن حمیر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	367
حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	116
حضرت اسود بن نوفل رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	349
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ	3	انصار - اوّل	101
حضرت انس بن نضر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	111
حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	113
حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	136
حضرت ابوطلحہ انصاری رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	158
حضرت ابوالدرداء رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	168
حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	182
حضرت ابومسعود بدری رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	191
حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	193
حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	200
حضرت ابودجانہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	205
حضرت ابوالیسر کعب بن عمرو رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	208

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ	3	انصار - اوّل	211
حضرت ابوالہیثم بن التیہان رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	215
حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	218
حضرت ابوقیس صرمہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	221
حضرت ابوحمید ساعدی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	224
حضرت اُصیرم رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	226
حضرت ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	228
حضرت ابوعمرہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	230
حضرت اوس بن خولی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	231
حضرت ابوعبس بن جبر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	232
حضرت ابوزید رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	234
حضرت ابواسید ساعدی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	235
حضرت ابوبردہ بن نیار رضی اللہ عنہ	〃	انصار - دوم	194
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ششم	45
حضرت ابن ابی اوفی رضی اللہ عنہ	〃	〃 - ہفتم	12
حضرت اسماء بن حارثہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	14
حضرت اسیر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	15
حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	16
حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	18
حضرت امراؤالقیس رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	20
حضرت انیس بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	22
حضرت ابان بن صیفی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	23

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت ایمن بن خریم رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	24
حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	585
حضرت ابوبصیر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	288
حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	291
حضرت ابوجہم بن حذیفہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	293
حضرت ابوجندل بن سہیل رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	295
حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	297
حضرت ابورفاعہ عدوی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	299
حضرت ابوسفیان بن حارث رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	301
حضرت ابوسفیان بن حرب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	306
حضرت ابوشریح رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	319
حضرت ابوالعاص رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	321
حضرت ابوعامر اشعری رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	326
حضرت ابوعسیب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	327
حضرت ابوعمرو بن حفص رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	328
حضرت ابومالک اشعری رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	330
حضرت ابومحجن ثقفی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	331
حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	333
حضرت ابوواقد لیثی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	335
حضرت ابرہہ رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ اہل کتاب	117
حضرت ادریس رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	120
حضرت اسید بن سعید رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	121

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت اسید بن عبید رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ اہل کتاب	123
حضرت اسد بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	124
حضرت اسید بن کعب القرظی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	125
حضرت اشرف حبشی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	126
حضرت ابو سعد بن وہب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	164
حضرت ابو مالک رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	230
ایک یہودی خادم رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	231
حضرت ادیم تغلبی رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	232
حضرت ارمی بن النجاشی رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	234
حضرت اصبغ بن عمرو رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	234
حضرت اصحمہ نجاشی شاہ حبشہ رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	236
حضرت ابراہیم بن یزید تیمی رحمۃ اللہ علیہ	۷	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	16
حضرت ابراہیم بن یزید النخعی رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	19
حضرت احنف بن قیس رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	27
حضرت اسماعیل بن ابی خالد احمسی رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	40
حضرت اسود بن یزید رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	42
حضرت اعمش رحمۃ اللہ علیہ (سلیمان بن مہرانؒ)	〃	〃 〃	46
حضرت ادریس بن عامر قرنی رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	51
حضرت ایاس بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	65
حضرت ایوب بن ابی تمیمہ سختیانی رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	69
حضرت ادریس خولانی رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	554
حضرت ابواسحاق سبیعی رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	556

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت ابو بردہ بن ابی موسیٰ اشعری رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	569
حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	595
حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ	8	سیر الصحابہ ۱۴ تبع تابعین اول	50
حضرت امام اوزاعی رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	227
حضرت امام ابن جریج رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	268
حضرت امام اسحاق بن راہویہ رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	278
حضرت آدم بن ابی ایاس رحمۃ اللہ علیہ	9	سیر الصحابہ ۱۵ تبع تابعین دوم	13
حضرت ابراہیم بن سعد رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	18
حضرت ابو اسحاق ابراہیم الفزاری رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	22
حضرت ابن ذئب رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	28
حضرت ابو معشر نجیح سندھی رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	37
حضرت ابو سلیمان الدارانی رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	43
حضرت ابو نعیم فضل بن دکین رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	54
حضرت اسد بن فرات رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	61
حضرت اسد بن موسیٰ رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	84
حضرت اسرائیل بن موسیٰ بصری رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	87
حضرت اسرائیل بن یونس کوفی رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	92
حضرت اسماعیل بن علیہ رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	97
حضرت اسماعیل بن عیاش العنسی رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	107
(ب)			
حضرت بلال بن رباح رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - اوّل	211
حضرت بریدہ بن حصیب رضی اللہ عنہ	//	مہاجرین - دوم	229

marfat.com

اسمِ گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت براء بن مالک رضی اللہ عنہ	3	انصار - اوّل	236
حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ	//	// //	239
حضرت براء بن معرور رضی اللہ عنہ	//	// //	240
حضرت بدیل بن ورقاء رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	25
حضرت بسر بن سفیان رضی اللہ عنہ	//	// //	27
حضرت بحیرا الحبشی رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ - اہل کتاب	127
حضرت بشیر بن معاویہ رضی اللہ عنہ	//	// //	129
بنو غسان کے تین صحابیؓ	//	// //	287
حضرت بکاء الراہب رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	239
حضرت بسر بن سعید رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	75
حضرت بکر بن عبداللہ مزنی رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	77
(ت)			
حضرت تمیم بن اسد بن عبدالعزی رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	28
حضرت تمیم بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	//	// //	29
حضرت تمام رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ اہل کتاب	130
حضرت تمیم الحبشی رضی اللہ عنہ	//	// //	131
حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ	//	// //	132
ایک تغلبی صحابی نامعلوم الاسم رضی اللہ عنہ	//	// //	288
حضرت تمام بن یہودا رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	240
(ث)			
حضرت ثمامہ بن عدی رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - دوم	249
حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ	//	// //	269

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ	3	انصار - اوّل	246
حضرت ثابت بن ضحاک رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	250
حضرت ثابت بن دحداح رضی اللہ عنہ	〃	انصار - دوم	195
حضرت ثمامہ بن اثال رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	29
حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	32
حضرت ثعلبہ بن سعید الہدلی رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۳ اہل کتاب	137
حضرت ثعلبہ بن سلام رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	138
حضرت ثعلبہ بن قیس رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	139
حضرت ثعلبہ بن ابی مالک رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	141
حضرت ثابت بن اسلم بنانی رحمۃ اللہ علیہ	7	〃 〃 تابعین	80
(ج)			
حضرت جعفر طیار رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - اوّل	220
حضرت جہم بن قیس رضی اللہ عنہ	〃	مہاجرین - دوم	367
حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	3	انصار - اوّل	252
حضرت جبار بن صخر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	266
حضرت جلیبیب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	267
حضرت جابر بن مسلم رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	34
حضرت جارود بن عمرو رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	35
حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	37
حضرت جرہد بن رزاح رضی اللہ عنہ	4	〃 〃	40
حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	41
حضرت جعال بن سراقہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	48

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت جشم الخیر رضی اللہ عنہ	//	سیر الصحابہ - ہفتم	49
حضرت جمیل بن معمر رضی اللہ عنہ	//	// //	50
حضرت جندب بن کعب رضی اللہ عنہ	//	// //	51
حضرت جارود بن عمرو رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ اہل کتاب	143
حضرت جبر رضی اللہ عنہ	//	// //	147
حضرت جبل رضی اللہ عنہ	//	// //	149
حضرت جابر بن زید رحمۃ اللہ علیہ	7	// // تابعین	83
حضرت جعفر صادق رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	87
(ح)			
حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - اوّل	407
حضرت حمزہ بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ	//	// //	192
حضرت حارث بن خالد رضی اللہ عنہ	//	مہاجرین - دوم	358
حضرت حاطب بن حارث رضی اللہ عنہ	//	// //	356
حضرت حاطب بن عمرو رضی اللہ عنہ	//	// //	366
حضرت حجاج بن علاط رضی اللہ عنہ	//	// //	287
حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ	3	انصار - دوم	279
حضرت حرام بن ملحان رضی اللہ عنہ	//	// //	272
حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ	//	// //	274
حضرت حارثہ بن سراقہ رضی اللہ عنہ	//	// //	294
حضرت حارثہ بن صمہ رضی اللہ عنہ	//	// //	295
حضرت حنظلہ بن ابی عامر رضی اللہ عنہ	//	// //	297
حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہ	//	// //	197

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ششم	14
حضرت حسین بن علی رضی اللہ عنہ	″	″ ″	139
حضرت حارث بن عمیر ازدی رضی اللہ عنہ	″	سیر الصحابہ - ہفتم	52
حضرت حارث بن نوفل رضی اللہ عنہ	″	″ ″	53
حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ	″	″ ″	54
حضرت حجر بن عدی رضی اللہ عنہ	″	″ ″	57
حضرت حسیل بن جابر رضی اللہ عنہ	″	″ ″	61
حضرت حکم بن حارث رضی اللہ عنہ	″	″ ″	62
حضرت حکم بن عمرو غفاری رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	63
حضرت حکم بن کسان رضی اللہ عنہ	″	″ ″	65
حضرت حمزہ بن عمرو رضی اللہ عنہ	″	″ ″	66
حضرت حنظلہ بن ربیع رضی اللہ عنہ	″	″ ″	68
حضرت حویطب بن عبدالعزی رضی اللہ عنہ	″	″ ″	70
حضرت حیرہ نجرہ رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ اہل کتاب	150
حضرت حسن بن حسن رحمۃ اللہ علیہ	7	″ ″ تابعین	93
حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	97
حضرت حکم بن عتیبہ رحمۃ اللہ علیہ	″	″ ″	117
حضرت حسن بن صالح الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ	9	سیر الصحابہ ۱۵ تبع تابعین دوم	113
حضرت حسین بن علی الجعفی رحمۃ اللہ علیہ	″	″ ″	121
حضرت حفص بن غیاث رحمۃ اللہ علیہ	9	″ ″	130
حضرت حماد بن زید رحمۃ اللہ علیہ	″	″ ″	137
حضرت حماد بن سلمہ رحمۃ اللہ علیہ	″	″ ″	142

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت حمزہ بن حبیب الزیات رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	152
(خ)			
حضرت خالد بن سعید بن العاص رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - دوم	203
حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ	//	// //	168
حضرت خباب بن الارت رضی اللہ عنہ	//	// //	213
حضرت خباب مولیٰ عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ	//	// //	360
حضرت خطاب بن الحارث رضی اللہ عنہ	//	// //	363
حضرت خنیس بن حذافہ رضی اللہ عنہ	//	// //	338
حضرت خبیب بن عدی رضی اللہ عنہ	3	انصار - اوّل	299
حضرت خارجہ بن زید بن ابی زہیر رضی اللہ عنہ	//	// //	302
حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ	//	// //	304
حضرت خوات بن جبیر رضی اللہ عنہ	//	// //	306
حضرت خلاد بن سوید رضی اللہ عنہ	//	// //	308
حضرت خارجہ بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	74
حضرت خالد بن غرفطہ رضی اللہ عنہ	//	// //	75
حضرت خریم بن فاتک رضی اللہ عنہ	//	// //	76
حضرت خفاف بن ایماء رضی اللہ عنہ	//	// //	78
حضرت خارجہ بن زید رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	119
حضرت خالد بن معدان رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	121
حضرت خالد بن الحارث الہجیمی رحمۃ اللہ علیہ	9	سیر الصحابہ ۱۵ تبع تابعین دوم	157
(د)			
حضرت درید الراہب رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ اہل کتاب	151

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت داؤد بن دینار رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	123
(ذ)			
حضرت ذو الشمالین رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - دوم	336
حضرت ذویب بن حلحلہ رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	80
حضرت ذو دجن رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ اہل کتاب	152
حضرت ذو مخمر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	153
حضرت ذو مناحب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	155
حضرت ذو مہدم رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	156
حضرت ذو الکلاع رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	287
حضرت ذو عمرو رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	287
(ر)			
حضرت ربیعہ بن اکثم رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - دوم	361
حضرت رافع بن مالک رضی اللہ عنہ	3	انصار - اوّل	309
حضرت رفاعہ بن رافع زرقی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	311
حضرت ابو رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	313
حضرت رویفع بن ثابت رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	317
حضرت ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	81
حضرت رفاعہ بن زید رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	82
حضرت رافع القرظی رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ اہل کتاب	157
حضرت رفاعہ بن السموال رضی اللہ عنہ	6	〃 〃	158
حضرت رفاعہ القرظی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	160
حضرت ربیع بن خثیم رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ - تابعین	126

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت ربیعۃ الرائی رحمۃ اللہ علیہ	//	سیر الصحابہ - تابعین	136
حضرت رجاء بن حیوۃ رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	143
حضرت ربیع بن صبیح بصری رحمۃ اللہ علیہ	9	سیر الصحابہ ۱۵ تبع تابعین دوم	160
حضرت روح بن عبادہ رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	171
حضرت زکریا بن ابی زائدہ رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	174
حضرت زائدہ بن قدامہ رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	177
حضرت زہیر بن معاویہ رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	181
(ز)			
حضرت زبیر بن العوام رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - اوّل	87
حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ	//	// //	227
حضرت زید بن خطاب رضی اللہ عنہ	//	مہاجرین - دوم	247
حضرت زید بن ارقم رضی اللہ عنہ	3	انصار - اوّل	319
حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ	//	// //	324
حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ	//	// //	250
حضرت زید بن دثنہ رضی اللہ عنہ	//	// //	352
حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ	//	انصار - دوم	212
حضرت زاہر بن حرام رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	83
حضرت زبرقان بن بدر رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	84
حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ	//	// //	87
حضرت زید بن مہلل رضی اللہ عنہ	//	// //	87
حضرت زید بن سعنہ رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ اہل کتاب	162
حضرت زر بن حبیش رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	146

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت زید بن اسلم رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	148
حضرت امام زُفر رحمۃ اللہ علیہ	8	سیر الصحابہ تبع تابعین اوّل	210
(س)			
حضرت سالم مولیٰ ابوحذیفہ رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - اوّل	441
حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	142
حضرت سعید بن زید رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	185
حضرت سائب بن عثمان رضی اللہ عنہ	〃	مہاجرین - دوم	343
حضرت سعید بن خولہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	350
حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	253
حضرت سکران بن عمرو رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	354
حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	100
حضرت سلمہ بن الاکوع رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	218
حضرت سلمہ بن ہشام رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	278
حضرت سلیط بن عمرو رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	334
حضرت سنان بن ابی سنان رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	341
حضرت سہل بن بیضاء رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	330
حضرت سہیل بن بیضاء رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - دوم	331
حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ	3	انصار - دوم	7
حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	10
حضرت سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	13
حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	15
حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	23

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت سعد بن خثیمہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	37
حضرت سعد بن زید اشہلی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	39
حضرت سلمہ بن سلامہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	40
حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	42
حضرت سائب بن خلاد رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	44
حضرت سعد بن حبہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	214
حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	216
حضرت سراقہ بن مالک رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	89
حضرت سبرہ بن معبد رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	92
حضرت سعد بن خولی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	93
حضرت سعد الاسود رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	94
حضرت سعد بن عائذ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	96
حضرت سعید بن العاص رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	97
حضرت سعید بن یربوع رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	101
حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	102
حضرت سلیمان بن صرد رضی اللہ عنہ	4	〃 〃	104
حضرت سواد بن قارب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	106
حضرت سہیل بن عمرو رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	107
حضرت سعد بن وہب رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ۱۲ اہل کتاب	164
حضرت سعنہ رضی اللہ عنہ	6	〃 〃	165
حضرت سعید بن عامر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	166
حضرت سلام رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	167

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت سلمہ بن سلام ؓ	6	سیر الصحابہ ہفتم	168
حضرت سلمان فارسی ؓ	//	// //	169
حضرت سمعان بن خالد ؓ	//	// //	186
حضرت سیمونہ بلقاوی ؓ	//	// //	186
حضرت سالم بن عبداللہ ؒ	7	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	151
حضرت سعید بن جبیر ؒ	//	// //	156
حضرت سعید بن المسیب ؒ	//	// //	173
حضرت حضرت سلمہ بن دینار ؒ	//	// //	197
حضرت سلیمان بن یسار ؒ	//	// //	204
حضرت سلیمان بن طرخان تیمی ؒ	//	// //	200
حضرت سفیان بن عیینہ ؒ	8	سیر الصحابہ ۱۴ تبع تابعین اول	287
حضرت سفیان ثوری ؒ	//	// //	443
حضرت سعید بن عبدالعزیز ؒ	9	سیر الصحابہ ۱۵ تبع تابعین دوم	184
حضرت سلیمان بن بلال ؒ	//	// //	188
حضرت سلیمان بن المغیرہ القیسی ؒ	//	// //	190
(ش)			
حضرت شجاع بن وہب ؓ	2	مہاجرین - اول	452
حضرت شقران صالح ؓ	2	// //	458
حضرت شماس بن عثمان ؓ	//	// //	449
حضرت شرحبیل بن حسنہ ؓ	//	// دوم	209
حضرت شداد بن اوس ؓ	3	انصار - دوم	45
حضرت شیبہ بن خطبہ ؓ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	115

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت شیبہ بن عثمان رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	116
حضرت شمعون رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ۱۲ اہل کتاب	188
حضرت قاضی شریح بن حارث رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ۱۳ تابعین	207
حضرت امام شعبہ رحمۃ اللہ علیہ	8	سیر الصحابہ۱۴ تبع تابعین اوّل	335
حضرت شجاع بن الولید رحمۃ اللہ علیہ	9	سیر الصحابہ۱۵ تبع تابعین دوم	192
حضرت شریک بن عبداللہ نخعی رحمۃ اللہ علیہ	//	// // //	195
(ص)			
حضرت صہیب بن سنان رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - اوّل	369
حضرت صفوان بن بیضاء رضی اللہ عنہ	//	مہاجرین - دوم	340
حضرت صعصعہ بن ناجیہ رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	118
حضرت صفوان بن امیہ رضی اللہ عنہ	//	// //	120
حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ	//	// //	124
حضرت صالح القرظی رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ۱۲ ، اہل کتاب	191
حضرت صبی بن معبد رحمۃ اللہ علیہ	//	// ۱۲ //	241
حضرت صفوان بن سلیم زہری رحمۃ اللہ علیہ	7	// ۱۳ تابعین	222
حضرت صفوان بن محرز رحمۃ اللہ علیہ	//	// // //	225
(ض)			
حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	126
حضرت ضرار بن ازور رضی اللہ عنہ	4	// //	127
حضرت ضماد بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ	//	// //	129
حضرت ضمام بن ثعلبہ رضی اللہ عنہ	//	// //	130
حضرت ضغاطر الاسقف الشہید رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ۱۲ اہل کتاب	242

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت ضحاک بن المخلد النبیل رحمۃ اللہ علیہ	9	سیر الصحابہ ۱۵ تبع تابعین دوم	205
(ط)			
حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - اوّل	110
حضرت طفیل بن حارث رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - دوم	342
حضرت طفیل بن عمرو دوسی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	234
حضرت طلیب بن عمیر رضی اللہ عنہ	2	〃 〃	266
حضرت طلحہ بن البراء رضی اللہ عنہ	3	انصار - دوم	221
حضرت طاؤس بن کیسان رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ ، تابعین	228
(ع)			
حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	1	خلفائے راشدین	94
حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ	1	〃 〃	172
حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ	1	〃 〃	243
حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - اوّل	462
حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	420
حضرت عباس بن عبد المطلب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	210
حضرت عبد الرحمٰن بن ابی بکر صدیق رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	403
حضرت عبد الرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	126
حضرت عبد اللہ بن جحش رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	429
حضرت عبد اللہ بن سہیل رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	413
حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما	〃	〃 〃	239
حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	360
حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	361

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت عبیدہ بن الحارث ؓ	2	مہاجرین اوّل	446
حضرت عتبہ بن غزوان ؓ	〃	〃 〃	415
حضرت عثمان بن مظعون ؓ	〃	〃 〃	385
حضرت عکاشہ بن محصن ؓ	〃	〃 〃	434
حضرت عمار بن یاسر ؓ	2	〃 〃	345
حضرت عمیر بن ابی وقاص ؓ	〃	〃 〃	460
حضرت عاقل بن ابی بکیر ؓ	〃	مہاجرین - دوم	363
حضرت عامر بن ابی وقاص ؓ	〃	〃 〃	344
حضرت عبداللہ الاصغر ؓ	〃	〃 〃	365
حضرت عبداللہ بن حارث ؓ	〃	〃 〃	346
حضرت عبداللہ بن حذافہ ؓ	〃	〃 〃	284
حضرت عبداللہ بن سراقہ	〃	〃 〃	348
حضرت عبداللہ بن سہیل ؓ	〃	〃 〃	280
حضرت عبداللہ بن عمر ؓ	〃	〃 〃	9
حضرت عبداللہ بن مخرمہ ؓ	〃	〃 〃	322
حضرت عتبہ بن مسعود ؓ	〃	〃 〃	339
حضرت عثمان بن طلحہ ؓ	〃	〃 〃	329
حضرت عدی بن نضلہ ؓ	〃	〃 〃	352
حضرت عقبہ بن عامر جہنی ؓ	〃	〃 〃	339
حضرت عقیل بن ابی طالب ؓ	〃	〃 〃	356
حضرت عمرو بن امیہ ؓ	〃	〃 〃	309
عمرو بن سراقہ	〃	〃 〃	347

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت عمرو بن سعید ابن العاصؓ	〃	〃 〃	300
حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	130
حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - دوم	272
حضرت عمرو بن عثمان رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	362
حضرت عمرو بن عوف رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	326
حضرت عمیر بن رئاب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	362
حضرت عمیر بن وہب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	243
حضرت عیاش بن ابی ربیعہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	319
حضرت عیاض بن زہیر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	359
حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ	3	انصار - دوم	49
حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	57
حضرت عاصم بن ثابت رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	66
حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	68
حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	71
حضرت عتبان بن مالک رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	74
حضرت عبادہ بن بشر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	76
حضرت عبداللہ بن عتیک رضی اللہ عنہ	3	انصار - دوم	79
حضرت عباس بن عبادہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	81
حضرت عبداللہ بن زید رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	82
حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	86
حضرت عبداللہ یزید خطمی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	88
حضرت عبدالرحمان بن شبل رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	90

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت عثمان بن حنیف رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	91
حضرت عمارہ بن حزم رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	99
حضرت عمرو بن جموح رضی اللہ عنہ	3	انصار - دوم	100
حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	103
حضرت عمیر بن سعد رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	106
حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	108
حضرت عاصم بن عدی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	222
حضرت عبداللہ بن انیس جہنی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	223
حضرت عبداللہ بن سلمہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	226
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	227
حضرت عبداللہ بن طارق رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	232
حضرت عدی بن ابی الزغباء رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	234
حضرت عقبہ بن وہب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	235
حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ششم	231
حضرت عامر بن اکوع رضی اللہ عنہ	〃	سیر الصحابہ - ہفتم	133
حضرت عائذ بن عمرو رضی اللہ عنہ	〃	سیر الصحابہ - ہفتم	134
حضرت عباس بن مرداس رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	136
حضرت عبداللہ بن ارقم رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	138
حضرت عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	140
حضرت عبداللہ بن بحینہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	142
حضرت عبداللہ بن بدر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	143
حضرت عبداللہ بن بدیل رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	144

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت عبداللہ بن جعفر ؓ	〃	〃 〃	147
حضرت عبداللہ بن ابی حدرد ؓ	〃	〃 〃	152
حضرت عبداللہ بن زبعری ؓ	〃	〃 〃	153
حضرت عبداللہ بن زمعہ ؓ	〃	〃 〃	155
حضرت عبداللہ بن عامر ؓ	〃	〃 〃	156
حضرت عبداللہ بن عبدنہم ؓ	〃	〃 〃	163
حضرت عبداللہ بن مغفل مزنی ؓ	〃	〃 〃	165
حضرت عبداللہ بن وہب ؓ	〃	〃 〃	168
حضرت عبیداللہ بن عباس ؓ	〃	〃 〃	169
حضرت عبدالرحمان بن سمرہ ؓ	〃	〃 〃	172
حضرت عتاب بن اسید ؓ	〃	〃 〃	175
حضرت عتبہ بن ابی لہب ؓ	〃	〃 〃	178
حضرت عثمان بن ابی العاص ؓ	〃	〃 〃	179
حضرت عداء بن خالد ؓ	〃	〃 〃	183
حضرت عدی بن حاتم ؓ	〃	〃 〃	185
حضرت عروہ بن مسعود ثقفی ؓ	〃	〃 〃	192
حضرت عکرمہ بن ابی جہل ؓ	〃	〃 〃	195
حضرت علاء حضرمی ؓ	〃	〃 〃	201
حضرت عمران بن حصین ؓ	〃	〃 〃	203
حضرت عمرو بن حمق ؓ	〃	〃 〃	208
حضرت عمرو بن مرہ ؓ	〃	〃 〃	210
حضرت عویجہ بن حرملہ ؓ	〃	〃 〃	212

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت عیاض بن حمار رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	212
حضرت عامر الشامی رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ اہل کتاب	191
حضرت عبدالحارث بن السنی رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ کتاب	192
حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	194
حضرت عبدالرحمان بن زبیر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	200
حضرت عداس رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	201
حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	203
حضرت عطیہ القرظی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	211
حضرت علی بن رفاعہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	212
حضرت عمرو بن سعدی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	213
حضرت عمیر بن امیہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	214
حضرت عمیر بن حسین رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	243
حضرت عامر بن شراحیل شعبی رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ - تابعین	233
حضرت عامر بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ	7	〃 〃	248
حضرت حضرت عبداللہ بن عتبہ بن مسعودؒ	〃	〃 〃	261
حضرت عبداللہ بن عون رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	263
حضرت عبیداللہ بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	270
حضرت عبدالرحمان بن اسود رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	274
حضرت عبدالرحمان بن ابی لیلیٰ رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	277
حضرت عبدالرحمان بن غنم رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	281
حضرت عبدالرحمان بن قاسم رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	283
حضرت عروہ بن زبیر رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	285

marfat.com

صفحہ نمبر	حصہ کا نام	جلد نمبر	اسم گرامی
293	〃 〃	〃	حضرت عطاء بن ابی رباح رحمۃ اللہ علیہ
300	〃 〃	〃	حضرت عمرو بن شرحبیل رحمۃ اللہ علیہ
302	〃 〃	〃	حضرت عمرو بن دینار رحمۃ اللہ علیہ
306	〃 〃	〃	حضرت عکرمہ مولی ابن عباس رحمۃ اللہ علیہ
318	〃 〃	〃	حضرت علی بن حسین زین العابدین رحمۃ اللہ علیہ
340	〃 〃	〃	حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ
389	〃 〃	〃	حضرت عمرو بن مرہ رحمۃ اللہ علیہ
391	〃 〃	〃	حضرت علقمہ بن قیس رحمۃ اللہ علیہ
303	سیر الصحابہ ۱۴- تبع تابعین اوّل	8	حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ
355	〃 〃	〃	حضرت عبداللہ بن وہب رحمۃ اللہ علیہ
388	〃 〃	〃	حضرت عبدالرحمان ابن مہدی رحمۃ اللہ علیہ
399	〃 〃	〃	حضرت علی بن مدینی رحمۃ اللہ علیہ
209	سیر الصحابہ ۱۵- تبع تابعین دوم	9	حضرت عبدالاعلی بن مسہر رحمۃ اللہ علیہ (ابو مسہرؒ)
215	〃 〃	〃	حضرت عبدالرحمٰن بن القاسم رحمۃ اللہ علیہ
220	〃 〃	〃	حضرت عبدالرزاق بن ہمام رحمۃ اللہ علیہ
227	〃 〃	〃	حضرت عبدالعزیز بن ماجشون رحمۃ اللہ علیہ
238	〃 〃	〃	حضرت عبداللہ بن ادریس رحمۃ اللہ علیہ
244	〃 〃	〃	حضرت عبداللہ بن الزبیر الحمیدی رحمۃ اللہ علیہ
253	〃 〃	〃	حضرت عبداللہ بن عمروؒ بن حفص رحمۃ اللہ علیہ
256	〃 〃	〃	حضرت عبداللہ بن ابی لہیعہ رحمۃ اللہ علیہ
261	〃 〃	〃	حضرت عفان بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ
268	〃 〃	〃	حضرت عبداللہ بن شوذب رحمۃ اللہ علیہ

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت عبداللہ بن نافع رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	270
حضرت علی بن مسہر کوفی رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	273
حضرت عمر بن سعد رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	276
حضرت عیسیٰ بن یونس الہمدانی رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	280
(غ)			
حضرت غالب بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	214
(ف)			
حضرت فراس بن نضر رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - دوم	356
حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	263
حضرت فضالہ بن عبید رضی اللہ عنہ	3	انصار - دوم	110
حضرت فروہ بن مسیک رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	216
حضرت فضالہ لیثی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	217
حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	219
حضرت فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ۱۲ - اہل کتاب	286
حضرت فضیل بن عیاض رحمۃ اللہ علیہ	8	سیر الصحابہ۱۴ - تبع تابعین اوّل	430
حضرت فضل بن موسیٰ سینانی رحمۃ اللہ علیہ	9	سیر الصحابہ۱۵ - تبع تابعین دوم	287
(ق)			
حضرت قدامہ بن مظعون رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - دوم	295
حضرت قیس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	265
حضرت قتادہ بن نعمان رضی اللہ عنہ	3	انصار - دوم	113
حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	115
حضرت قرظہ بن کعب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	122

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت قطبہ بن عامر رضی اللہ عنہ	//	// //	125
حضرت قباث بن اشیم رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	220
حضرت قثم بن عباس رضی اللہ عنہ	//	// //	221
حضرت قیس بن خرشہ رضی اللہ عنہ	//	// //	223
حضرت قیس بن عاصم رضی اللہ عنہ	//	// //	224
حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ - تابعین	398
حضرت قبیصہ بن ذویب رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	406
حضرت قتادہ بن دعامہ دوسی رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	408
حضرت قاسم بن الفضل رحمۃ اللہ علیہ	9	سیر الصحابہ ۱۵ - تبع تابعین دوم	127
حضرت قاسم بن معن رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	291
حضرت قبیصہ بن عقبہ رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	297
حضرت قتیبہ بن سعید الثقفی رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	301
(ک)			
حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ	3	انصار - دوم	126
حضرت کلثوم بن الہدم رضی اللہ عنہ	//	// //	134
حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ	//	// //	235
حضرت کرز بن جابر فہری رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	228
حضرت کعب بن زہیر و بجیر بن زہیر رضی اللہ عنہ	//	// //	229
حضرت کعب بن عمیر غفاری رضی اللہ عنہ	//	// //	232
حضرت کہمس الہلالی رضی اللہ عنہ	//	// //	233
حضرت کثیر بن السائب رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ - اہل کتاب	215
حضرت کرز بن علقمہ رضی اللہ عنہ	//	// //	216

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت کعب بن سلیم رضی اللہ عنہ	//	// //	217
حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	244
حضرت کعب احبار رحمۃ اللہ علیہ	7	سیرالصحابہ ۱۳ - تابعین	413
حضرت کعب بن سور رحمۃ اللہ علیہ	//	// //	417
(ل)			
حضرت لبید بن ربیعہ رضی اللہ عنہ	4	سیرالصحابہ - ہفتم	234
حضرت امام لیث بن سعد رحمۃ اللہ علیہ	8	سیرالصحابہ ۱۴ - تبع تابعین اوّل	410
(م)			
حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	4	سیرالصحابہ ششم	
حضرت محرز بن نضلہ رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - اوّل	455
حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ	//	// //	375
حضرت مقداد بن عمرو رضی اللہ عنہ	//	// //	396
حضرت مالک بن زمعہ رضی اللہ عنہ	//	// دوم	366
حضرت محمیہ بن جزء رضی اللہ عنہ	//	// //	352
حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ	//	// //	304
حضرت مسطح بن اثاثہ (عوف) رضی اللہ عنہ	//	// //	302
حضرت مسعود بن ربیع رضی اللہ عنہ	//	// //	361
حضرت معمر بن ابی سرح رضی اللہ عنہ	//	// //	351
حضرت معمر بن حارث رضی اللہ عنہ	//	// //	357
حضرت معمر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	//	// //	325
حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ رضی اللہ عنہ	//	// //	282
حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ	//	// //	195

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ	3	انصار - دوم	135
حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	163
حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	167
حضرت معاذ بن عفراء رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	174
حضرت مجمع بن جاریہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	176
حضرت محیصہ بن مسعود رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	178
حضرت منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	180
حضرت مجذر بن زیاد رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	238
حضرت معن بن عدی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	239
حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	237
حضرت مثنی بن حارثہ شیبانی رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	240
حضرت محجن بن ادرع رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	247
حضرت محمد بن طلحہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	248
حضرت مسلم بن حارث رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	251
حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	252
حضرت مطیع بن اسود رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	256
حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	257
حضرت معقل بن سنان رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	258
حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	260
حضرت مخرب رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۳ - اہل کتاب	217
حضرت محمد بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	218
حضرت مخریق رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	219

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت میمون بن یامین رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	220
حضرت مابور رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	222
حضرت محمد بن کعب القرظی رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	248
حضرت مجاہد بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ تابعین	420
حضرت محمد بن اسحاق رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	423
حضرت محمد بن حنفیہ رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	430
حضرت محمد بن سیرین رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	458
حضرت محمد بن عجلان رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	472
حضرت محمد بن علی امام باقر رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	474
حضرت محمد بن کعب رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	478
حضرت محمد بن مسلم امام زہری رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	480
حضرت محمد بن منکدر رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	489
حضرت مسروق بن اجدع رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	492
حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	501
حضرت مسلم بن یسار رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	505
حضرت مطرف بن عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	509
حضرت مکحول دمشقی رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	514
حضرت منصور بن زاذان رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	519
حضرت میمون بن مہران رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	521
امام محمد بن حسن شیبانی رحمۃ اللہ علیہ	8	سیر الصحابہ - تبع تابعین اول	144
حضرت مسعر بن کدام رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	348
حضرت امام مالک بن انس رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	493

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت مبارک بن فضالہ رحمۃ اللہ علیہ	9	سیر الصحابہ ۱۵ - تبع تابعین دوم	306
حضرت محمد بن ابی شیبہ رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	309
حضرت محمد بن ادریسؒ (امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ)	〃	〃 〃	311
حضرت محمد بن جعفر غندر رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	338
حضرت محمد بن عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ انصاریؒ	〃	〃 〃	341
حضرت مسلم بن خالد زنجی رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	346
حضرت معاذ بن معاذ عنبری رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	349
حضرت معافی بن عمران رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	354
حضرت معمر بن راشد رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	358
حضرت مکی بن ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	362
حضرت موسیٰ بن جعفر الملقب بہ کاظم رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	365
(ن)			
حضرت نعیم بن مسعود رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - دوم	315
حضرت نعیم النحام رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	323
حضرت نوفل بن حارث رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	260
حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ	3	انصار - دوم	182
حضرت نعمان بن عجلان رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	190
حضرت ناجیہ بن جندب رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	263
حضرت نبیشۃ الخیر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	264
حضرت نافع رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ - اہل کتاب	223
حضرت نعیم المجمر رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	252
حضرت نافع بن جبیر رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ - تابعین	525

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت نافع بن کاؤس رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	528
حضرت نعمان بن ثابت (امام ابوحنیفہ)	〃	〃 〃	595
حضرت نافع بن ابی نعیم رحمۃ اللہ علیہ	9	سیر الصحابہ ۱۵- تبع تابعین دوم	371
حضرت نضر بن شمیل رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃 〃 〃	375
(و)			
حضرت واقد بن عبداللہ رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - دوم	317
حضرت ولید بن ولید رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	275
حضرت وہب بن سعد رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	346
حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	265
حضرت وائل بن ہجر رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	268
حضرت وحشی بن حرب رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	270
حضرت وہب بن قابوس رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	272
حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ - اہل کتاب	254
حضرت وہب بن منبہ رحمۃ اللہ علیہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ - تابعین	532
حضرت وضاع بن عبداللہ الواسطی رحمۃ اللہ علیہ	9	سیر الصحابہ ۱۵- تبع تابعین دوم	382
حضرت وکیع بن الجراح الرواسی رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	387
حضرت ولید بن مسلم رحمۃ اللہ علیہ	〃	〃 〃	399
حضرت وہیب بن خالد رضی اللہ عنہ	〃	〃 〃	404
(ہ)			
حضرت ہاشم بن ابی حذیفہ رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - دوم	368
حضرت ہشام بن عاص رضی اللہ عنہ	〃	〃	293
حضرت ہلال بن امیہ رضی اللہ عنہ	3	انصار - دوم	191
حضرت ہاشم بن عتبہ رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	[illegible]
حضرت ہشام بن حکیم رضی اللہ عنہ	〃	سیر الصحابہ ۱۳ - تابعین	[illegible]

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت ہند بن حارثہ رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	279
حضرت ہرم بن حیان عبدی رحمہ اللہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ - تابعین	535
حضرت ہشام بن عروہ رحمہ اللہ	7	" "	538
حضرت ہشیم بن بشیر الواسطی رحمہ اللہ	9	سیر الصحابہ ۱۵- تبع تابعین دوم	408
(ی - یے)			
حضرت یزید بن زمعہ رضی اللہ عنہ	2	مہاجرین - دوم	353
حضرت یاسر بن عامر رضی اللہ عنہ	4	سیر الصحابہ - ہفتم	280
حضرت یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ	"	" "	282
حضرت یزید بن شجرہ رہاوی رضی اللہ عنہ	"	" "	284
حضرت یامین بن عمیر رضی اللہ عنہ	6	سیر الصحابہ ۱۲ - اہل کتاب	224
حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ	"	" "	227
حضرت یحییٰ بن سعید رحمہ اللہ	7	سیر الصحابہ ۱۳ - تابعین	541
حضرت یحییٰ بن یعمر رحمہ اللہ	"	" "	544
حضرت یزید بن ابی حبیب رحمہ اللہ	"	" "	547
حضرت یونس بن عبید رحمہ اللہ	"	" "	550
حضرت یحییٰ بن معین رحمہ اللہ	8	سیر الصحابہ ۱۴- تبع تابعین اول	366
حضرت یحییٰ بن سعید القطان رحمہ اللہ	"	" "	377
حضرت یحییٰ بن آدم رحمہ اللہ	"	" "	487
حضرت یحییٰ بن ابی زائدہ رحمہ اللہ	9	سیر الصحابہ ۱۵- تبع تابعین دوم	414
حضرت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی رحمہ اللہ	"	" "	418
حضرت یحییٰ بن یمان رحمہ اللہ	"	" "	429
حضرت یزید بن زریع العیشی رحمہ اللہ	"	" "	433
حضرت یزید بن ہارون اسلمی رحمہ اللہ	"	" "	437
حضرت یعقوب بن اسحاق حضرمی رحمہ اللہ	"	" "	451

marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اشاریہ

.... اسمائے گرامی صحابیات و تابعات ....

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
(الف)			
حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا	6	سیر الصحابہ ۱۰ - سیر الصحابیات	56
حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	//	// //	82
حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا	//	// //	101
حضرت امامہ رضی اللہ عنہا	//	// //	112
حضرت ام الفضل رضی اللہ عنہا	//	// //	112
حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا	//	// //	117
حضرت ام رومان رضی اللہ عنہا	//	// //	124
حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا	//	// //	129
حضرت ام عمارہ رضی اللہ عنہا	//	// //	135
حضرت ام عطیہ رضی اللہ عنہا	//	// //	137
حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا	//	// //	143
حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا	//	// //	147
حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا	//	// //	151
حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا	//	// //	166
حضرت ام درداء رضی اللہ عنہا	//	// //	170
حضرت ام حکیم رضی اللہ عنہا	//	// //	171

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت ام حرام رضی اللہ عنہا	6	سیر الصحابہ ۱۰- سیر الصحابیات	176
حضرت ام ورقہ رضی اللہ عنہا	//	// //	178
حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا	//	// //	184
حضرت ام ابی ہریرہ رضی اللہ عنہا	//	// //	188
حضرت ام محمد القرظیؒ	//	سیر الصحابہ ۱۲ - اہل کتاب	285
(ت)			
حضرت تمیمہ رضی اللہ عنہا	//	سیر الصحابہ ۱۲ - اہل کتاب	260
حضرت تماضرؒ	//	// //	284
(ج)			
حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا	//	سیر الصحابہ ۱۰ - سیر الصحابیات	78
(ح)			
حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا	//	// //	49
حضرت حمنہ بنت جحش رضی اللہ عنہا	//	// //	191
(خ)			
حضرت حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا	//	// //	19
حضرت خنساء رضی اللہ عنہا	//	// //	173
حضرت خولہ بنت حکیم رضی اللہ عنہا	//	// //	189
حضرت خالدہ رضی اللہ عنہا	//	سیر الصحابہ ۱۲ - اہل کتاب	262
(ر)			
حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا	//	سیر الصحابہ ۱۰ - اہل کتاب	98
حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا	//	// //	140
حضرت ریحانہ رضی اللہ عنہا	//	// //	263

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
(ز)			
حضرت زینب ام المساکین رضی اللہ عنہا	6	سیر الصحابہ ۱۰- سیر الصحابیات	55
حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا	〃	〃 〃	71
حضرت زینب (صاحبزادی) رضی اللہ عنہا	〃	〃 〃	95
حضرت زینب بنت ابی معاویہ رضی اللہ عنہا	〃	〃 〃	164
حضرت زینب بنت ابی سلمہ رضی اللہ عنہا	〃	〃 〃	186
(س)			
حضرت سودہ رضی اللہ عنہا	〃	〃 〃	30
حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا	〃	〃 〃	127
حضرت سفانہ رضی اللہ عنہا	〃	سیر الصحابہ ۱۲ - اہل کتاب	266
حضرت سیرین رضی اللہ عنہا	〃	〃 〃	268
(ش)			
حضرت شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا	〃	سیر الصحابہ ۱۰ - سیر صحابیات	162
(ص)			
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا	〃	〃 〃	90
حضرت صفیہ بنت عبدالمطلب رضی اللہ عنہا	〃	〃 〃	114
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا	〃	سیر الصحابہ ۱۲ - اہل کتاب	269
(ع)			
حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا	〃	سیر الصحابہ ۱۰ - سیر صحابیات	36
(ف)			
حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا	〃	〃 〃	102
حضرت فاطمہ بنت اسد رضی اللہ عنہا	〃		120

marfat.com

اسم گرامی	جلد نمبر	حصہ کا نام	صفحہ نمبر
حضرت فاطمہ بنت خطاب رضی اللہ عنہا	6	〃 〃	145
حضرت فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا	〃	〃 〃	158
(م)			
حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا	〃	〃 〃	87
حضرت ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا	〃	〃 〃	275
(ھ)			
حضرت ہند بنت عتبہ رضی اللہ عنہا	〃	〃 〃	180

marfat.com

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا ؗ

سِيَرُ الصَّحَابَہ رضی اللہ عنہم

خُلفائے راشدینؓ

(سیر الصحابہؓ کے حصۂ مہاجرین کی پہلی جلد)

حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان ذی النورین اور حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہم کے سوانح حیات، ملکی فتوحات، سیاسی، انتظامی، مذہبی، اخلاقی اور علمی کارناموں کی تفصیل اور خلافتِ راشدہ کے خصائص و حقائق پر سیر حاصل مقدمہ۔

از

شاہ معین الدینؒ احمد ندوی
سابق رفیق دار المصنفین اعظم گڑھ

ناشر

اسلامی کتب خانہ
فضل الٰہی مارکیٹ
چوک اردو بازار لاہور
فون 042 - 7223506

marfat.com

کتاب کی کمپوزنگ کے حقوق محفوظ ہیں

بسلسلہ	....	سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم (جلد اول)
نام کتاب	....	خلفائے راشدین
طابع	....	ممتاز احمد
ناشر	....	اسلامی کتب خانہ
مطبع	....	لعل ستار پرنٹرز
قیمت	....	/- روپے

ملنے کے پتے

⇦ مکتبہ رحمانیہ — غزنی سٹریٹ، اقراء سنٹر، اُردو بازار لاہور

⇦ ممتاز اکیڈمی — فضل الٰہی مارکیٹ اُردو بازار لاہور

⇦ مکتبۃ العلم — ۱۸/اُردو بازار لاہور

⇦ خزینہ علم وادب — الکریم مارکیٹ اُردو بازار لاہور

نوٹ

ہماری قارئین سے درخواست ہے کہ ہماری تمام تر کوشش (اچھی پروف ریڈنگ' معیاری پرنٹنگ) کے باوجود اس بات کا امکان ہے کہ کہیں کوئی لفظی غلطی یا کوئی اور خامی رہ گئی ہو تو ہمیں مطلع فرمائیں تاکہ آئندہ اشاعت میں اس غلطی یا خامی کو دُور کیا جاے۔ شکریہ!

(ادارہ)

marfat.com

فہرست موضوعات

اُسوۂ صحابہ رضی اللہ عنہم : خلفائے راشدین

عنوانات	صفحہ	عنوانات	صفحہ
سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم	11	غزوہ بنی مصطلق اور واقعہ افک	34
تمہید (اس سے پہلے)	13	واقعہ حدیبیہ	35
امیر المومنین حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ	19	امارتِ حج	37
نام، نسب، خاندان	19	آنحضرت ﷺ کی وفات اور حضرت	
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے والد	19	ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خلافت	38
حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی والدہ	20	سقیفہ بنی ساعدہ	40
قبل اِسلام	21	حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بیعت	42
اسلام	21	خلافت	44
اشاعتِ اسلام	22	اسامہ رضی اللہ عنہ بن زید والی مہم	44
مکہ کی زندگی	23	مدعیانِ نبوت کا قلع قمع	45
ہجرت حبشہ کا قصہ اور واپسی	24	مرتدین کی سرکوبی	47
ہجرت مدینہ اور خدمتِ رسول ﷺ	25	منکرین زکوٰۃ کی تنبیہ	47
مواخات	30	جمع و ترتیبِ قرآن	47
تعمیرِ مسجد	31	ایک غلط فہمی کا ازالہ	48
غزوات	32	آیات و سور عہدِ نبوت میں مرتب	
غزوۂ بدر	32	ہو چکی تھیں	48
غزوۂ احد	33	حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے قرآن کے متفرق	

marfat.com

عنوانات	صفحہ
اجزاء کو صرف ایک کتاب کی صورت میں جمع کرایا	49
صحیفہ صدیقی کب تک محفوظ رہا	49
فتوحات	50
مہم عراق	52
حملہ شام	53
متفرق فتوحات	54
مرض الموت اور استخلاف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ	54
کارنامہ ہائے زندگی	57
نظام خلافت	58
ملکی نظم ونسق	59
حکام کی نگرانی	60
تعزیر وحدود	61
مالی انتظامات	63
فوجی نظام	64
فوج کی اخلاقی تربیت	64
سامانِ جنگ کی فراہمی	65
فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ	65
بدعات کا سدباب	66
خدمتِ حدیث	66
محکمہ افتاء	67

عنوانات	صفحہ
اشاعتِ اسلام	68
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ایفائے عہد	69
رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت اور متعلقین کا خیال	69
ذمی رعایا کے حقوق	70
فضائل ومناقب	71
بارگاہِ نبوت میں رسوخ	71
علم وفضل	73
ذوقِ سخن	73
تقریر وخطابت	74
نسب دانی	75
تعبیر رؤیا	76
علم تفسیر	76
حدیث	78
امامت واجتہاد	79
اصولِ اجتہاد	80
قیاسی مسائل سے خوف	80
ایک قیاسی مسئلہ	81
اخلاق وعادات	82
تقویٰ	82
زُھد	84

marfat.com

عنوانات	صفحہ
تواضع	85
انفاق فی سبیل اللہ	87
خدمت گذاری خلق	89
مذہبی زندگی	89
خانگی زندگی	90
مہمان نوازی	90
لباس وغذا	91
ذریعہ معاش	92
جاگیر	92
حلیہ	93
ازواج واولاد	93
امیر المومنین حضرت عمر فاروق ؓ	94
نام ونسب اور خاندان	94
اسلام حضرت عمرؓ	95
زمانۂ اسلام	100
ہجرت	103
غزوات ودیگر حالات	105
خلافت اور فتوحات	111
فتوحاتِ عراق	111
قادسیہ کی فیصلہ کن جنگ	116
عام لشکر کشی	119
فتوحاتِ شام	120
میدان یرموک اور شام کی قسمت کا فیصلہ	121
بیت المقدس	122
بیت المقدس کا سفر	123
متفرق معرکے اور فتوحات	123
فتوحاتِ مصر	124
شہادت	124
ازواج واولاد	125
فاروقی کارنامے	126
فتوحات پر اجمالی نظر	126
نظام خلافت	127
احتساب	131
ملکی نظم ونسق	134
بیت المال	136
تعمیرات	137
مستعمرات	138
فوجی انتظامات	139
مذہبی خدمات	142
متفرق انتظامات	146
عدل وانصاف	147

marfat.com

عنوانات	صفحہ
علم وفضل	148
اخلاق وعادات	152
خوف خدا	153
حب رسول اور اتباعِ سنت	154
زہد وقناعت	157
تواضع	163
تشدد وترحم	164
عفو	167
رفاہِ عام	167
خدا کی راہ میں دینا	169
مساوات کا خیال	169
غیرت	170
خانگی زندگی	171
امیر المومنین حضرت عثمانؓ	172
نام ونسب' خاندان	172
قبولِ اسلام	173
شادی	174
حبشہ کی ہجرت	174
مدینہ کی طرف ہجرت	175
بیر رومہ کی خریداری	175
غزوات اور دیگر حالات	176
غزوہ بدر اور حضرت رقیہؓ کی	

عنوانات	صفحہ
علالت	176
غزوہ احد	178
دیگر غزوات	178
سفارت کی خدمت	·179
غزوہ تبوک اور تجہیز جیش عسرہ	179
خلافت اور فتوحات	182
فتح طرابلس	184
فتح افریقیہ	184
اسپین پر حملہ	184
عبداللہ بن ابی سرح کو انعام	185
فتح قبرص	185
والی بصرہ کی معزولی	186
فتح طبرستان	187
ایک عظیم الشان بحری جنگ	188
متفرق فتوحات	188
انقلاب اور حضرت عثمانؓ کی شہادت	189
رفع فتنہ اور اصلاح کی آخری کوشش	189
مفسدین کوفہ کی رضا جوئی	209
تحقیقاتی وفود	210
انقلاب کی کوشش	210

marfat.com

عنوانات	صفحہ
خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ	210
محاصرہ	212
باغیوں کو حضرت عثمانؓ کی فہمائش	213
جان نثاروں کے مشورے اور اجازت طلبی	214
شہادت کی تیاری	215
شہادت	216
حضرت عثمانؓ کا ماتم	217
عثمانی کارنامے	218
فتوحات پر اجمالی نظر	218
فتوحات کی وسعت	219
نظام خلافت	220
عمال کی مجلس شوریٰ	220
صوبوں کی تقسیم	221
اختیارات کی تقسیم	221
حکام کی نگرانی	222
ملکی نظم و نسق	222
بیت المال	223
تعمیرات	223
بند مہزور	223
مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر و توسیع	224
فوجی انتظامات	224
امارت بحریہ	225
مذہبی خدمات	226
فضل و کمال	228
نوشت و خواند	228
کتابت وحی	228
اسلوب تحریر	228
تقریر	229
قرآن پاک	230
حدیث شریف	230
فقہ و اجتہاد	231
علم الفرائض	233
اخلاق و عادات	234
خوف خدا	234
حب رسولؐ	234
احترام رسولؐ	235
اتباع سنت	235
حیاء	236
زہد	236
تواضع	237
ایثار	237
فیاضی	237
اعزہ و احباب کے ساتھ حسن سلوک	238

marfat.com

عنوانات	صفحہ
صبر وتحمل	239
مذہبی زندگی	239
ذاتی حالات	240
مسکن	240
وسائل معاش	240
جاگیر	240
زراعت	240
غذا	241
صفائی	241
لباس	241
حلیہ	241
ازواج واولاد	242
امیر المومنین حضرت علیؓ	243
نام، نسب، خاندان	243
اسلام	244
مکہ کی زندگی	245
انتظامِ دعوت	246
ہجرت	247
فدویت و جان نثاری کا ایک عدیم	
المثال کارنامہ	248
تعمیر مسجد	248
غزوات ودیگر حالات	249

عنوانات	صفحہ
غزوہ بدر	249
حضرت فاطمہؓ سے نکاح	250
رخصتی	250
جہیز	251
دعوتِ ولیمہ	251
غزوۂ احد	251
بنونضیر	252
غزوۂ خندق	252
بنوقریظہ	252
بنی سعد کی سرکوبی	253
صلح حدیبیہ	253
فتح خیبر	254
مرحب	254
مہم مکہ	255
ایک غلطی کی تلافی	257
غزوۂ حنین	257
اہل بیت کی حفاظت	258
تبلیغ فرمانِ رسولؐ	258
مہم یمن اور اشاعتِ اسلام	258
حجۃ الوداع میں شرکت	259
صدمۂ جانکاہ	259
خلیفہ اول کی بیعت اور توقف	

mariat.com

عنوانات	صفحہ
کی وجہ	260
بیعتِ خلافت	262
حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قصاص پر آمادگی	164
سفرِ عراق	165
حضرت امام حسنؓ کا سفر کوفہ	165
جنگِ جمل	267
صلح کی دعوت	271
معرکہ صفین	273
پانی کے لئے کش مکش	274
میدان جنگ میں مصالحت کی آخری کوشش	274
آغازِ جنگ	275
خارجی فرقہ کی بنیاد	280
تحکیم کا نتیجہ	281
خوارج کی سرکشی	283
معرکہ نہروان	285
مصر کے لئے کش مکش	286
بغاوتوں کا استیصال	288
امیر معاویہؓ کا جارحانہ طریقہ عمل	289
کرمان و فارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا	289
فتوحات	290
حجاز و عرب کے قبضہ کے لئے کش مکش	290
کارنامے	293
خلافتِ مرتضویؓ پر ایک نظر	293
ملکی نظم ونسق	298
عمال کی نگرانی	299
صیغۂ محاصل	300
رعایا کے ساتھ شفقت	300
فوجی انتظامات	301
مذہبی خدمات	301
تعزیری سزا	303
فضل وکمال	304
تفسیر اور علوم القرآن	305
علم حدیث	307
فقہ واجتہاد	309
قضا اور فیصلے	312
علم اسرار وحکم	316
تصوف	318
تقریر وخطابت	319
شاعری	322

marfat.com

عنوانات	صفحہ
علم نحو کی ایجاد	322
اخلاق وعادات	323
امانت ودیانت	323
زھد	324
عبادات	326
انفاق فی سبیل اللہ	327
تواضع	328
شجاعت	329
دشمنوں کے ساتھ سلوک	330
اصابت رائے	332
خانگی زندگی	340
غذا ولباس	342
حلیہ	342
ازواج واولاد	343

marfat.com

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سیر الصحابہ رضی اللہ عنہم

سیرۃ النبی ﷺ کے ساتھ ساتھ ارکان دار المصنفین کو خیال آیا کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جو اصل میں تعلیم محمدیؐ کی عملی مثال اور پیغمبر اسلام ﷺ کے فیض تربیت کے اصلی نمونے تھے' ان کی سیرتیں بھی ترتیب دی جائیں تا کہ اسلام کی اصلی عملی زندگی مسلمانوں کے سامنے آ جائے' چنانچہ ہمارے متعدد رفقاء نے اِس مقدس کام میں شرکت کی اور بحمد اللہ کہ اس کو تکمیل اور اتمام کو پہنچایا۔

صحابہ رضی اللہ عنہم کی دو بڑی تقسیمیں ہیں' مہاجرین اور انصار' اسی اصول پر سیر الصحابہؓ کے دو حصے قرار دیئے گئے ہیں' ''سیر المہاجرین'' اور ''سیر الانصار'' دوسرا حصہ یعنی سیر الانصار دو جلدوں میں چھپ کر چند سال ہوئے شائع ہو چکا ہے' اسی کے ساتھ مہاجرہ اور انصاریہ دونوں قسم کی صحابیات کی بھی ایک خاص جلد شائع ہو چکی ہے' اس کے علاوہ صحابہ کرامؓ کی مذہبی' اخلاقی' سیاسی' انتظامی زندگی کا مجموعہ اسوۂ صحابہؓ کے نام سے دو جلدوں میں چھپ کر مقبول ہو چکا ہے' غرض اس وقت تک اس سلسلے کے حسب ذیل حصے اشاعت پذیر ہو چکے ہیں:

۱- سیر الانصار: (جلد اوّل) جس میں حروف تہجی کی ترتیب الف سے لے کر س تک کے تمام مشاہیر انصار کے سوانح ہیں اور شروع میں انصار کی قبل از اسلام زندگی کی تاریخ ہے۔

۲- سیر الانصار: (جلد دوم) جس میں ش سے ی تک تمام انصار کے احوال و سوانح ہیں۔

۳- سیر الصحابیات: مہاجرہ اور انصاریہ ہر قسم کی صحابیہ عورتوں کے حالات۔

۴- اسوۂ صحابہؓ: (جلد اوّل) اس میں تمام صحابہؓ کے عقائد' عبادات اور اخلاق و فضائل کی عملی مثالیں جمع کی گئی ہیں۔

marfat.com

۵- اسوۂ صحابہؓ: (جلد دوم) اس میں صحابہؓ کے علمی، تعلیمی، سیاسی اور انتظامی کارنامے جمع کیے گئے ہیں۔

مہاجرین کے احوال و سوانح کی ترتیب و تالیف ہمارے فاضل رفیق حاجی معین الدین صاحب ندوی نے اپنے ذمہ لی تھی لیکن وہ ابھی نصف حصہ بھی ختم کرنے نہ پائے تھے کہ ان کا انتخاب کتب خانہ ندوۃ العلماء کی ترتیب فہرست کے لیے عمل میں آیا اور وہاں سے تقدیر ان کو ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ کلکتہ لے گئی اور چند سال ہوئے کہ پبلک اورنٹیل لائبریری پٹنہ میں لے آئی، اپنے عہدہ کی خدمات کی بجا آوری میں ان کا انہماک اس درجہ رہا کہ سیر المہاجرین کے ناتمام مسودہ کی تکمیل سے ان کو دست کش ہونا پڑا، حسن اتفاق یہ کہ اس خدمت کے لیے ان ہی کے ہم نام ایک مدراسی بھائی کے نام قرعہ فال نکلا، جو اس کام کو پوری مستعدی سے انجام دے رہے ہیں۔

سیر المہاجرین کے متعدد حصے ہوں گے، جن میں یہ پہلا حصہ ''خلفائے راشدین'' کے نام سے آپ کے سامنے ہے، مہاجرین بلکہ صحابہ میں ان چاروں بزرگوں کو جو اہمیت حاصل ہے وہ ان کی ایک مستقل تاریخ کی مقتضی تھی، اسی لیے اس حصہ میں کسی اور مہاجر صحابی کا اضافہ نہیں کیا گیا اور نہ ان کے لیے حروف تہجی کی ترتیب کی رعایت کی گئی۔

خلفائے اربعہ کے حالات اسی طرح لکھے گئے ہیں کہ ان کے ذاتی احوال و سوانح اور اخلاق و فضائل کے ساتھ ان کے عہد کی سیاسی و انتظامی تاریخ بھی نظر کے سامنے آ جائے اور اس بنا پر کتاب خلفائے راشدین کے حالات کے ساتھ خلافت راشدہ کے عہد کی پوری تاریخ بھی ہے، مؤلف نے اس کی کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو حالات احادیث کی کتابوں سے اخذ کیے جائیں، جہاں اس میں ناکامی ہوئی ہے، وہاں تاریخ کی مستند کتابوں، اخبار الطوال، تاریخ طبری، ابن اثیر، ابن خلدون اور تاریخ الخلفاء وغیرہ سے مدد لی ہے، لیکن نسبتاً ایسے مواقع کم آئے ہیں۔

سید سلیمان ندوی

(ناظم دار المصنفین، ۵/ صفر ۱۳۴۲ھ)

marfat.com

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ وَ عَلٰی اٰلِہِ الطَّاھِرِیْنَ وَ خُلَفَائِہِ الرَّاشِدِیْنَ.

اس سے پہلے کہ ''خلفائے راشدین'' کے حالات پڑھے جائیں' ضرورت ہے کہ خلافت راشدہ کا مفہوم ومنشاء سمجھ لیا جائے' خلافت کے لغوی معنیٰ ''جانشینی'' اور کسی کی جگہ پر اس کے بعد بیٹھنے کے ہیں' یہ لفظ خود اپنے مفہوم ومنشاء کو ظاہر کر رہا ہے کہ وہ ایک اصل کا سایہ' ایک آئینہ کا عکس اور ایک حقیقی منصب کی قائم مقامی ہے' اسی کو ''امام'' کے لفظ سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے اور یہ دونوں لفظ خلیفہ اور امام ایک ہی شخص کی دو مختلف حیثیتوں کو ظاہر کرتے ہیں' اپنے پیش رو کے نائب اور قائم مقام ہونے کے لحاظ سے وہ خلیفہ اور اپنے زمانے کے پیرووں کے لحاظ سے وہ امام اور پیشوا ہے اس بنا پر درحقیقت خلافت وامامت پیغمبر کی قائم مقامی اور اس کے بعد اس کی امت کی پیشوائی ہے' صحیحین میں یہ حدیث ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: کہ ''تم سے پہلے بنی اسرائیل میں پیغمبر اور انبیاء سیاست کرتے تھے' جب ایک پیغمبر مرتا تھا تو دوسرا پیغمبر پیدا ہوتا تھا' لیکن پیغمبری اب ختم ہوگئی' تم میں خلفاء ہوں گے۔''

اس سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت' پیغمبری کی نیابت اور قائم مقامی ہے اور نبوت کے بعد اسلام میں یہ سب سے بڑا درجہ اور رتبہ ہے' اسی لیے ان امور میں جن کی نسبت پیغمبر کی وحی اور فیصلہ موجود نہ ہو اس کا حکم اور فیصلہ بھی واجب الاطاعت ہے۔ آپؐ نے فرمایا کہ ''میرے بعد میرے ہدایت پائے ہوئے جانشینوں کی پیروی کرو۔'' اسی لیے ایک پیغمبر کے انتخاب کے لیے ظاہری حیثیت سے اس کی سیاسی وانتظامی استعداد وصلاحیت کو دیکھا جائے' اس سے بہت زیادہ اس کے اندر پیغمبرانہ صحبت کی اثر پذیرائی اور اس کے روحانی وعلمی واخلاقی فضائل ومناقب کی تلاش کرنی چاہیے' ان چار بزرگوں کا درجہ بدرجہ اس منصب اعظم کے لیے انتخاب اس نقطہ نظر کی تشریح وتوضیح ہے۔

اسلام میں خلافت کے فرائض اس قدر وسیع اور عالمگیر ہیں کہ تمام دینی ودنیوی

marfat.com

مقاصد کی تکمیل اس کے تحت میں آ جاتی ہے لیکن ان کی اجمالی تشریح صرف ایک فقرہ میں کی جا سکتی ہے، یعنی پیغمبرؑ کے کاموں کو قائم اور باقی اور ہر خارجی آمیزش سے پاک وصاف رکھنا اور ان کو ترقی دینا۔ یہ فقرہ ایک لفظ میں بھی سما سکتا ہے۔ یعنی ''اقامت دین''، لیکن یہ لفظ خود اس قدر وسیع ہے کہ تمام دینی و دنیوی مقاصد کو شامل ہو جاتا ہے، اور اقامت ارکان اسلام مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر، جہاد، نصب قضاۃ، اقامت حدود اور وعظ و پند و تعلیم وغیرہ سب اس کے جزئیات میں داخل ہو جاتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک زندگی ان ہی مقاصد کی تکمیل میں صرف ہوئی اور آپؐ کے بعد جو لوگ آپؐ کے خلیفہ و جانشین ہوئے انہوں نے بھی اپنی زندگی کو ان ہی مقاصد کی تکمیل کے لیے وقف کیا، خلفاء کے دور بلکہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں اگرچہ ان مقاصد کی تکمیل کے لیے الگ الگ اشخاص مقرر تھے، مثلاً نماز کی امامت اور صدقات و زکوٰۃ کے وصول کرنے کا کام مخصوص اشخاص سے متعلق تھا، برائیوں پر روک ٹوک کرنے کے لیے ادر اشخاص معین تھے، مقدمات کے فیصلہ کا کام مخصوص اشخاص سے لیا جاتا تھا، قرآن وسنت کی تعلیم اور لوگ دیتے تھے، لیکن خلافت کی تعریف ان تمام مقاصد کو شامل ہے، اس لیے ان اشخاص کے لیے متفرق طور پر جن اوصاف کی ضرورت ہے خلیفہ کو ان سب کا جامع ہونا چاہیے، لیکن ان ظاہری اوصاف کے علاوہ روحانی فضائل کے لحاظ سے خلیفہ میں پیغمبرانہ تعلیم و تاثیر کا فیضان پورے جوش کے ساتھ جاری رہتا ہے۔ پیغمبر جن لوگوں میں اس قسم کی روحانی استعداد دیکھتا ہے، اشارات و تلویحات کے ذریعہ ان ہی کو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کرتا ہے زمانہ کے انقلاب اور حالات کے تغیر نے اسلام کے حقیقی نصب العین کو چالیس سال کے بعد بدل دیا اور ان لوگوں کے ہاتھوں میں یہ منصب چلا گیا جو اندرونی و باطنی و روحانی حیثیت سے اس کے لائق نہ تھے، بلکہ ان کو صرف ظاہری طور پر ثقہ، متدین، پاکباز پابند ارکان اسلام اور عالم بالکتاب والسنۃ دیکھ کر امام وخلیفہ تسلیم کر لیا گیا، لیکن ایک پیغمبر کی نگاہ ان ظاہری صفات کے ساتھ مخصوص روحانی فضائل و کمالات پر بھی پڑتی ہے، اور ان ہی فضائل و کمالات کے لحاظ سے قرآن وحدیث میں ایسے مخصوص اشارات پائے جاتے

marfat.com

ہیں' جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خلافت کاملہ کا حقیقی مستحق صرف صحابہؓ کا گروہ تھا' چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ خداوند تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دل دیکھے تو ان میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو سب سے بہتر پایا' اس لیے اس کو چن لیا اور آپؐ کو پیغمبر بنا کر مبعوث فرمایا- پھر آپؐ کے دل کے بعد اپنے بندوں کے دل دیکھے تو آپؐ کے اصحابؓ کے دل کو سب سے بہتر پایا اس لیے ان کو اپنا وزیر بنا لیا' جو آپؐ کے دین کی حفاظت کے لیے جنگ کرتے ہیں-

لیکن یہ ظاہر ہے کہ صحابہؓ کا پورا گروہ خلیفہ نہیں ہو سکتا تھا اس لیے خود اس گروہ میں ایسے مخصوص قیود و اوصاف کا اضافہ کیا گیا' جس سے خلافت کا مفہوم خدا اور رسول کے منشاء کے مطابق محدود ہو کر بالکل مکمل ہو جائے اور جن لوگوں میں یہ اوصاف موجود ہوں ان کی نسبت یہ اطمینان حاصل ہو سکے کہ وہ خلافت کو صحیح اصول پر چلائیں گے۔ چنانچہ قرآن و حدیث کے اشارات و تلویحات سے خلافت کے مفہوم کی تکمیل کے لیے جن مخصوص اوصاف کی ضرورت ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ خلیفہ مہاجرین اول میں سے ہو' صلح حدیبیہ اور دوسرے اہم غزوات مثلاً بدر و تبوک میں شامل اور سورۂ نور کے اترنے کے وقت موجود رہا ہو' چنانچہ خداوند تعالیٰ مہاجرین اوّل کے متعلق فرماتا ہے:

﴿اَلَّذِیْنَ اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِی الْاَرْضِ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ وَ اَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَ نَهَوْا عَنِ الْمُنْكَرِ﴾

''وہ لوگ جن کو ہم اگر زمین میں جگہ دیدیں گے تو یہ لوگ نماز قائم کریں گے' زکوٰۃ دیں گے نیکی کا حکم دیں گے اور برائی سے روکیں گے-''

اور یہ تمام چیزیں مقاصد خلافت میں شامل ہیں' شرکائے صلح حدیبیہ کی نسبت ارشاد ہوتا ہے-

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ﴾

''محمد رسول اللہ اور جو لوگ آپؐ کے ساتھ ہیں کفار پر سخت ہیں-''

جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس گروہ کے ذریعہ سے اعلائے کلمۃ اللہ ہو گا جو خلافت کا سب سے بڑا مقصد ہے' جو لوگ سورۂ نور کے اترنے کے وقت موجود تھے ان کی نسبت ارشاد ہوتا ہے:

marfat.com

بعض غزوات کا امیر بنایا ہے اور صدقات مدینہ کا عامل مقرر فرمایا ہے' حضرت عثمانؓ سے صلح حدیبیہ کے زمانہ میں سفیر کا کام لیا ہے' اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو یمن کا قاضی مقرر کر کے بھیجا ہے۔

خداوند تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ سے جو وعدے کیے تھے وہ ان کے زمانے میں پورے ہوئے' مثلاً اقامت صلوٰۃ' ایتائے زکوٰۃ' امر بالمعروف' نہی عن المنکر اور تمکین وتقویت دین سے وہ وعدے پورے ہوئے جو آیت اِنْ مَّكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ. الخ اور وَعَدَاللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ .الخ میں کیے گئے تھے' اسلام کے مقابل میں یہودیت' نصرانیت اور مجوسیت کے مغلوب ہو جانے سے لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ. کی بشارت پوری ہوئی اور فتوحات کی کثرت نے آیت، مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ الخ کی موعودہ خیر وبرکت کو پورا کیا' آیۃ من اية منكم .میں مرتدین کی جنگ کی طرف جو اشارہ ہے وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی' اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَ قُرْاٰنَهٗ میں کتابی شکل میں قرآن مجید کی تدوین کی طرف جو اشارہ ہے اس کی تکمیل حضرت ابوبکر اور حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہم کی کوششوں سے ہوئی - قتال خوارج کی نسبت حدیث میں آیا ہے کہ اگر میں ان کو پاتا تو عاد کی طرح قتل کر ڈالتا' اور ان کی جنگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ہوئی۔

امور دین میں خود رسول ﷺ کی تصریح کے مطابق ان کا قول وفعل حجت تھا' چنانچہ آپؐ نے فرمایا کہ'' تم پر میری سنت اور میرے بعد خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کی سنت کا اتباع فرض ہے-'' حضرت ابن مسعودؓ اور حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ میرے بعد لوگوں میں ابوبکرؓ اور عمر رضی اللہ عنہ کی تقلید کرو-''

غرض اس قسم کے بے شمار فضائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا اور رسولؐ کی مرضی کے مطابق خلافت کے حقیقی مستحق اور اس کی تعریف کا صحیح مصداق صرف خلفائے اربعہؓ تھے اور ان کے کارنامہ ہائے زندگی بھی جو اس کتاب میں مذکور ہیں' اس کی تصدیق کریں گے۔

معین الدین ندوی

رفیق دارالمصنفین ' اعظم گڑھ

marfat.com

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ

خلیفۂ اوّل

رسول اللہ ﷺ

نام ونسب، خاندان:

عبداللہ نام، ابوبکر کنیت، صدیق اور عتیق لقب، والد کا نام عثمان اور کنیت ابو قحافہ، والدہ کا نام سلمیٰ اور ام الخیر کنیت، والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔

عبداللہ بن عثمان بن عامر بن عمرو بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ بن کعب بن لوئی القرشی التیمی، اور والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے: ام الخیر بنت صخر بن عامر بن کعب بن سعد بن تیم بن مرہ[1] اس طرح حضرت ابوبکر کا سلسلہ نسب چھٹی پشت میں مرہ پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے۔

حضرت ابوبکرؓ کے والد:

ابو قحافہ عثمان بن عامر شرفائے مکہ میں سے تھے اور نہایت معمر تھے، ابتداءً جیسا کہ بوڑھوں کا قاعدہ ہے، وہ اسلام کی تحریک کو بازیچۂ اطفال سمجھتے تھے۔ چنانچہ حضرت عبداللہ کا بیان ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی تو میں آپ کی تلاش میں حضرت ابوبکرؓ کے گھر آیا وہاں ابو قحافہ موجود تھے انہوں نے حضرت علیؓ کو اس طرف سے گزرتے ہوئے دیکھ کر نہایت برہمی سے کہا کہ ان بچوں نے میرے لڑکے کو بھی خراب کر دیا۔[2]

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزء ثالث صفحہ ۱۱۹۔　[2] الاصابہ جلد ۴ ص ۲۲۱

marfat.com

ابو قحافہ فتح مکہ تک نہایت استقلال کے ساتھ اپنے آبائی مذہب پر قائم رہے۔ فتح مکہ کے بعد جب رسول اللہ ﷺ مسجد میں تشریف فرما تھے وہ اپنے فرزند سعید حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ساتھ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے' آنحضرت ﷺ نے ان کے ضعف پیری کو دیکھ کر فرمایا کہ انہیں کیوں تکلیف دی' میں خود ان کے پاس پہنچ جاتا' اس کے بعد آپؐ نے نہایت شفقت سے ان کے سینہ پر ہاتھ پھیرا اور کلمات طیبات تلقین کر کے مشرف باسلام فرمایا۔ حضرت ابو قحافہ رضی اللہ عنہ نے بڑی عمر پائی۔ آنحضرت ﷺ کے بعد اپنے فرزند ارجمند حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد بھی کچھ دنوں تک زندہ رہے' آخر عمر میں بہت ضعیف ہو گئے تھے۔ آنکھوں کی بصارت جاتی رہی تھی' ۱۴ھ میں ۹۷ برس کی عمر میں وفات پائی۔[1]

حضرت ابوبکرؓ کی والدہ:

حضرت ام الخیر سلمٰی بنت صخر کو ابتداء ہی میں حلقہ بگوشان اسلام میں داخل ہونے کا شرف حاصل ہوا، ان سے پہلے صرف انتالیس اصحاب مسلمان ہوئے تھے۔ یہ قلیل جماعت باعلان اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتی تھی اور نہ مشرکین و کفار کو بابانگ دہل دین مبین کی دعوت دے سکتی تھی' لیکن حضرت ابوبکرؓ کا مذہبی جوش اس بے بسی پر نہایت مضطرب تھا' آپؓ نے ایک روز نہایت اصرار کے ساتھ آنحضرت ﷺ سے اجازت لے کر مجمع عام میں شریعت حقہ کے فضائل و محامد پر تقریر کی اور کفار و مشرکین کو شرک و بت پرستی چھوڑ کر اسلام قبول کر لینے کی دعوت دی' کفار و مشرکین جن کے کان کبھی ان الفاظ سے مانوس نہ تھے نہایت برہم ہوئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کو نہایت بے رحمی اور خدا ناترسی کے ساتھ اس قدر مارا کہ بالآخر بنی تیم کو باوجود مشرک ہونے کے اپنے قبیلہ کے ایک فرد کو اس حال میں دیکھ کر ترس آ گیا اور انہوں نے عام مشرکین کے پنجۂ ظلم سے چھڑا کر ان کو مکان تک پہنچا دیا' شب کے وقت بھی حضرت ابوبکرؓ باوجود درد اور تکلیف کے اپنے والد اور خاندانی اعزہ کو اسلام کی دعوت دیتے رہے' صبح ہوئی تو رسول اللہ کا پتہ دریافت کر کے اپنی والدہ کے ساتھ ارقم بن رقم کے مکان میں آئے اور آنحضرت ﷺ سے عرض کی کہ میری والدہ حاضر ہیں ان کو راہ

[1] اصابہ جلد ۴ ص ۲۲۲۔

marfat.com

حق کی ہدایت کیجئے' آنحضرت ﷺ نے انہیں اسلام کی دعوت دی اور وہ مشرف باسلام ہو گئیں۔[1]

حضرت ام الخیر نے بھی طویل عمر پائی' چنانچہ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی خلافت تک زندہ رہیں لیکن اپنے شوہر سے پہلے وفات پائی۔[2]

قبل اسلام:

حضرت ابوبکر صدیقؓ اسلام سے قبل ایک متمول تاجر کی حیثیت رکھتے تھے اور ان کی دیانت' راستبازی اور امانت کا خاص شہرہ تھا' اہل مکہ ان کو علم' تجربہ اور حسن خلق کے باعث نہایت معزز سمجھتے تھے' ایام جاہلیت میں خون بہا کا مال آپ ہی کے ہاں جمع ہوتا تھا۔ اگر کبھی کسی دوسرے شخص کے یہاں جمع ہوتا تو قریش اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔[3]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایام جاہلیت میں بھی شراب سے ویسی ہی نفرت تھی' جیسی زمانۂ اسلام میں اس قسم کے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ شراب نوشی میں نقصان آبرو ہے۔

آنحضرت ﷺ کے ساتھ بچپن ہی سے ان کو خاص انس اور خلوص تھا' اور آپؐ کے حلقۂ احباب میں داخل تھے' اکثر تجارت کے سفروں میں بھی ہمراہی کا شرف حاصل ہوتا تھا۔[4]

اسلام:

آنحضرت ﷺ کو جب خلعت نبوت عطا ہوا اور آپؐ نے مخفی طور پر احباب مخلصین اور محرمان راز کے سامنے اس حقیقت کو ظاہر فرمایا تو مردوں میں سے حضرت ابوبکرؓ نے سب سے پہلے بیعت کے لیے ہاتھ بڑھایا' بعض ارباب سیر نے ان کے قبول اسلام کے متعلق بہت سے طویل قصے نقل کیے ہیں لیکن یہ سب حقیقت سے دور ہیں' اصل یہ ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا آئینہ دل پہلے سے صاف تھا' فقط خورشید حقیقت کی عکس افگنی کی دیر تھی' گذشتہ صحبتوں کے تجربوں نے نبوت کے خدوخال کو اس طرح واضح کر دیا تھا کہ معرفت حق کے لیے کوئی انتظار باقی نہ رہا۔ البتہ ان کے اول مسلمان ہونے میں بعض مؤرخین اور اہل آثار نے کلام کیا ہے' بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کا اسلام سب سے مقدم ہے۔ بعض سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو اولیت کا فخر حاصل

---

[1] الاصابہ جلد ۸ ص ۲۲۹۔ [2] ایضاً بحوالہ طبرانی [3] کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۳۔ [4] ایضاً

marfat.com

ہے اور بعض کا خیال ہے کہ حضرت زید بن ثابتؓ بھی حضرت ابوبکرؓ سے پہلے مسلمان ہو چکے تھے' لیکن اس کے مقابلہ میں ایسے اخبار و آثار بھی بکثرت موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ اولیت کا طغرائے شرف و امتیاز صرف اسی ذات گرامی کے لیے مخصوص ہے' حضرت حسان بن ثابت کے ایک قصیدہ سے بھی اسی خیال کی تائید ہوتی ہے۔

اذا تذکرت شجوا من اخی ثقة فاذکر اخاک ابابکر بما فعلا

جب تمہیں کسی سچے بھائی کا غم آوے' تو اپنے بھائی ابوبکرؓ کو یاد کروان کے کارناموں کی بنا پر

خیر البریة اتقاها اعدلها بعد النبی و اوفاها بما حملا

وہ تمام مخلوق میں نبی ﷺ کے بعد تقویٰ اور عدل کے لحاظ سے بہتر تھے اور انہوں نے جو کچھ اٹھایا اس کو پورا کر کے چھوڑا۔

والثانی والتالی المحمود مشهده و اول الناس منهم صدق المرسلا

وہی ثانی اور آپ کے بعد متصل ہیں جن کی مشکلات میں موجودگی کی تعریف کی گئی اور وہی پہلے شخص ہیں جنہوں نے رسولوں کی تصدیق کی ہے۔

محققین نے ان مختلف احادیث و آثار میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المومنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا عورتوں میں' حضرت علیؓ بچوں میں' حضرت زید بن حارثہؓ غلاموں میں اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آزاد اور بالغ مردوں میں سب سے اول مومن ہیں۔[1]

اشاعت اسلام:

حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسلمان ہونے کے ساتھ ہی دین حنیف کی نشر و اشاعت کے لیے جدوجہد شروع کر دی اور صرف آپؓ کی دعوت پر حضرت عثمانؓ بن عفان' حضرت زبیرؓ بن العوام' حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف' حضرت سعدؓ بن ابی وقاص' حضرت طلحہؓ بن عبداللہ جو معدن اسلام کے سب سے تاباں و درخشاں جواہر ہیں' مشرف باسلام ہوئے۔ حضرت عثمانؓ بن مظعون' حضرت ابوعبیدہؓ' حضرت ابوسلمہؓ اور حضرت خالد بن سعیدؓ بن العاص بھی آپ ہی کی ہدایت سے دائرہ اسلام میں داخل ہوئے۔ یہ وہ اکابر صحابہؓ ہیں جو آسمان اسلام کے اختر

1 فتح الباری ج ۷ ص ۱۳۰۔

marfat.com

ہائے تاباں ہیں لیکن ان ستاروں کا مرکز شمسی حضرت ابوبکر صدیقؓ ہی کی ذات تھی اعلانیہ دعوت کے علاوہ ان کا مخفی روحانی اثر بھی سعید روحوں کو اسلام کی طرف مائل کرتا تھا۔ چنانچہ اپنے صحن خانہ ایک چھوٹی سی مسجد بنائی تھی اور اس میں نہایت خشوع وخضوع کے ساتھ عبادت الٰہی میں مشغول رہتے تھے' آپؓ نہایت رقیق القلب تھے۔ قرآن پاک کی تلاوت فرماتے تو آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے' لوگ آپؓ کے گریہ وبکا کو دیکھ کر جمع ہو جاتے اور اس پر اثر منظر سے نہایت متاثر ہوتے۔ [1]

مکہ کی زندگی:

آنحضرت ﷺ نے بعثت کے بعد کفار کی ایذ ارسانی کے باوجود تیرہ برس تک مکہ میں تبلیغ ودعوت کا سلسلہ جاری رکھا' حضرت ابوبکرؓ اس بے بسی کی زندگی میں جان' مال رائے و مشورہ' غرض ہر حیثیت سے آپؐ کے دست وبازو اور رنج و راحت میں شریک رہے' آنحضرت ﷺ روزانہ صبح وشام حضرت ابوبکرؓ کے گھر تشریف لے جاتے اور دیر تک مجلس راز قائم رہتی۔ [2] قبائل عرب اور عام مجمعوں میں تبلیغ وہدایت کے لیے جاتے تو یہ بھی ہم رکاب ہوتے اور نسب دانی اور کثرت ملاقات کے باعث لوگوں سے آپ کا تعارف کراتے۔ [3]

مکہ میں ابتداءً جن لوگوں نے داعی توحید کو لبیک کہا ان میں کثیر تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجۂ ظلم وستم میں گرفتار ہونے کے باعث طرح طرح کی اذیتوں میں مبتلا تھے' حضرت ابوبکرؓ نے ان مظلوم بندگان توحید کو ان کے جفا کار مالکوں سے خرید کر آزاد کر دیا۔ چنانچہ حضرت بلالؓ، عامرؓ بن فہیرہؓ، نذیرہؓ، نہدیہؓ، جاریہؓ، بنی مولؓ اور بنت نہدیہؓ وغیرہ نے اسی صدیقی جودوکرم کے ذریعہ سے نجات پائی۔

کفار جب کبھی آنحضرت پر دست تعدی دراز کرتے تو یہ مخلص جانثار خطرہ میں پڑ کر خود سینہ سپر ہو جاتا' ایک دفعہ آپؐ خانہ کعبہ میں تقریر فرما رہے تھے مشرکین اس تقریر سے سخت برہم ہوئے اور اس قدر مارا کہ آپؐ بے ہوش ہو گئے' حضرت ابوبکرؓ نے بڑھ کر کہا'' خدا تم

---

[1] بخاری باب الہجرۃ النبی ﷺ واصحابہ الی المدینہ۔ [2] ایضاً

[3] کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۹ فضائل ابی بکرؓ صدیق

marfat.com

سے سمجھے' کیا تم صرف ان کو اس لیے قتل کر دو گے کہ ایک خدا کا نام لیتے ہیں[1] اسی طرح ایک روز آنحضرت ﷺ نماز پڑھ رہے تھے کہ اسی حالت میں عقبہ بن ابی معیط نے اپنی چادر سے گلوئے مبارک میں پھندا ڈال دیا' اس وقت اتفاقاً حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ پہنچ گئے اور اس نابحار کی گردن پکڑ کر خیر الانام علیہ السلام سے علیحدہ کیا اور فرمایا ''کیا تم اس کو قتل کرو گے جو تمہارے پاس خدا کی نشانیاں لایا اور کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے؟[2]

آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ میں رشتہ مصاہرت[3] مکہ ہی میں قائم ہوا' یعنی حضرت ابوبکرؓ صدیق کی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آنحضرت ﷺ کے نکاح میں آئیں' لیکن رخصتی ہجرت کے دو سال بعد ہوئی۔

ہجرت حبشہ کا قصد اور واپسی:

ابتداءً مشرکین قریش نے مسلمانوں کی قلیل جماعت کو چنداں اہمیت نہ دی لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ روز بروز ان کی تعداد بڑھتی جاتی ہے اور اسلام کا حلقۂ اثر وسیع ہوتا جاتا ہے تو نہایت سختی سے انہوں نے اس تحریک کا سدباب کرنا چاہا ایذا اور تکلیف رسانی کی تمام ممکن صورتیں عمل میں لانے لگے' آنحضرت ﷺ نے جب اپنے جانثاروں کو ان مصائب میں مبتلا پایا تو ستم زدوں کو حبش کی طرف ہجرت کی اجازت دی اور بہت سے مسلمان حبش کی طرف روانہ ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق بھی باوجود وجاہت ذاتی اور اعزاز خاندانی کے اس دار و گیر سے محفوظ نہ تھے' چنانچہ جب حضرت طلحہؓ بن عبداللہ ان کی تبلیغ سے حلقہ بگوش اسلام ہوئے تو حضرت طلحہؓ کے چچا نوفل بن خویلد نے ان دونوں کو ایک ساتھ باندھ کر مارا اور حضرت ابوبکرؓ کے خاندان نے کچھ حمایت نہ کی،[4] ان اذیتوں سے مجبور ہو کر آپؓ نے آنحضرت ﷺ سے اجازت لی اور رخت سفر باندھ کر عازم حبش ہوئے' جب آپ رضی اللہ عنہ مقام برک الغما میں پہنچے تو ابن الدغنہ رئیس قارہ سے ملاقات ہوئی' اس نے پوچھا ابوبکرؓ کہاں کا قصد ہے؟ آپ نے فرمایا کہ قوم نے مجھے جلاوطن کر دیا ہے' اب ارادہ ہے کہ کسی اور ملک کو چلا جاؤں اور

---

[1] فتح الباری ج ۷ ص ۱۲۹۔ [2] بخاری مالقی النبی و اصحابہ من المشرکین بمکۃ۔
[3] باب تزویج النبی ﷺ عائشہ۔
[4] طبقات ابن سعد قسم اوّل جزو ثالث ص ۱۹۳۔ یہ واقدی کی روایت ہے۔

marfat.com

آزادی سے خدا کی عبادت کروں' ابن الدغنہ نے کہا کہ تم سا آدمی جلاوطن نہیں کیا جا سکتا' تم مفلس و بے نوا کی دست گیری کرتے ہو' قرابت داروں کا خیال رکھتے ہو' مہمان نوازی کرتے ہو' مصیبت زدوں کی اعانت کرتے ہو' میرے ساتھ واپس چلو اور اپنے وطن ہی میں اپنے خدا کی عبادت کرو۔ چنانچہ آپؓ ابن الدغنہ کے ساتھ پھر مکہ واپس آئے' ابن الدغنہ نے قریش میں پھر اعلان کر دیا کہ آج سے ابوبکرؓ میری امان میں ہیں' ایسے شخص کو جلاوطن نہ کرنا چاہیے جو محتاجوں کی خبر گیری کرتا ہے' قرابت داروں کا خیال رکھتا ہے' مہمان نوازی کرتا ہے اور مصائب میں لوگوں کے کام آتا ہے' قریش نے ابن الدغنہ کی امان کو تسلیم کیا' لیکن فرمائش کی کہ ابوبکر کو سمجھا دو کہ وہ جب اور جس طرح جی چاہے اپنے گھر میں نمازیں پڑھے اور قرآن کی تلاوت کریں' لیکن گھر سے باہر ان کو نمازیں پڑھنے کی اجازت نہیں' مگر جیسا کہ پہلے ذکر آ چکا ہے' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے عبادت الٰہی کے لیے اپنے صحن خانہ میں ایک مسجد بنا لی تھی' کفار کو اس پر بھی اعتراض ہوا' انہوں نے ابن الدغنہ کو خبر دی کہ ہم نے تمہاری ذمہ داری پر ابوبکر کو اس شرط پر امان دی تھی کہ وہ اپنے مکان میں چھپ کر اپنے مذہبی فرائض ادا کریں' لیکن اب وہ صحن خانہ میں مسجد بنا کر اعلان کے ساتھ نماز پڑھتے ہیں' اس سے ہم کو خوف ہے کہ ہماری عورتیں اور بچے متاثر ہو کر اپنے آبائی مذہب سے بدعقیدہ نہ ہو جائیں۔ اس لیے تم انہیں مطلع کر دو کہ اس سے باز آ جائیں ورنہ تم کو ذمہ داری سے بری سمجھیں' ابن الدغنہ نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے جا کر کہا' تم جانتے ہو کہ میں نے کس شرط پر تمہاری حفاظت کا ذمہ لیا ہے' اس لیے یا تو تم اس پر قائم رہو یا مجھے ذمہ داری سے بری سمجھو' میں نہیں چاہتا کہ عرب میں مشہور ہو کہ میں نے کسی کے ساتھ بدعہدی کی' لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہایت استغناء کے ساتھ جواب دیا کہ '' مجھے تمہاری پناہ کی حاجت نہیں میرے لیے خدا اور اس کے رسولؐ کی پناہ کافی ہے۔[1]

ہجرت مدینہ اور خدمت رسولؐ:

کفار و مشرکین کا دست ستم روز بروز زیادہ دراز ہوتا گیا تو آپؓ نے پھر دوبارہ ہجرت کا قصد فرمایا' اس وقت تک مدینہ کی سرزمین نور اسلام سے منور ہو چکی تھی اور ستم رسیدہ

[1] بخاری جلد اول باب ہجرت النبی ﷺ و اصحابہ الی المدینہ

marfat.com

مسلمانوں کو نہایت خلوص ومحبت کے ساتھ اپنے دامن میں پناہ دے رہی تھی' اس لیے اس دفعہ آپ نے مدینہ کو اپنی منزل قرار دیا اور ہجرت کی تیاری شروع کر دی' لیکن بارگاہ نبوت سے یہ حکم ہوا کہ ابھی عجلت سے کام نہ کرو' امید ہے کہ خدائے پاک کی طرف سے مجھے بھی ہجرت کا حکم ہوگا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے نہایت تعجب سے پوچھا ''میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں کیا آپ کو بھی ہجرت کا حکم ہوگا؟'' ارشاد ہوا ''ہاں'' عرض کی یا رسول اللہ ﷺ! مجھے ہمراہی کا شرف نصیب ہو۔'' فرمایا ''ہاں! تم ساتھ چلو گے۔'' اس بشارت کے بعد ارادہ ملتوی کر دیا اور چار ماہ تک منتظر رہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ آنحضرت ﷺ عموماً صبح وشام حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے گھر تشریف لایا کرتے تھے۔ ایک روز منہ کو چھپائے ہوئے خلاف معمول ناوقت تشریف لائے اور فرمایا کہ کوئی ہو تو ہٹا دو' میں کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں' حضرت ابوبکرؓ صدیق نے عرض کی کہ گھر والوں کے سوا اور کوئی نہیں ہے' یہ سن کر آپؐ اندر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے ہجرت کا حکم ہو گیا ہے' حضرت ابوبکرؓ نے پھر ہمراہی کی تمنا ظاہر کی' ارشاد ہوا ہاں تیار ہو جاؤ' وہ تو چار مہینے سے اسی انتظار میں بیٹھے ہوئے تھے' فوراً تیار ہو گئے' ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت اسماءؓ نے جلدی جلدی رخت سفر درست کیا' حضرت اسماءؓ کو توشہ دان باندھنے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی' تو انہوں نے اپنا کمر بند پھاڑ کر باندھا اور دربار نبوت سے ''ذات النطاقین'' کا خطاب پایا۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے پہلے ہی سے دو اونٹ تیار کر لیے تھے' ایک آنحضرتؐ کی خدمت میں پیش کیا اور ایک پر خود سوار ہوئے' اس طرح نبیؐ وصدیق رضی اللہ عنہ کا مختصر قافلہ راہی مدینہ ہوا۔[1]

اس قافلہ کی پہلی منزل غار ثور تھی' حضرت ابوبکرؓ نے غار میں پہلے داخل ہو کر اس کو درست کیا' جو سوراخ اور بھٹ نظر آئے ان کو بند کیا' پھر آنحضرت ﷺ سے اندر تشریف لانے کے لیے عرض کی' آپؐ اس غار میں داخل ہوئے اور اپنے رفیق مونس کے زانو پر سر مبارک رکھ کر مشغول استراحت ہو گئے' اتفاقاً اسی حالت میں ایک سوراخ سے جو بند ہونے سے رہ گیا تھا' ایک

---

[1] بخاری ج ۳ باب ہجرت النبی ﷺ واصحابہ الی المدینہ۔

marfat.com

زہریلے سانپ نے سر نکالا لیکن اس خادم جان نثار نے اپنے آقا کی راحت میں خلل انداز ہونا گوارہ نہ کیا اور خود اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اس پر پاؤں رکھ دیا' سانپ نے کاٹ لیا' زہر اثر کرنے لگا' درد وکرب کے باعث آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے' لیکن اس وفا شعار رفیق نے اپنے جسم کو حرکت نہ دی۔ کہ اس سے خواب راحت میں خلل اندازی ہو گی' اتفاقاً آنسو کا ایک قطرہ ڈھلک کر آنحضرت ﷺ کے چہرہ انور پر ٹپکا جس سے حضور ﷺ بیدار ہو گئے۔ اور اپنے مخلص غمگسار کو بے چین دیکھ کر فرمایا ابوبکر کیا ہے؟ عرض کی "میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں' سانپ نے کاٹ لیا ہے۔" آنحضرت ﷺ نے اسی وقت اس مقام پر اپنا لعاب دہن لگا دیا' اس تریاق سے زہر کا اثر دور ہو گیا۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق نے اپنے صاحبزادے حضرت عبداللہ کو ہدایت کر دی تھی کہ دن کو مکہ میں جو واقعات پیش آئیں رات کو ہمارے پاس آ کر ان کی اطلاع کرتے رہنا' اسی طرح اپنے غلام عامر رضی اللہ عنہ بن فہیرہ کو حکم دیا تھا کہ مکہ کی چراگاہ میں بکریاں چرائیں اور رات کے وقت غار کے پاس لے آئیں' چنانچہ صبح کے وقت جب حضرت عبداللہ واپس آتے تو حضرت عامر بن فہیرہ ان کے نشان قدم پر بکریاں لاتے تاکہ نشان مٹ جائے اور کسی کو شبہ نہ ہو' رات کے وقت انہی بکریوں کا تازہ دودھ غذا کے کام آتا' غرض تین دن اور تین راتیں اسی حالت میں بسر ہوئیں اور یہ تمام کارروائی اس احتیاط سے عمل میں آتی تھی کہ قریش کو ذرا بھی شبہ نہ ہوا۔[2]

اس عرصہ میں کفار بھی اپنی کوششوں سے غافل نہ تھے' جس روز آنحضرت ﷺ نے ہجرت فرمائی' اسی روز قریش کی مجلس ملی سے آپ ﷺ کے قتل کا فتویٰ صادر ہو چکا تھا اور تمام ضروری تدبیریں عمل میں آ چکی تھیں' چنانچہ ابوجہل وغیرہ نے اس روز رات بھر کا شانہ اقدس کا محاصرہ رکھا' لیکن جب وقت معین پر خواب گاہ میں داخل ہوئے تو وہ گوہر مقصود سے خالی تھا' وہاں سے حضرت ابوبکر صدیق کے دولت کدہ پر گئے' اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ان کے والد کے بارے میں دریافت کیا' انہوں نے لاعلمی ظاہر کی تو ابوجہل نے غضبناک ہو کر زور سے ایک

---

1. زرقانی ج ا ص ۳۸۹۔

2. بخاری ج ۲ باب بنیان الکعبہ باب ہجرت النبی واصحابہ الی المدینہ

marfat.com

طمانچہ مارا اور اسے یقین ہو گیا کہ یہ دونوں ایک ساتھ یہاں سے روانہ ہو گئے۔[1]

قریش اپنی ناکامی پر سخت برہم ہوئے' اسی وقت اعلان کیا گیا کہ جو شخص محمد ﷺ کو گرفتار کر کے لائے گا اس کو سو اونٹ انعام میں دیئے جائیں گے' چنانچہ متعدد بہادروں نے مذہبی جوش اور انعام کی طمع میں آپ کی تلاش شروع کی' مکہ کے اطراف میں کوئی آبادی' ویرانہ' جنگل اور پہاڑ یا سنسان میدان ایسا نہ ہو گا' جس کا جائزہ نہ لیا گیا ہو' یہاں تک کہ ایک جماعت غار کے پاس پہنچی' اس وقت حضرت ابوبکرؓ صدیق کو نہایت اضطراب ہوا اور حزن و یاس کے عالم میں بولے' "اگر وہ ذرا بھی نیچے کی طرف نگاہ کریں گے تو ہم دیکھ لیے جائیں گے۔" آنحضرت ﷺ نے آپ کو تشفی دی اور فرمایا مایوس و غمزدہ نہ ہوں' ہم صرف دو نہیں ہیں' ایک تیسرا (یعنی خدا) بھی ہمارے ساتھ ہے'[2] اس تشفی آمیز فقرہ سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو اطمینان ہو گیا اور ان کا مضطرب دل امداد غیبی کے تیقن پر لازوال جرأت و استقلال سے مملو ہو گیا' خدا کی قدرت کہ کفار جو تلاش کرتے ہوئے اس غار تک پہنچے تھے' ان کو مطلق محسوس نہ ہوا کہ ان کا گوہر مقصود اسی کان میں پنہاں ہے اور وہ ناکام واپس چلے گئے۔

چوتھے روز یہ کارواں آگے روانہ ہوا' اب اس میں بجائے دو کے چار آدمی تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے غلام عامرؓ بن فہیرہ کو راستہ کی خدمات کے لیے پیچھے بٹھا لیا ہے' عبد بن اریقط آگے آگے راستہ بتاتا جاتا ہے' حضرت ابوبکر مہبط وحی والہام کی حفاظت کے لیے کبھی آگے بڑھ جاتے ہیں اور کبھی پیچھے ہو جاتے ہیں' اسی اثنا میں سراقہ بن جعشم قریش کا ہرکارہ گھوڑا اڑاتا ہوا قریب پہنچ گیا' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے خوفزدہ ہو کر کہا "یارسول اللہ! یہ سوار قریب پہنچ گیا۔" ارشاد ہوا' غمگین نہ ہو' خدا ہمارے ساتھ ہے۔' بارگاہ رب العالمین میں دعا کی' اس کا اثر یہ ہوا کہ سراقہ کے گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے' اتر کر پانسہ پھینک کر فال نکالی' جواب آیا کہ اس تعاقب سے دستبردار ہو جاؤ' نہ مانا' پھر آگے بڑھا پھر وہی واقعہ پیش آیا' مجبور ہو کر امان طلب کی اور واپس آ گیا۔[3]

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ا ص ۲۶۹۔ [2] مسلم فضائل ابی بکرؓ الصدیق

[3] بخاری باب ہجرۃ النبیؐ واصحابہ الی المدینہ۔

marfat.com

حضرت ابوبکرؓ صدیق نہایت کثیر الاحباب تھے، راہ میں بہت سے ایسے شناسا ملے جو آنحضرت ﷺ کو پہچانتے نہ تھے، وہ پوچھتے تھے کہ ابوبکرؓ! یہ تمہارے ساتھ کون ہے؟ آپ گول مول جواب دیتے کہ یہ ہمارے راہنما ہیں، غرض اس طرح پہلی منزل ختم ہوئی، حضرت ابوبکر نے ایک سایہ دار چٹان کے نیچے فرش درست کر کے اپنے محبوب آقا کے لیے استراحت کا سامان بہم پہنچایا اور خود کھانے کی تلاش میں نکلے، اتفاق سے ایک گڈریا اسی چٹان کی طرف آرہا تھا اس سے پوچھا کہ یہ بکریاں کس کی ہیں؟ اس نے ایک شخص کا نام لیا، پھر دریافت فرمایا کہ اس میں کوئی دودھاری بکری بھی ہے؟ اس نے کہا ہاں! آپؓ نے فرمایا ہمیں دودھ دو گے؟ اس نے رضامندی ظاہر کی، تو آپ نے ہدایت کی کہ پہلے تھن کو اور ہاتھوں کو گرد و غبار سے اچھی طرح صاف کر لو اس نے حسب ہدایات وہ دودھ دوہ کر پیش کیا، آپ نے ٹھنڈا کرنے کے لیے اس میں تھوڑا سا پانی ملایا اور کپڑے سے چھان کر خدمت بابرکت میں لائے، آپؐ نے نوش کیا اور دوسری منزل کے لیے چل کھڑے ہوئے۔[1]

اسی طرح یہ مختصر قافلہ دشمنوں کی گھاٹیوں سے بچتا ہوا بارہویں ربیع الاول سنہ نبوت کے چودھویں سال مدینہ کے قریب پہنچا، انصار رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی روانگی کا حال معلوم ہو چکا تھا، وہ نہایت بے چینی سے آپؐ کی آمد کا انتظار کر رہے تھے، آپؐ شہر کے قریب پہنچے تو انصار استقبال کے لیے نکلے اور ہادی برحقؐ کو حلقہ میں لے کر شہر قبا کی طرف بڑھے۔ آنحضرت ﷺ نے اس جلوس کو داہنی طرف مڑنے کا حکم دیا اور بنی عمرو بن عوف میں قیام پذیر ہوئے، یہاں انصار جوق در جوق زیارت کے لیے آنے لگے، آنحضرت ﷺ خاموشی کے ساتھ تشریف فرما تھے اور حضرت ابوبکرؓ کھڑے ہو کر لوگوں کا استقبال کر رہے تھے، بہت سے انصار جو پہلے آنحضرت ﷺ کی زیارت سے مشرف نہیں ہوئے تھے، وہ غلطی سے حضرت ابوبکرؓ کے گرد جمع ہونے لگے یہاں تک کہ جب آفتاب سامنے آنے لگا اور جاں نثار خادم نے بڑھ کر اپنی چادر سے آقائے نامدار پر سایہ کیا، تو اس وقت خادم و مخدوم میں امتیاز ہو گیا اور لوگوں نے رسالت مآب ﷺ کو پہچانا۔[2]

---

[1] بخاری باب ہجرۃ النبیؐ واصحابہ الی المدینہ۔ [2] ایضاً

marfat.com

حضرت سرور کائنات ﷺ قبا میں چند روز مقیم رہ کر مدینہ تشریف لائے اور حضرت ابوایوب انصاریؓ کے ہاں مہمان ہوئے' حضرت ابوبکر بھی ساتھ آئے اور حضرت خارجہ بن زید رضی اللہ عنہ ابن ابی زہیر کے مکان میں فروکش ہوئے[1] کچھ عرصہ کے بعد آپ کے اہل وعیال بھی حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ مدینہ پہنچ گئے[2] لیکن مدینہ کی آب وہوا مہاجرین کے لیے نہایت ناموافق ہوئی' خصوصاً حضرت ابوبکرؓ ایسے شدید بخار میں مبتلا ہوئے کہ زندگی سے مایوس ہو گئے' ایک دفعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حال پوچھا تو اس وقت یہ شعر وردِ زبان تھا۔

کل امرء مصبح فی اھلہٖ والموت ادنٰی من شراک نعلہٖ

ہر آدمی اس حالت میں ساتھ اپنے اہل وعیال کے صبح کرتا ہے کہ موت جوتے کے تسمہ سے بھی قریب تر ہوتی ہے۔

حضرت عائشہؓ یہ حال دیکھ کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کیفیت عرض کی رسول اللہ ﷺ نے اسی وقت دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے اور فرمایا:

اللھم حبب الینا المدینۃ کحبتنا مکۃ او اشد و صححھا و بارک لنا فی صاعھا و مدھا وانقل حماھا فاجعلھا بالجحفۃ۔[3]

''اے خدا تو مکہ کی طرح یا اس سے بھی زیادہ مدینہ کی محبت ہمارے دلوں میں پیدا کر' اس کو بیماریوں سے پاک فرما' اس کے صاع اور مد میں برکت دے اور اس کے (وبائی) بخار کو جحفہ میں منتقل کر دے۔''

دعا مقبول ہوئی' حضرت ابوبکرؓ بستر مرض سے اٹھ کھڑے ہوئے اور مدینہ کی ہوا مہاجرین کے لیے مکہ سے بھی زیادہ خوش آئند ہوگئی'

مواخات:

مدینہ پہنچنے کے بعد آنحضرت ﷺ نے مہاجرین وانصار کی باہمی اجنبیت و بیگانگی دور کرنے کے لیے ایک دوسرے سے بھائی چارہ کرا دیا' اس مواخات میں طرفین کے اعزاز و

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جز وثالث ص ۱۲۳۔ [2] ایضاً ص ۱۵۳
[3] بخاری باب مقدم النبیؐ واصحابہ الی المدینہ۔

marfat.com

مرتبہ کا خاص طور پر لحاظ کیا گیا' چنانچہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی برادری حضرت حارثہ بن زہیر رضی اللہ عنہ سے قائم کی گئی جو مدینہ میں ایک معزز شخصیت کے آدمی تھے۔[1]

تعمیر مسجد:

مدینہ اسلام کے لیے آزادی کی سرزمین تھی فرزندان توحید جو کفار کے خوف سے ادھر ادھر منتشر ہو گئے تھے آہستہ آہستہ اس مرکز پر جمع ہونے لگے' اور اب آزادی و اجتماع کے ساتھ معبود حقیقی کی پرستش کا موقع حاصل ہوا' اس بناء پر رسول اللہ ﷺ کو سب سے پہلے تعمیر مسجد کا خیال پیدا ہوا' اس کے لیے جو زمین منتخب ہوئی وہ دو یتیم بچوں کی ملکیت تھی' گو ان کے اولیاء و اقرباء بلا قیمت پیش کرنے پر مصر تھے' تاہم رحمۃ للعالمین ﷺ نے یتیموں کا مال لینا پسند نہ فرمایا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے اس کی قیمت دلوادی۔[2]

اس طرح مدینہ پہنچنے کے بعد بھی سب سے پہلے صدیق اکبرؓ ہی کے ابر کرم نے اسلام کے لیے جود وسخا کی بارش کی قیمت ادا کرنے کے علاوہ یہ پیر مرد اس کی تعمیر میں بھی نوجوانوں کے دوش بدوش سرگرم کار رہا۔

[1] اسد الغابہ تذکرہ خارجہؓ بن زہیر

[2] فتح الباری ج ۷ ص ۱۹۳

marfat.com

غزوات

مدینہ پہنچ کر مسلمانوں کی بے بسی اور مظلومیت کا دور ختم ہو چکا تھا اور آزادی کے ساتھ دین متین کی نشر واشاعت کا وقت آ گیا تھا' لیکن عرب کی جنگ جو قوم مذہب کی حقانیت اور صداقت کو بھی تیر وتفنگ اور نوک سناں سے وابستہ سمجھی جاتی تھی' اس لیے اس نے ہمیشہ علمبردار اسلام کو اپنی جنگ جوئی سے منبر وعظ و ہدایت کو چھوڑ کر میدان رزم میں آنے کے لیے مجبور کیا' چنانچہ آنحضرت ﷺ کے مدینہ تشریف لانے کے بعد سے فتح مکہ تک خون ریز جنگوں کا سلسلہ جاری رہا اور ان سب لڑائیوں میں صدیق اکبرؓ ایک مشیر و وزیر باتدبیر کی طرح ہمیشہ شرف ہمرکابی سے مشرف رہے۔

غزوۂ بدر:

غزوۂ بدر حق و باطل کا اوّل اور فیصلہ کن معرکہ تھا' خدا کا برگزیدہ پیغمبر ایک سایہ دار جگہ کے نیچے اپنی محدود جماعت کے ساتھ حق و صداقت کی حمایت میں سرگرم کارزار تھا' اور وہی پیر مرد' جس نے اپنے وعظ سے عثمان رضی اللہ عنہ بن عفان' ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ بن الجراح اور عبدالرحمٰن بن عوفؓ جیسے اولوالعزم اکابر صحابہؓ کو حلقہ بگوش اسلام بنالیا تھا' نہایت جانبازی کے ساتھ تیغ بکف اپنے ہادی کی حفاظت میں مصروف تھا' کفار و مشرکین ہر طرف سے نرغہ کرتے آتے اور یہ ایک ایک کو شجاعت خداداد سے بھگا دیتا تھا۔[1]

رسول اللہ ﷺ کفار کی کثرت دیکھ کر محزون ہوتے اور سربسجود ہو کر خدا سے دعا فرماتے۔''اے خدا مجھ کو بے یار و مددگار نہ چھوڑ اور اپنا عہد پورا کر' اے خدا! کیا تو چاہتا ہے کہ آج سے تیری پرستش نہ ہو۔'' اس عالم حزن و یاس میں آنحضرت ﷺ کا قدیم مونس باوفا اور ہمدم غمگسار شمشیر برہنہ آپؐ کی حفاظت میں مصروف ہوتا اور تسلی اور دلدہی کے کلمات اس کی زبان پر جاری ہوتے۔[2]

اس خوفناک جنگ میں بھی حضرت ابوبکر حضور انور ﷺ کی خدمت گزاری سے غافل

---

1 زرقانی ج ۱ غزوۂ بدر　2 ایضاً ج ۲ ص ۴۸۳

marfat.com

نہ ہوئے ایک دفعہ ردائے مبارک شانۂ اقدس سے گرگئی فوراً تڑپ کر آئے اور اٹھا کر شانہ پر رکھ دی پھر رجز پڑھتے ہوئے غنیم کی صف میں گھس گئے' درحقیقت یہی وہ وارفتگی جوش اور حب رسول کا جذبہ تھا' جس نے قلت کو کثرت کے مقابلہ میں سربلند کیا۔[1]

اس جنگ میں مال غنیمت کے علاوہ تقریباً ستر قیدی ہاتھ آئے' آنحضرت ﷺ نے ان لوگوں کے متعلق کبار صحابہؓ سے مشورہ کیا' حضرت عمرؓ کی رائے تھی کہ سب قتل کر دیئے جائیں' لیکن حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی کہ یہ سب اپنے ہی بھائی بند ہیں اس لیے ان کے ساتھ رحم وتلطف کا برتاؤ کرنا چاہیے اور فدیہ لے کر ان کو آزاد کر دینا چاہیے' رحمۃ للعالمین ﷺ کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رائے پسند آئی۔[2]

غزوۂ احد:

بدر کی شکست قریش مکہ کے دامن شجاعت پر ایک نہایت بدنما دھبہ تھا' انہوں نے جوش انتقام میں نہایت عظیم الشان تیاریاں کیں' چنانچہ معرکہ احد اسی جوش کا نتیجہ تھا' اس جنگ میں مجاہدین اسلام باوجود قلت تعداد پہلے غالب آئے' لیکن اتفاقی طور پر پانسہ پلٹ گیا' بہت سے مسلمانوں کے پائے ثبات متزلزل ہو گئے' لیکن حضرت ابوبکرؓ آخر وقت تک ثابت قدم رہے' آنحضرت ﷺ سخت مجروح ہوئے اور لوگ آپ کو پہاڑ پر لائے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی ساتھ تھے' ابوسفیان نے پہاڑ کے قریب آ کر پکارا'' کیا قوم میں محمدؐ ہیں؟ کوئی جواب نہ ملا تو اس نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کا نام لیا[3] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفار بھی آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق ہی کو رئیس امت سمجھتے تھے۔

اختتام جنگ کے بعد کفار مکہ واپس ہوئے تو ایک جماعت ان کے تعاقب میں روانہ کی گئی' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ بھی اس میں شامل تھے[4] غزوۂ احد کے بعد بنونضیر کی جلاوطنی' غزوۂ خندق اور جو دوسرے غزوات پیش آئے' حضرت ابوبکرؓ ان سب میں برابر کے شریک تھے۔

---

[1] فتح الباری ج ۷ ص ۲۲۵۔

[2] مسلم باب امداد الملائکہ وغزوۂ بدر [3] بخاری باب غزوۂ احد

[4] بخاری باب المغازی باب الذین استجابوا للہ والرسول

marfat.com

غزوہ بنی مصطلق اور واقعہ افک:

۶ھ میں غزوہ بنی مصطلق پیش آیا' حضرت ابوبکرؓ اس معرکہ میں بھی آنحضرت ﷺ کے ہمرکاب تھے' یہ مہم کامیابی کے ساتھ واپس آئی اور شب کے وقت مدینہ کے قریب تمام لشکر نے پڑاؤ ڈالا' صبح کے وقت ام المومنین حضرت عائشہؓ جو اس وقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھیں رفع حاجت کے لئے باہر تشریف لے گئیں' واپس آئیں تو دیکھا کہ گلے کا ہار کہیں گر گیا' تلاش کرتی ہوئی پھر اس طرف چلیں' لیکن جب ڈھونڈ کر پڑاؤ پر واپس پہنچیں تو لوگ روانہ ہو چکے تھے' اسی جگہ غمگین و ملول بیٹھ گئیں' اتفاقاً صفوان بن المعطل رضی اللہ عنہ نے جو نہایت ضعیف اور بوڑھے آدمی تھے اور عموماً کوچ کے بعد قیامگاہ کا جائزہ لے کر سب سے پیچھے روانہ ہوتے تھے' حضرت عائشہ کو دیکھ لیا اور اونٹ پر بٹھا کر مدینہ لائے۔

منافقین کی جماعت نے جو عموماً اپنی مفسدہ پردازی و فتنہ انگیزی سے اسلام میں تفرقہ ڈالنے کی کوشش کرتی رہتی تھی اس واقعہ کو نہایت مکروہ صورت میں مشتہر کیا' دوسری طرف حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق اور خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بارگاہ نبوت میں جو غیر معمولی رسوخ' تقرب اور اعزاز حاصل تھا' اس نے بعض مسلمانوں کو بھی آمادہ رشک کر دیا تھا' چنانچہ انہوں نے بھی اس افتراء میں منافقین کی تائید کی' سب سے زیادہ افسوسناک امر یہ تھا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک پروردہ نعمت اور عزیز مسطح بن اثاثہ جس کے وہ اب تک متکفل تھے' اس سازش میں افتراء پردازوں کا ہم آہنگ تھا۔

عزت و آبرو انسان کو دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہوتی ہے' اسی بنا پر حضرت ابوبکرؓ کے لئے نہایت روح فرسا آزمائش تھی' لیکن خدائے پاک نے بہت جلد اس سے نجات دے دی اور وحی الٰہی نے اس شرمناک بہتان کی اس طرح قلعی کھولی:

اِنَّ الَّذِیْنَ جَآءُوْا بِالْاِفْکِ عُصْبَةٌ مِّنْکُمْ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّکُمْ بَلْ هُوَ خَیْرٌ لَّکُمْ ط لِکُلِّ امْرِیٍٔ مِّنْهُمْ مَّا اکْتَسَبَ مِنَ الْاِثْمِ وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ. (سورہ نور/ ع۲)

''جن لوگوں نے (حضرت عائشہؓ) پر تہمت لگائی وہ تمہاری ہی جماعت سے

ہیں اس کو تم اپنے لئے شر نہ سمجھو بلکہ وہ تمہارے لئے خیر ہے ان میں ہر شریک گناہ کو بقدر شرکت سزا ملے گی اور ان میں سے جس نے بہت زیادتی کی ہے اس پر سخت عذاب ہوگا''۔

حضرت ابوبکرؓ اس برأت کے بعد مسطح بن اثاثہ کی کفالت سے دستبردار ہو گئے اور فرمایا ''خدا کی قسم! اس فتنہ پردازی کے بعد میں اس کی کفالت نہیں کر سکتا''لیکن جب یہ آیتیں نازل ہوئیں:۔

﴿وَلَا يَاْتَلِ اُولُوا الْفَضْلِ مِنْكُمْ وَالسَّعَةِ اَنْ يُّؤْتُوْٓا اُولِي الْقُرْبٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَالْمُهٰجِرِيْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلْيَعْفُوْا وَلْيَصْفَحُوْا اَلَا تُحِبُّوْنَ اَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ (نور:ع ۳)

''تم میں بڑے اور صاحب مقدرت لوگ رشتہ داروں' مساکین اور مہاجرین کو امداد نہ دینے کی قسم کھائیں اور چاہئے کہ (ان کے قصور) معاف کریں اور ان سے درگزر کریں کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تم کو بخش دے اور اللہ بڑا بخشنے والا اور رحمت والا ہے''۔

تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا خدا کی قسم! میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بخش دے اور قسم کھائی کہ اب ہمیشہ اس کا کفیل رہوں گا۔[1]

واقعہ حدیبیہ:

اسی سال یعنی ۶ھ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو صحابہؓ کے ساتھ زیارت کعبہ کا عزم فرمایا' جب مکہ کے قریب پہنچے تو خبر ملی کہ قریش مزاحم ہوں گے' آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر صحابہؓ سے مشورہ طلب کیا' حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! آپ قتل و خونریزی نہیں بلکہ زیارت کعبہ کے قصد سے روانہ ہوئے ہیں اس لئے تشریف لے چلئے جو کوئی اس راہ میں سد راہ ہوگا ہم اس سے لڑیں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بسم اللہ چلو! غرض آگے بڑھ کر مقام حدیبیہ میں پڑاؤ ڈالا گیا اور طرفین سے مصالحت

[1] یہ تمام تفصیل بخاری باب حدیث الافک سے ماخوذ ہے۔

marfat.com

کی سلسلہ جنبانی شروع ہوئی' اسی اثناء میں مشہور ہوا کہ حضرت عثمان جو سفیر ہو کر گئے تھے شہید ہو گئے' یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام جان نثاروں سے جہاد کی بیعت لی' یہی وہ بیعت ہے جو تاریخ اسلام میں ''بیعتِ رضوان'' کے نام سے مشہور ہے۔[1]

قریش مکہ ان تیاریوں سے خوفزدہ ہو کر کچھ نرم پڑ گئے اور مصالحت کے خیال سے عروہ بن مسعود کو سفیر بنا کر بھیجا' اس نے آنحضرت ﷺ سے گفتگو کرتے ہوئے کہا ''محمد! خدا کی قسم میں تمہارے ساتھ ایسے چہرے اور مخلوط آدمی دیکھتا ہوں کہ وقت پڑے گا تو وہ تم سب کو چھوڑ کر الگ ہو جائیں گے''۔ اس جملہ نے جاں نثاران رسول ؐ پر نشتر کا کام کیا' حضرت ابوبکرؓ جیسے حلیم الطبع بزرگ نے برہم ہو کر کہا ''کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے؟ عروہ نے انجان بن کر پوچھا یہ کون ہیں؟ لوگوں نے کہا ابوبکر رضی اللہ عنہ' اس نے مخاطب ہو کر کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے' اگر میں تمہارا زیر بار احسان نہ ہوتا تو تمہیں نہایت سخت جواب دیتا۔[2]

حدیبیہ میں جو معاہدہ طے پایا وہ بظاہر کفار کے حق میں زیادہ مفید تھا' اس بنا پر حضرت عمرؓ کو نہایت اضطراب ہوا اور حضرت ابوبکرؓ صدیق سے کہا کہ کفار سے اس قدر دب کر کیوں صلح کی جاتی ہے' حضرت ابوبکرؓ محرم اسرار نبوت تھے' فرمایا آنحضرتؐ خدا کے رسول ؐ ہیں اس لئے آپؐ اس کی نافرمانی نہیں کر سکتے اور وہ ہر وقت آپؐ کا معین و ناصر ہے۔[3]

اس معاہدہ کے باعث قریش مکہ سے گونہ اطمینان ہوا تو ۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی' پہلے حضرت ابوبکرؓ صدیق سپہ سالار تھے' لیکن درحقیقت یہ کارنامہ حضرت علیؓ کے لئے مقدر ہو چکا تھا چنانچہ خیبر ان ہی کے ہاتھ مفتوح ہوا'[4] اور حضرت ابوبکرؓ اسی سال ماہ شعبان میں بنی کلاب کی سرکوبی کے لئے مامور ہوئے'[5] وہاں سے کامیابی کے ساتھ واپس آئے تو بنوفزارہ کی تنبیہ کے لئے ایک جماعت کے ساتھ روانہ کئے گئے' اور بہت سے قیدی اور مال غنیمت کے ساتھ واپس آئے۔[6]

---

1. بخاری باب غزوہ حدیبیہ۔ 2. بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحۃ مع اہل الحرب۔ 3. ایضاً
4. بخاری باب مناقب علی بن ابی طالب 5. زرقانی ج ۲ ص ۳۸۷۔
6. مسلم باب التنفیل وفداء المسلمین بالاساری

marfat.com

قریش مکہ کی عہد شکنی کے باعث ۸ھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دس ہزار کی جماعت سے مکہ کا قصد فرمایا اور فاتحانہ جاہ و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے' حضرت ابو بکرؓ بھی ہمراہ تھے' مکہ پہنچ کر اپنے والد ابو قحافہ عثمان بن عامر کو دربار نبوت میں پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے نہایت شفقت کے ساتھ ان کے سینہ پر ہاتھ پھیر کر نور ایمان سے مشرف فرمایا۔[1]

مکہ سے واپسی کے وقت بنو ہوازن سے جنگ ہوئی' جو عموماً غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے' حضرت ابو بکر صدیقؓ اس میں بھی ثابت قدم اصحاب کی صف میں شامل تھے۔ یہاں سے بڑھ کر طائف کا محاصرہ ہوا' حضرت ابو بکرؓ کے فرزند حضرت عبداللہ اسی محاصرہ میں عبداللہ بن محجن ثقفی کے تیر سے زخمی ہوئے اور آخر کار یہی زخم حضرت ابو بکرؓ کے اوائل خلافت میں ان کی شہادت کا باعث ہوا۔[2]

۹ھ میں افواہ پھیلی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے' چونکہ مسلسل جنگوں کے باعث یہ نہایت عسرت و تنگ حالی کا زمانہ تھا' اس لیے رسول اللہ ﷺ نے جنگی تیاریوں کے لیے صحابہ کرامؓ کو انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب دی' تمام صحابہؓ نے حسب حیثیت اس میں شرکت کی' حضرت عثمان دولت مند تھے اس لیے بہت کچھ دیا لیکن اس موقع پر بھی حضرت ابو بکر کا امتیاز قائم رہا' گھر کا سارا اثاثہ لا کر آنحضرتؐ کے سامنے ڈال دیا آپؐ نے دریافت فرمایا تم نے اپنے اہل و عیال کے لیے کیا چھوڑا ہے؟ عرض کی ان کے لیے اللہ اور اس کا رسولؐ ہے۔[3]

غرض اس سرمایہ سے ایک عظیم الشان فوج تیار ہوگئی اور حدود شام کی طرف بڑھی۔ لیکن تبوک پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی اس لیے سب لوگ واپس آ گئے۔[4]

امارت حج:

اسی سال یعنی ۹ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت ابو بکرؓ کو امارت حج کے منصب پر مامور فرمایا اور ہدایت کی کہ منیٰ کے عظیم الشان اجتماع میں اعلان کر دیں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی برہنہ شخص خانہ کعبہ کا طواف کرے،[5] چونکہ سورۂ

1. اصابہ تذکرہ ابو قحافہ عثمان بن عامر۔ 2. اسد الغابہ تذکرہ عبداللہ بن ابی بکرؓ الصدیق
3. ابوداود کتاب الزکوٰۃ ص ۱۲۹ مطبوعہ مصر۔ 4. طبقات ابن سعد حصہ مغازی
5. بخاری باب حج ابی بکرؓ بالناس فی سنۃ ۹ھ

marfat.com

برأت اسی زمانہ میں نازل ہوئی تھی اور حضرت علیؓ حج کے موقعہ پر اس کو سنانے کے لیے بھیجے گئے تھے' اس لیے بعضوں کو یہ شک پیدا ہو گیا کہ امارت حج کی خدمت بھی حضرت ابو بکرؓ سے لے کر حضرت علیؓ ہی کو تفویض کی گئی تھی' لیکن یہ شدید غلطی ہے' کیونکہ یہ دو مختلف خدمتیں تھیں چنانچہ خود حضرت علیؓ کی ایک روایت سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابو بکرؓ اس شرف کے تنہا مالک تھے۔[1]

آنحضرت ﷺ کی وفات

اور

حضرت ابو بکر صدیقؓ کی خلافت

۱۰ھ میں رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے' حضرت ابو بکرؓ ہم رکاب تھے۔ اس سفر سے واپس آنے کے بعد آپؐ نے ایک مفصل خطبہ دیا اور فرمایا:

"خدا نے ایک بندہ کو دنیا اور عقبیٰ کے درمیان اختیار دیا تھا' لیکن اس نے عقبیٰ کو دنیا پر ترجیح دی۔"

حضرت ابو بکرؓ یہ سن کر رونے لگے' لوگوں کو سخت تعجب ہوا کہ یہ رونے کا کونسا موقع تھا'[2] لیکن درحقیقت ان کی فراست دینی اس کنایہ کی تہ تک پہنچ گئی اور وہ سمجھ گئے تھے کہ بندہ سے مراد خود ذات اقدس ﷺ ہے' چنانچہ اس تقریر کے بعد ہی آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے مرض روز بروز بڑھتا گیا' یہاں تک کہ مسجد نبویؐ میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے' اور حکم ہوا کہ ابو بکرؓ امامت کی خدمت انجام دیں' حضرت عائشہ کو خیال ہوا کہ اگر امامت کا شرف حضرت ابو بکرؓ کو عطا کیا جائے گا تو وہ محسود خلائق ہو جائیں گے' اس لیے انہوں نے خود اور ان کی تحریک سے حضرت حفصہؓ نے بارگاہ نبوت میں عرض کی کہ ابو بکر نہایت رقیق القلب ہیں اس لیے یہ منصب جلیل عمر رضی اللہ عنہ کو عطا کیا جائے۔ لیکن آنحضرت ﷺ نے ابو بکر رضی اللہ عنہ کی امامت کے لیے اصرار کے

---

[1] فتح الباری ج ۸ ص ۴۰ [2] بخاری باب فضائل الصدیق رضی اللہ عنہ

marfat.com

ساتھ حکم دیا اور برہم ہو کر فرمایا "تم وہی ہو جنہوں نے یوسفؑ کو دھوکہ دینا چاہا تھا۔" [1]

حضرت ابوبکرؓ کو جب اس حکم نبویؐ کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے حضرت عمرؓ سے فرمایا کہ تم پڑھاؤ' انہوں نے کہا آپ مجھ سے زیادہ مستحق ہیں' [2] غرض اس روز سے حضرت ابوبکرؓ ہی نماز پڑھاتے رہے' ایک روز حسب معمول نماز پڑھا رہے تھے کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے' حضرت ابوبکرؓ نے آنحضرت ﷺ کو دیکھ کر پیچھے ہٹنا چاہا' لیکن آپؐ نے اشارہ سے منع فرمایا اور خود ان کے داہنے پہلو میں بیٹھ کر نماز ادا کی۔ [3]

۱۲ ربیع الاول دوشنبہ کے روز جس دن آنحضرت ﷺ نے وفات پائی حضرت ابوبکرؓ نماز پڑھا رہے تھے' آنحضرت ﷺ نے حجرے کا پردہ اٹھا کر دیکھا اور خوش ہو کر مسکرائے تو حضرت ابوبکرؓ نے اس خیال سے کہ شاید آپؐ نماز کے لیے تشریف لائیں گے' پیچھے ہٹنا چاہا' لیکن اشارہ سے حکم ہوا کہ نماز پوری کرو اور پھر پردہ گرا دیا، [4] چونکہ اس روز بظاہر آنحضرتؐ کے مرض میں افاقہ معلوم ہوتا تھا' اس لیے حضرت ابوبکرؓ نماز کے بعد اجازت لے کر مقام سخ کو جہاں ان کی زوجہ محترمہ حضرت خارجہؓ بنت زہیر رہتی تھیں تشریف لے گئے، [5] حضرت ابوبکر صدیقؓ سخ سے واپس آئے تو رسول اللہ ﷺ کا وصال ہو چکا تھا اور مسجد کے دروازے پر ایک ہنگامہ برپا تھا۔ لیکن وہ کسی سے کچھ نہ بولے اور سیدھے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں داخل ہوئے اور اپنے محبوب آقا کے نورانی چہرہ سے نقاب اٹھا کر پیشانی پر بوسہ دیا اور رو کر کہا: [6]

بابی بکر انت وامی والله لا یجمع الله علیک موتتین اما الموتة التی کتبت علیک فقد ذقتها ثم لن تصیبک بعده موتة ابدا. [7]

"میرے ماں باپ آپؐ پر فدا ہوں خدا کی قسم! آپ پر دو موتیں جمع نہ ہوں گی وہ موت جو آپؐ کے لیے مقدر تھی اس کا مزہ چکھ چکے اس کے بعد اب پھر کبھی موت نہ آئے گی۔"

---

[1] بخاری باب اہل العلم والفضل احق بالامامۃ۔ [2] ایضاً [3] بخاری باب من قام الی جنب الامام بعلته [4] بخاری باب اهل العلم و الفضل احق بالامامة. [5] بخاری باب الدخول علی المیت بعد الموت [6] ایضاً [7] ایضاً

marfat.com

پھر چادر ڈال کر باہر تشریف لائے' حضرت عمرؓ جوش وارفتگی میں تقریر کر رہے تھے اور قسم کھا کھا کر رسول اللہ ﷺ کے انتقال فرمانے سے انکار کر رہے تھے' حضرت ابوبکرؓ نے یہ حالی دیکھا تو فرمایا'' عمرؓ! تم بیٹھ جاؤ۔'' لیکن انہوں نے وارفتگی میں کچھ خیال نہ کیا' تو آپ نے الگ کھڑے ہو کر تقریر شروع کر دی اور تمام مجمع آپ کی طرف جھک پڑا اور حضرت عمر تنہا رہ گئے' آپؓ نے فرمایا:۔

اما بعد فمن کان یعبد محمدًا فان محمدًا قد مات ومن کان یعبدالله فان الله حی لا یموت قال الله تعالی وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ. (الآیۃ)

'' اگر لوگ محمد کی پرستش کرتے تھے تو بیشک وہ مر گئے اور اگر خدا کو پوجتے تھے تو بیشک وہ زندہ ہے اور کبھی نہ مرے گا خدائے برتر فرماتا ہے'' محمدؐ صرف ایک رسول ہیں جن سے پہلے بہت سے رسول گزر چکے ہیں۔''

یہ تقریر ایسی دل نشین تھی کہ ہر ایک کا دل مطمئن ہو گیا' خصوصاً جو آیت آپ نے تلاوت فرمائی وہ ایسی باموقع تھی کہ اس وقت زبان زد خاص و عام ہو گئی' حضرت عبداللہ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم! ہم لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے نازل ہی نہیں ہوئی تھی۔[1]

سقیفہ بنی ساعدہ:

رسول اللہ ﷺ کے انتقال کی خبر مشہور ہوتے ہی منافقین کی سازش سے مدینہ میں خلافت کا فتنہ اٹھ کھڑا ہوا اور انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں مجتمع ہو کر خلافت کی بحث چھیڑ دی' مہاجرین کو خبر ہوئی تو وہ بھی مجتمع ہوئے اور معاملہ اس حد تک پہنچ گیا کہ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمرؓ فاروق کو وقت پر اطلاع نہ ہو جاتی تو مہاجرین اور انصار جو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بھائی بھائی کی طرح رہتے تھے باہم دست وگریبان ہو جاتے اور اس طرح اسلام کا چراغ ہمیشہ کے لیے گل ہو جاتا' لیکن خدا کو توحید کی روشنی سے تمام عالم کو منور کرنا تھا' اس لیے اس نے آسمان اسلام پر ابوبکرؓ وعمرؓ جیسے مہر و ماہ پیدا کر دیئے تھے جنہوں نے اپنی

[1] بخاری باب مرض النبیؐ ووفاتہ

marfat.com

عقل وسیاست کی روشنی سے افق اسلام کی ظلمت اور تاریکیوں کو کافور کر دیا۔

حضرت ابوبکرؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ساتھ لیے ہوئے سقیفہ بنی ساعدہ پہنچے انصار نے دعویٰ کیا کہ ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا' ظاہر ہے کہ اس دوعملی کا نتیجہ کیا ہوتا؟ ممکن تھا کہ مسند خلافت مستقل طور پر صرف انصار ہی کے سپرد کر دی جاتی' لیکن دقت یہ تھی کہ قبائل عرب خصوصاً قریش ان کے سامنے گردن اطاعت خم نہیں کر سکتے تھے' پھر انصار میں بھی دو گروہ تھے اوس اور خزرج اور ان میں باہم اتفاق نہ تھا' غرض ان دقتوں کو پیش نظر رکھ کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے کہا ''امراء ہماری جماعت سے ہوں اور وزراء تمہاری جماعت سے۔'' اس پر حضرت خباب بن المنذر انصاریؓ بول اٹھے نہیں! خدا کی قسم نہیں' ایک امیر ہمارا ہو اور ایک تمہارا۔'' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے یہ جوش وخروش دیکھا تو نرمی و آشتی کے ساتھ انصار کے فضائل ومحاسن کا اعتراف کر کے فرمایا:

''صاحبو! مجھے آپ کے محاسن سے انکار نہیں لیکن درحقیقت تمام عرب قریش کے سوا کسی کی حکومت تسلیم ہی نہیں کر سکتا' پھر مہاجرین اپنے تقدم اسلام اور رسول اللہ ﷺ سے خاندانی تعلقات کے باعث نسبتاً آپ سے زیادہ استحقاق رکھتے ہیں' یہ دیکھو ابوعبیدہؓ بن الجراح اور عمرؓ بن الخطاب موجود ہیں ان میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو بیعت کرلو''۔

لیکن حضرت عمرؓ نے پیش دستی کر کے خود حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا اور کہا

''نہیں بلکہ ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں کیونکہ آپ ہمارے سردار اور ہم لوگوں میں سب سے بہتر ہیں اور رسول اللہ ﷺ آپ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے''۔[1]

چنانچہ اس مجمع میں حضرت ابوبکرؓ سے زیادہ کوئی بااثر بزرگ اور معمر نہ تھا اس لیے اس انتخاب کو سب نے استحسان کی نگاہ سے دیکھا اور تمام خلقت بیعت کے لیے ٹوٹ پڑی۔ اس طرح یہ اٹھتا ہوا طوفان دفعتہً رک گیا اور لوگ رسول اللہؐ کی تجہیز وتکفین میں مشغول ہوئے۔

اس فرض سے فارغ ہونے کے بعد دوسرے روز مسجد میں بیعت عامہ ہوئی اور

[1] بخاری ج ا ص ۵۱۸

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے منبر پر بیٹھ کر ان الفاظ میں اپنے آئندہ طرزِ عمل کی توضیح فرمائی:

یا ایھا الناس فانی قدولیت علیکم ولست بخیر کم فان احسنت فاعینونی و ان اسات فقومونی الصدق امانة و الکذب خیانة و الضعیف فیکم قوی عندی حتٰی ازیح علیه حقه انشاء الله و القوی فیکم ضعیف عندی حتٰی اخذ الحق منه انشاء الله لا یدع قوم الجهاد فی سبیل الا ضربهم الله بالذل و لا تشیع الفاحشة فی قوم قط الاعمهم الله بالبلاء و اطیعونی ما اطعت الله و رسوله فاذا عصیت الله و رسوله فلا طاعة لی علیکم قوموا الی صلاتکم یرحمکم الله. (بخاری)

''صاحبو! میں تم پر حاکم مقرر کیا گیا ہوں حالانکہ میں تم لوگوں میں سب سے بہتر نہیں ہوں' اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری اعانت کرو اور اگر برائی کی طرف جاؤں تو مجھے سیدھا کر دو' صدق امانت ہے اور کذب خیانت ہے انشاء اللہ تمہارا ضعیف فرد بھی میرے نزدیک قوی ہے یہاں تک کہ میں اس کا حق واپس دلا دوں انشاء اللہ اور تمہارا قوی مرد بھی میرے نزدیک ضعیف ہے- یہاں تک کہ میں اس سے دوسروں کا حق دلا دوں جو قوم جہاد فی سبیل اللہ چھوڑ دیتی ہے اس کو خدا ذلیل و خوار کر دیتا ہے اور جس قوم میں بدکاری عام ہو جاتی ہے خدا اس کی مصیبت کو بھی عام کر دیتا ہے' میں خدا اور اس کے رسول کی اطاعت کروں تو تم میری اطاعت کرو' لیکن جب خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر اطاعت نہیں' اچھا اب نماز کے لیے کھڑے ہو جاؤ' خدا تم پر رحم کرے''۔

حضرت علیؓ کی بیعت:

گو تمام مسلمانوں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور وہ باقاعدہ مسند خلافت پر متمکن ہو گئے' تاہم حضرت علیؓ اور ان کے بعض دوسرے صحابہؓ نے کچھ دنوں تک بیعت میں تاخیر کی' اس توقف نے تاریخ اسلام میں عجیب وغریب مباحث پیدا کر دیے جن کی تفصیل کے لیے اس اجمال میں گنجائش نہیں' ممکن ہے کہ حضرت علیؓ رسول اللہ ﷺ سے اپنے مخصوص

marfat.com

تعلقات کی بنا پر خلافت کے آرزو مند ہوں اور اس انتخاب کو اپنی حق تلفی سمجھتے ہوں' تاہم ان کا حق پرست دل نفسانیت سے پاک تھا اس لیے یہ کسی طرح قیاس میں نہیں آتا کہ محض اسی آرزو نے ان کو چھ ماہ تک جمہور مسلمانوں سے انحراف پر مائل رکھا ہو اس بنا پر دیکھنا چاہیے کہ خود حضرت علیؓ نے اس توقف کی کیا وجہ بیان کی ہے' ابن سعد کی روایت ہے:

عن محمد بن سيرين قال لما بويع ابوبكر ابطا علي في بيعة و جلس في بية قال فبعث ابوبكر ما ابطاء بك عن اكرهت امارتي قال علي ما كرهت امارتك و لكن اليت ان لا ارتدى ر دا الاّ اليت الى صلوة حتى اجمع لقران. [1]

''محمد بن سیرین کی روایت ہے کہ جب ابوبکرؓ کی بیعت کی گئی تو علیؓ نے بیعت میں دیر کی اور خانہ نشین رہے' ابوبکرؓ نے کہلا بھیجا کہ میری بیعت سے آپ کی تاخیر کا کیا سبب ہے؟ کیا آپ میری امارت کو ناپسند کرتے ہیں؟ علیؓ نے کہا کہ میں آپ کی امارت کو ناپسند نہیں کرتا لیکن میں نے قسم کھائی ہے کہ جب تک قرآن جمع نہ کرلوں نماز کے سوا اپنی چادر نہیں اوڑھوں گا''۔

اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ بیعت میں دیر ہو جانے کی حقیقی وجہ کیا تھی؟ ایک وجہ یہ بھی ہوسکتی ہے کہ باغ فدک اور مسئلہ وراثت کے جھگڑوں نے (جس کا تذکرہ آئندہ آئے گا) خلیفہ اوّل کی طرف سے حضرت فاطمہؓ کے دل میں کسی قدر ملال پیدا کر دیا تھا' اس لیے ممکن ہے کہ حضرت علیؓ نے محض ان کے پاس خاطر سے بیعت میں دیر کی ہو۔ چنانچہ جب ان کا انتقال ہوگیا تو حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو تنہا بلا کر ان کے فضل و شرف کا اعتراف فرمایا اور کہا کہ خدا نے آپ کو جو درجہ عطا کیا ہے ہم اس پر حسد نہیں کرتے' لیکن خلافت کے معاملہ میں ہماری حق تلفی ہوئی' کیونکہ رسول ﷺ سے قرابت اور رشتہ داری کی بنا پر ہم اس میں یقیناً اپنا حصہ سمجھتے تھے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو کچھ اس انداز سے کہا کہ خلیفہ اوّل کی آنکھوں سے آنسو

[1] بخاری باب غزوۂ خیبر

marfat.com

جاری ہو گئے اور جواب دیا "قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ میں اپنے رشتہ داروں سے رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں کو زیادہ عزیز رکھتا ہوں' رہا آنحضرت ؐ کی متروکہ جائداد کا جھگڑا تو اس میں میں نے رسول اللہ ﷺ کے طرز عمل سے سر مو انحراف نہیں کیا"۔

غرض اس طرح دوستانہ شکوہ سنجی سے دونوں کا آئینہ دل صاف ہو گیا اور بعد نماز ظہر حضرت ابوبکرؓ نے مجمع عام میں حضرت علیؓ کی طرف عذر خواہی کی اور حضرت علیؓ نے شاندار الفاظ میں ان کے فضل وشرف کا اعتراف کیا۔

خلافت

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مسند آرائے خلافت ہوتے ہی اپنے سامنے صعوبات' مشکلات اور خطرات کا ایک پہاڑ نظر آنے لگا۔ ایک طرف جھوٹے مدعیان نبوت اٹھ کھڑے ہوئے تھے' دوسری طرف مرتدین اسلام کی ایک جماعت علم بغاوت بلند کیے ہوئے تھی' منکرین زکوۃ نے علیحدہ شورش برپا کر رکھی تھی' ان دشواریوں کے ساتھ حضرت اسامہ بن زیدؓ کی مہم بھی درپیش تھی' جس کو آنحضرت ﷺ نے اپنی حیات ہی میں شام پر حملہ آور ہونے کا حکم دیا تھا' اسی مہم کے متعلق صحابہ کرامؓ نے رائے دی کہ اس کو ملتوی کر کے پہلے مرتدین وکذاب مدعیان نبوت کا قلع قمع کیا جائے' لیکن خلیفہ اول کی طبیعت نے گوارا نہ کیا کہ ارادہ نبویؐ اور حکم رسالت مآبؐ معرض التوا میں پڑ جائے اور جو علم رسول اللہ ﷺ کے ایماء سے روم کے مقابلہ کے لیے بلند کیا گیا تھا اس کو کسی دوسری جانب حرکت دی جائے' چنانچہ آپؓ نے برہم ہو کر فرمایا: "خدا کی قسم! اگر مدینہ اس طرح آدمیوں سے خالی ہو جائے کہ درندے آ کر میری ٹانگ کھینچنے لگیں جب بھی میں اس مہم کو روک نہیں سکتا"۔[1]

اسامہ بن زیدؓ والی مہم:

غرض خلیفہ اول نے خطرات ومشکلات کے باوجود حضرت اسامہؓ کو روانگی کا حکم دیا اور

[1] تاریخ الخلفاء ص ا۔

marfat.com

خود دور تک پیادہ پا مشایعت کر کے ان کو نہایت زریں ہدایات فرمائیں' چونکہ اسامہؓ گھوڑے پر سوار تھے اور جانشین رسولؐ پیادہ پا گھوڑے کے ساتھ دوڑ رہا تھا اس لیے انہوں نے تعظیماً عرض کی کہ "اے جانشین رسولؐ! خدا کی قسم آپ گھوڑے پر سوار ہو لیں ورنہ میں بھی اتر تا ہوں"۔ بولے "اس میں کیا مضائقہ ہے۔ اگر میں تھوڑی دیر تک راہ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کروں' غازی کے ہر قدم کے عوض سات سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں"۔[1]

حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کی مہم رخصت ہو کر حدود شام میں پہنچی اور اپنا مقصد پورا کر کے یعنی حضرت زید کا انتقام لے کر نہایت کامیابی کے ساتھ چالیس دن میں واپس آئی' حضرت ابوبکرؓ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ سے باہر نکل کر نہایت جوش مسرت سے ان کا استقبال فرمایا۔

مدعیان نبوت کا قلع قمع:

سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی زندگی میں بعض مدعیان نبوت پیدا ہو چکے تھے' چنانچہ مسیلمہ کذاب نے ۱۰ھ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور آنحضرت کو لکھا تھا کہ میں آپؐ کے ساتھ نبوت میں شریک ہوں۔ نصف دنیا آپ کی ہے اور نصف میری' سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا جواب دیا تھا:

من محمد رسول الله الى مسيلمة كذاب اما بعد فان الارض لله يورثها من يشاء من عباده و العاقبة للمتقين.[2]

"محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مسیلمہ کذاب کو امابعد دنیا خدا کی ہے وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے گا اس کا وارث بنائے گا اور انجام پرہیز گاروں کے لیے ہے"۔

لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اور بھی بہت سے مدعیان نبوت پیدا ہو گئے تھے' اور روز بروز ان کی قوت بڑھتی جاتی تھی' چنانچہ طلیحہ بن خویلد نے اپنے اطراف میں علم نبوت بلند کیا تھا' بنوغطفان اس کی مدد پر تھے اور عینیہ بن حصن فزاری ان کا سردار تھا' اسی طرح اسود عنسی نے یمن میں اور مسیلمہ بن حبیب نے یمامہ میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا' مرد تو مرد یہ ایسا مرض عام ہو گیا تھا کہ عورتوں کے سر میں بھی نبوت کا سودا سما گیا تھا' چنانچہ سجاح بنت حارث تمیمہ نے نہایت زور شور

---

[1] طبری ص ۱۸۵۰۔ [2] تاریخ طبری ص ۱۷۴۹

marfat.com

کے ساتھ نبوت کا دعویٰ کیا تھا' اور اشعث بن قیس اس کا داعی خاص تھا' سجاح نے آخر میں اپنی قوت مضبوط کرنے کے لیے مسیلمہ سے شادی کر لی تھی اور یہ مرض وباء کی طرح تمام عرب میں پھیل گیا تھا۔ اس کے انسداد کی نہایت سخت ضرورت تھی' اس بنا پر حضرت ابوبکرؓ صدیق نے خاص طور پر اس کی طرف توجہ کی اور صحابہ کرامؓ سے مشورہ کیا کہ اس مہم کے لیے کون شخص زیادہ موزوں ہوگا؟ حضرت علی کا نام لیا گیا وہ اس وقت تک تمام تعلقات دنیوی سے کنارہ کش تھے اس لیے قرعہ انتخاب حضرت خالدؓ بن ولید کے نام نکلا۔ چنانچہ وہ ۱۱ھ میں حضرت ثابت ابن قیس انصاریؓ کے ساتھ مہاجرین وانصار کی ایک جمعیت لے کر مدعیان نبوت کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے۔[1]

حضرت خالد بن ولید نے سب سے پہلے طلیحہ کی جماعت پر حملہ کر کے اس کے متبعین کو قتل کیا اور عینیہ بن حصن کو گرفتار کر کے تیس قیدیوں کے ساتھ مدینہ روانہ کیا اور عینیہ بن حصن نے مدینہ پہنچ کر اسلام قبول کر لیا۔ لیکن طلیحہ شام کی طرف بھاگ گیا اور وہاں سے عذر خواہی کے طور پر دو شعر لکھ کر بھیجے اور تجدید اسلام کر کے حلقہ مومنین میں داخل ہو گیا۔[2]

مسیلمہ کذاب کی بیخ کنی کے لیے حضرت شرحبیل بن حسنہ روانہ کیے گئے' لیکن قبل اس کے کہ وہ حملہ کی ابتداء کریں' حضرت خالد بن ولید کو ان کی اعانت کے لیے روانہ کیا گیا' چنانچہ انہوں نے مجاعہ کو شکست دی' اس کے بعد خود مسیلمہ سے مقابلہ ہوا' مسیلمہ نے اپنے متبعین کو ساتھ لے کر نہایت شدید جنگ کی اور مسلمانوں کی ایک بہت بڑی تعداد اس میں شہید ہوئی جس میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لیکن آخر میں فتح مسلمانوں کے ہاتھ رہی اور مسیلمہ کذاب حضرت وحشیؓ کے ہاتھ سے مارا گیا' مسیلمہ کی بیوی سجاح جو خود مدعی نبوت تھی بھاگ کر بصرہ پہنچی اور کچھ دنوں کے بعد مر گئی۔[3]

اسود عنسی نے خود رسول اللہ ﷺ کے زمانہ ہی میں نبوت کا دعویٰ کیا تھا' حضرت ابوبکرؓ صدیق کے زمانہ میں اس کی قوت زیادہ بڑھ گئی تھی' اس کو قیس بن مکشوح اور فیروز دیلمی نے نشہ کی حالت میں واصل جہنم کیا۔[4]

---

[1] تاریخ طبری ص ۱۸۸۷۔ [2] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۵ [3] ایضاً ص ۱۴۷
[4] تاریخ طبری ص ۱۸۶۳

marfat.com

مرتدین کی سرکوبی:

حضرت سرور کائنات ﷺ کے بعد بہت سرداران عرب مرتد ہو گئے اور ہر ایک اپنے حلقہ کا بادشاہ بن بیٹھا' چنانچہ نعمان بن منذر نے بحرین میں سر اٹھایا' لقیط بن مالک نے عمان میں علم بغاوت بلند کیا اسی طرح کندہ کے علاقہ میں بہت سے بادشاہ پیدا ہو گئے اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے مدعیان نبوت سے فارغ ہونے کے بعد اس طوائف الملو کی کی طرف توجہ کی' چنانچہ علاء بن الحضرمیؓ کو بحرین بھیج کر نعمان بن منذر کا قلع قمع کرایا' اسی طرح حذیفہ بن محصن کی تلوار سے لقیط بن مالک کو قتل کرا کے سرزمین عمان کو پاک کیا اور زیاد بن لبید کے ذریعہ سے ملوک کندہ کی سرکوبی کی۔[1]

منکرین زکوٰۃ کی تنبیہ:

مدعیان نبوت اور مرتدین کے علاوہ ایک تیسرا گروہ منکرین زکوٰۃ کا تھا' چونکہ یہ گروہ اپنے کو مسلمان کہتا تھا اور صرف زکوٰۃ ادا کرنے سے منکر تھا اس لیے اس کے خلاف تلوار اٹھانے کے متعلق خود صحابہؓ میں اختلاف رائے ہوا' چنانچہ حضرت عمرؓ جیسے متشدد صاحب رائے بزرگ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے کہا کہ آپ ایک ایسی جماعت کے خلاف کس طرح جنگ کر سکتے ہیں جو توحید و رسالت کا اقرار کرتی ہے اور صرف زکوٰۃ کی منکر ہے' لیکن خلیفہ اول کا غیر متزلزل ارادہ واستقلال اختلاف رائے سے مطلق متاثر نہ ہوا' صاف کہہ دیا'' خدا کی قسم! اگر ایک بکری کا بچہ بھی جو رسول اللہ ﷺ کو دیا جاتا تھا' کوئی دینے سے انکار کرے گا تو میں اس کے خلاف جہاد کروں گا' اس تشدد کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑی سی تنبیہ کے بعد تمام منکرین خود زکوٰۃ لے کر بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور پھر حضرت عمر کو بھی حضرت ابوبکرؓ صدیق کی اصابت رائے کا اعتراف کرنا پڑا۔[2]

جمع و ترتیب قرآن:

مدعیان نبوت و مرتدین اسلام کے مقابلہ میں بہت سے حفاظ قرآن شہید ہوئے خصوصاً یمامہ کی خونریز جنگ میں اس قدر صحابہ کرامؓ کام آئے کہ حضرت عمرؓ کو اندیشہ ہو گیا کہ

---

1 تاریخ طبری ص ۱۸۶۳۔ 2 بخاری ج ۱ ص ۱۸۸

marfat.com

اگر صحابہ رضی اللہ عنہم کی شہادت کا یہی سلسلہ قائم رہا تو قرآن شریف کا بہت حصہ ضائع ہو جائے گا اس لیے انہوں نے خلیفہ اول سے قرآن شریف کے جمع و ترتیب کی تحریک کی، حضرت ابوبکرؓ صدیق کو پہلے عذر ہوا کہ جس کام کو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا ہے اس کو میں کس طرح کروں، حضرت عمرؓ نے کہا یہ اچھا کام ہے، اور ان کے بار بار کے اصرار سے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے ذہن میں بھی یہ بات آ گئی چنانچہ انہوں نے حضرت زیدؓ بن ثابت کو جو عہد نبوت میں کاتب وحی تھے قرآن شریف کے جمع کرنے کا حکم دیا، پہلے ان کو بھی اس کام میں عذر ہوا، لیکن پھر اس کی مصلحت سمجھ میں آ گئی اور نہایت کوشش و احتیاط کے ساتھ تمام متفرق اجزا کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کیا۔[1]

ایک غلط فہمی کا ازالہ:

قرآن شریف کی جمع و ترتیب کے متعلق ایک عام غلط فہمی یہ ہے کہ عہد نبوت میں کلام مجید کی آیتوں اور سورتوں میں باہم کوئی ترتیب نہ تھی اور نہ سورتوں کے نام وضع ہوئے تھے اس لیے عہد صدیق رضی اللہ عنہ میں جو کام انجام پایا وہ انہی آیات و سور کو باہم مرتب کرنا تھا، لیکن یہ ایک افسوسناک غلطی ہے، درحقیقت جس طرح قرآن کی ہر آیت الہامی ہے اسی طرح آیات و سورتوں کی باہمی ترتیب اور سورتوں کے نام بھی الہامی ہیں، اور خود مہبط وحی و الہام ﷺ کی زندگی میں یہ تمام کام انجام پا چکے تھے، چنانچہ ہم اس بحث کو کسی قدر تفصیل سے لکھتے ہیں۔

کلام پاک کی آیتیں اور سورتیں عہد نبوت میں مرتب ہو چکی تھیں:

قرآن شریف کی آیتیں عموماً کسی خاص واقعہ اور ضرورت کے پیش آ جانے پر نازل ہوتی تھیں اور صحابہؓ ان کو کھجور کی شاخ، ہڈی چمڑے، پتھر کی تختی یا کسی خاص قسم کے کاغذ پر لکھ لیتے تھے اور آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق ترتیب دیتے تھے، جب ایک سورۃ ختم ہو جاتی تو وہ علیحدہ نام سے موسوم ہو جاتی تھی اور پھر دوسری شروع ہو جاتی تھی، کبھی ایک ساتھ دو سورتیں نازل ہوتیں اور آنحضرت ﷺ دونوں کو الگ الگ لکھواتے جاتے، غرض اس طرح

[1] بخاری ج ۲ ص ۴۵

marfat.com

آپ ؐ کے زمانہ ہی میں سورتیں مدون و مرتب ہو چکی تھیں' اور ان کے نام بھی قرار پا چکے تھے' حدیثوں میں ذکر آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے نماز میں فلاں فلاں سورتیں پڑھیں یا فلاں سورۃ سے فلاں سورۃ تک تلاوت فرمائی' صحیح بخاری میں ہے کہ آپ ؐ نے نماز میں بقرہ' آل عمران اور نساء پڑھی' سورۂ فاتحہ اور سورۂ اخلاص کے ذکر سے تو شاید حدیث کی کوئی کتاب خالی نہ ہوگی۔ اب دیکھنا چاہیے کہ حضرت ابوبکر ؓ کے زمانہ میں کیا خدمت انجام پائی۔

حضرت ابوبکر ؓ نے قرآن کے متفرق اجزاء کو صرف ایک کتاب کی صورت میں جمع کرایا:

علامہ حافظ ابن حجر ؒ بخاری کی شرح میں فرماتے ہیں:

قد اعلم اللہ تعالی فی القرآن بانہ مجموع فی الصحف فی قولہ یتلوا صحفا مطھرۃ الایۃ و کان القرآن مکتوبا فی الصحف لکن کانت متفرقۃ فجمعھا ابوبکر فی مکان و احد ثم کانت بعدہ محفوظۃ الی ان امر عثمان بالنسخ منھا عدۃ مصاحف و ارسل بھا الی الامصار [1]

''اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں اپنے قول یتلو صحفاً مطھرہ آلایۃ میں بیان فرمایا ہے کہ قرآن صحیفوں میں جمع ہے' قرآن شریف صحیفوں میں لکھا ہوا ضرور تھا لیکن متفرق تھا' حضرت ابوبکر ؓ نے ایک جگہ جمع کر دیا' پھر ان کے بعد محفوظ رہا' یہاں تک کہ حضرت عثمان ؓ نے متعدد نسخے نقل کرا کے دوسرے شہروں میں روانہ کر دیئے''۔

اس تشریح سے صاف ظاہر ہو گیا کہ حضرت ابوبکر صدیق کے حکم سے حضرت زید ؓ نے صرف قرآن شریف کے متفرق اجزاء کو جمع کر کے ایک کتاب کی صورت میں مدون کر دیا تھا۔

صحیفہ صدیقی کب تک محفوظ رہا؟

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مدون کیا ہوا نسخہ حضرت ابوبکر ؓ کے خزانہ میں محفوظ رہا اس کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قبضہ میں آیا' حضرت عمر ؓ نے ام المومنین حضرت حفصہ ؓ کے حوالہ فرمایا اور وصیت کر دی کہ کسی شخص کو نہ دیں' البتہ جس کو نقل کرنا

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۱۰

marfat.com

یا اپنا نسخہ صحیح کرنا ہو وہ اس سے فائدہ اٹھا سکتا ہے' چنانچہ حضرت عثمان ؓ نے اپنے عہد میں حضرت حفصہ ؓ سے عاریۃً لے کر چند نسخے نقل کرائے اور دوسرے مقامات میں روانہ کر دیئے لیکن اصل نسخہ بدستور حضرت حفصہ ؓ کے پاس محفوظ رہا' جب مروان مدینہ کا حاکم ہو کر آیا تو اس نے اس نسخہ کو حضرت حفصہ ؓ سے لینا چاہا۔ لیکن انہوں نے دینے سے انکار کر دیا اور تاحیات اپنے پاس محفوظ رکھا' ان کے انتقال کے بعد مروان نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے لے کر اس کو ضائع کر دیا۔[1]

فتوحات

جزیرہ نمائے عرب کی سرحد دنیا کی دو عظیم الشان سلطنتوں سے ٹکراتی تھی۔ ایک طرف شام پر رومی پھریرا لہرا رہا تھا- دوسری طرف عراق پر کیانی خاندان کا تسلط تھا' ان دونوں ہمسایہ سلطنتوں نے ہمیشہ کوشش کی کہ عرب کے آزاد و جنگجو باشندوں پر اپنی حکمرانی کا سکہ جمائیں خصوصاً ایرانی سلطنت نے اس مقصد کے لیے بارہا عظیم الشان قربانیاں برداشت کیں' بڑی بڑی فوجیں اس مہم کو سر کرنے کے لیے بھیجیں اور بعض اوقات اس نے عرب کے ایک وسیع خطہ پر تسلط بھی قائم کر لیا' چنانچہ شاپور بن اردشیر جو سلطنت ساسانیہ کا دوسرا فرمان روا تھا' اس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باجگذار ہو گئے تھے' اسی طرح سابور ذی الاکتاف یمن و حجاز کو فتح کرتا ہوا مدینہ منورہ تک پہنچ گیا' یہ عربوں کا حد درجہ دشمن تھا جو روسائے عرب گرفتار ہو کر جاتے تھے وہ ان کے شانے اکھڑوا ڈالتا تھا' اسی سے عرب میں ''ذوالاکتاف'' یعنی شانوں والے کے لقب سے مشہور ہوا۔[2]

لیکن عرب کی آزاد اور غیور فطرت دب کر رہنا نہ جانتی تھی' اس لیے جب کبھی موقع ملا بغاوت برپا ہو گئی' یہاں تک کہ چند بار خود عربوں نے عراق پر قابض ہو کر اپنی ریاستیں قائم کیں' چنانچہ فرمان روایانِ یمن کے علاوہ قبیلہ معد بن عدنان نے عراق میں آباد ہو کر ایک مستقل حکومت قائم کر لی اور اس کے ایک فرمان روا عمر بن عدی نے حیرہ کو دارالسلطنت قرار دیا-

---

[1] فتح الباری ج ۹ ص ۱۰ [2] تاریخ الطوال ص ۴۹

marfat.com

گوشاہانِ عجم نے حیرہ کی عربی سلطنت کو زیادہ دنوں تک آزاد نہیں رہنے دیا' اور بالآخر اپنی سلطنت کا ایک جزو بنالیا' تاہم عمر بن عدی کا خاندان مدتوں ایک باجگذار رئیس کی حیثیت سے عراق پر حکمران رہا اور اس تقریب سے بہت سے عربی قبائل وقتاً فوقتاً اسی سرزمین میں آباد ہوتے رہے' غرض عرب و ایران کے تعلقات نہایت قدیم تھے۔ آنحضرتؐ کے عہد تک باہم چھیڑ چھاڑ چلی آتی تھی۔ چنانچہ جنگِ ذی قار میں جو ایرانیوں اور عربوں کی ایک عظیم الشان قومی جنگ تھی' جب ایرانیوں نے شکست کھائی تو آپ نے فرمایا۔[1]

هذا اول یوم انتصفت العرب من العجم.

''یہ پہلا دن ہے کہ عرب نے عجم سے بدلہ لیا۔''

اسی طرح ۶ھ میں جب رسول اللہ ﷺ نے بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے تو پرویز شہنشاہ ایران نے اسی قدیم قومی عناد کی بنا پر نامہ مبارک کو پھاڑ کر پھینک دیا اور برہم ہو کر کہا ''میرا غلام ہو کر مجھے یوں لکھتا ہے''۔[2]

رومی سلطنت سے بھی عربوں کا نہایت دیرینہ تعلق تھا' عرب کے بہت سے قبائل مثلاً سلیح' غسان و جذام وغیرہ شام کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ اور رفتہ رفتہ عیسائی مذہب قبول کر کے ملک شام میں بڑی بڑی ریاستیں قائم کر لی تھیں اور اسی مذہبی تعلق کے باعث ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یگانگت ہو گئی تھی' اسلام کا زمانہ آیا تو مشرکین عرب کی طرح حدودِ شام کے عرب عیسائیوں نے بھی مخالفت ظاہر کی اور ۶ھ میں حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ قیصر روم کو دعوتِ اسلام کا پیغام دے کر واپس آ رہے تھے تو شامی عربوں نے ان کا مال واسباب لوٹ لیا۔[3]

اسی طرح رسول ﷺ کے قاصد حارث بن عمیرؓ کو بصریٰ کے حاکم عمر بن شرجیل نے قتل کرا دیا۔ ۸ھ میں غزوہ موتہ اسی قتل و غارت گری کا انتقام تھا' جس میں بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم کام آئے۔[4]

---

1. عقد الفرید ج ۳ ص ۸۱۔ 2. طبری ص ۱۵۷۲۔ 3. اسد الغابہ تذکرہ دحیہ بن خلیفہ کلبی۔
4. طبقات ابن سعد حصہ مغازی ص ۹۲۔

marfat.com

۹ھ میں رومیوں نے خاص مدینہ پر فوج کشی کی تیاریاں کی تھیں۔لیکن جب خود رسول اللہ ﷺ پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچ گئے تو ان کا حوصلہ پست ہو گیا اور عارضی طور پر لڑائی رک گئی' تاہم مسلمانوں کو ہمیشہ شامی عربوں اور رومیوں کا خطرہ دامنگیر تھا' چنانچہ ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ نے اسی حفظِ ماتقدم کے خیال سے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو شام کی مہم پر مامور فرمایا تھا۔

ان واقعات سے یہ ظاہر کرنا مقصود ہے کہ عرب ہمیشہ سے اپنی دونوں ہمسایہ سلطنتوں میں ہدف بنا ہوا تھا' خصوصاً اسلام کی روز افزوں ترقی نے انہیں اور بھی مشکوک کر دیا تھا۔ جو اس عربی نونہال کے لیے حد درجہ خطرناک تھا۔خلیفہ اوّل نے ان ہی اسباب کی بنا پر اندرونی جھگڑوں سے فراغت پاتے ہی بیرونی دشمنوں سے مقابلہ کی تیاریاں شروع کر دیں۔

مہم عراق:

اس زمانہ میں ایرانی سلطنت انقلاب حکومت وطوائف الملوکی کے باعث اپنی اگلی عظمت وشان کو کھو چکی تھی' یزدگرد شہنشاہِ ایران نابالغ تھا اور ایک عورت پوران دخت اس کی طرف سے تخت کیانی پر متمکن تھی' عراق کے وہ عربی قبائل جو ایرانی حکومت کا تختہ مشق رہ چکے تھے ایسے موقعوں سے فائدہ اٹھانے کے منتظر تھے' چنانچہ موقع پا کر نہایت زور وشور کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے اور قبیلہ وائل کے دو سردار مثنیٰ شیبانی وسوید عجلی نے تھوڑی تھوڑی سی جمعیت بہم پہنچا کر حرہ وابلہ کے نواح میں غارت گری شروع کر دی۔

مثنیٰ اسلام لا چکے تھے انہوں نے دیکھا کہ وہ تنہا اس عظیم الشان حکومت کا مقابلہ نہیں کر سکتے اس لیے بارگاہ خلافت میں حاضر ہو کر باقاعدہ فوج کشی کی اجازت حاصل کی اور اپنے تمام قبیلہ کو لے کر ایرانی سرحد میں گھس گئے' اس وقت تک حضرت خالد بن ولیدؓ مدعیان نبوت ومرتدین کی بیخ کنی سے فارغ ہو چکے تھے' اس لیے حضرت ابوبکرؓ صدیق نے ان کو ایک جمعیت کے ساتھ مثنیٰ کی کمک پر روانہ فرمایا۔

حضرت خالد بن ولید نے پہنچنے کے ساتھ ہی جنگ کی صورت بدل دی اور بانقیا' کسکر وغیرہ فتح کرتے ہوئے شاہان عجم کے حدود میں داخل ہو گئے' یہاں شاہ جاپان سے مقابلہ کیا

اور اس کو شکست دی' پھر حیرہ کے بادشاہ نعمان سے جنگ آزما ہوئے۔

نعمان ہزیمت اٹھا کر مدائن بھاگ گیا' یہاں سے خورلق پہنچے لیکن اہل خورلق نے مصلحت اندیشی کو راہ دے کر ستر ہزار یا ایک لاکھ درہم خراج پر مصالحت کر لی۔ غرض اس طرح حیرہ کا پورا علاقہ زیر نگین ہو گیا۔[1]

حملہ شام:

مہم عراق کا ابھی آغاز ہی ہوا تھا کہ دوسری طرف سرحد شام پر جنگ چھڑ گئی' حضرت ابوبکرؓ نے ۱۳ھ میں صحابہ کرامؓ سے مشورہ لینے کے بعد شام پر کئی طرف سے لشکر کشی کا انتظام کیا اور ہر ایک علاقہ کے لیے علیحدہ علیحدہ فوج مقرر کر دی' چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ حمص پر' یزید بن ابی سفیانؓ دمشق پر' شرحبیل بن حسنہ اردن پر اور عمروؓ بن العاص فلسطین پر مامور ہوئے' مجاہدین کی مجموعی تعداد ۲۷۰۰۰ تھی۔ ان سرداروں کو سرحد سے نکلنے کے بعد قدم قدم پر رومی جتھے ملے جن کو قیصر نے پہلے ہی سے الگ الگ ایک ایک سردار کے مقابلہ میں متعین کر دیا تھا' یہ دیکھ کر افسران اسلام نے اپنی کل فوجوں کو ایک جگہ جمع کر لیا اور بارگاہِ خلافت کو غنیم کی غیر معمولی کثرت کی اطلاع دے کر مزید کمک کے لیے لکھا' چونکہ اس وقت دارالخلافت میں کوئی فوج موجود نہ تھی اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو نہایت انتشار ہوا' اور اسی وقت حضرت خالد بن ولید کو لکھا کہ مہم عراق کی باگ مثنیٰ کے ہاتھ میں دے کر شام کی طرف روانہ ہو جائیں' یہ فرمان پہنچتے ہی حضرت خالدؓ ایک جمعیت کے ساتھ شامی رزم گاہ کی طرف روانہ ہو گئے۔[2]

حضرت خالد بن ولیدؓ کو راہ میں بہت سی چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑنی پڑیں چنانچہ جب حیرہ کے علاقہ سے روانہ ہو کر عین التمر پہنچے تو وہاں خود کسریٰ کی ایک فوج سد راہ ہوئی' عقبہ بن ابی ہلال التمری اس فوج کا سپہ سالار تھا' حضرت خالدؓ نے عقبہ کو قتل کر کے اس کی فوج کو ہزیمت دی' وہاں سے آگے بڑھے تو ہذیل بن عمران کی زیر سیادت بنی تغلب کی ایک جماعت نے مبارز طلبی کی' ہذیل مارا گیا اور اس کی جماعت کے بہت سے لوگ قید کر کے مدینہ روانہ

---

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ صفحہ ۱۴۲ یہ سلاطین ایرانی حکومت کے باجگذار تھے۔

[2] تاریخ طبری وفتوح الشام بلاذری ص ۱۲۔

marfat.com

کیے گئے۔ پھر یہاں سے انبار پہنچے اور انبار سے صحرا طے کر کے تدمر میں خیمہ زن ہوئے' اہل تدمر نے بھی پہلے قلعہ بند ہو کر مقابلہ کیا' پھر مجبور ہو کر مصالحت کر لی۔ تدمر سے گذر کر حوران آئے۔ یہاں بھی سخت جنگ پیش آئی' اسے فتح کر کے شام کی اسلامی مہم سے مل گئے' اور متحدہ قوت سے بصریٰ فحل اور اجنادین کو مسخر کر لیا۔ اجنادین کی جنگ نہایت شدید تھی اس میں بہت سے مسلمان شہید ہوئے لیکن انجام کار میدان مسلمانوں ہی کے ہاتھ رہا۔ اور جمادی الاوّل ۱۳ھ سے اجنادین ہمیشہ کے لیے اسلام کے زیر نگین ہو گیا۔[1]

اجنادین سے بڑھ کر اسلامی فوجوں نے دمشق کا محاصرہ کر لیا' لیکن اس کے مفتوح ہونے سے پہلے خلیفہؓ اوّل نے داعی اجل کو لبیک کہا' اس لیے اس کی تفصیل فتوحاتِ فاروقی کے سلسلہ میں آئے گی۔

متفرق فتوحات:

عراق اور شام کی لشکر کشی کے علاوہ حضرت عثمانؓ بن ابی العاص کو توج روانہ کیا گیا' انہوں نے توج' مکران اور اس کے آس پاس کے علاقوں کو زیر نگیں کر کے اسلامی مملکت میں شامل کر لیا۔ اسی طرح حضرت علاء بن حضرمی رضی اللہ عنہ زارہ پر مامور ہوئے انہوں نے زارہ اور اس کے اطراف کو زیر نگین کر کے اس قدر مال غنیمت مدینہ روانہ کیا کہ خلیفہؓ اوّل نے اس میں سے مدینہ منورہ کے ہر خاص و عام' مرد' عورت' شریف و غلام کو ایک ایک دینار تقسیم فرمایا۔[2]

مرض الموت استخلاف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کی خلافت کو ابھی صرف سوا دو برس ہوئے تھے اور اس قلیل عرصہ میں مدعیانِ نبوت' مرتدین اور منکرین زکوٰۃ کی سرکوبی کے بعد فتوحات کی ابتداء ہی ہوئی تھی کہ پیام اجل پہنچ گیا' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک دن جب کہ موسم نہایت سرد و خنک تھا آپ نے غسل فرمایا' غسل کے بعد بخار آ گیا اور مسلسل پندرہ دن تک شدت کے ساتھ قائم

[1] تاریخ یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۱۔　[2] ایضاً۔

marfat.com

رہا۔اس اثناء میں مسجد میں تشریف لانے سے بھی معذور ہو گئے' چنانچہ آپ کے حکم سے حضرت عمرؓ امامت کی خدمت فرائض انجام دیتے تھے۔

مرض جب روز بروز بڑھتا گیا اور افاقہ سے مایوسی ہوتی گئی' تو صحابہ کرامؓ کو بلا کر جانشینی کے متعلق مشورہ کیا اور حضرت عمرؓ کا نام پیش کیا' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا ''عمرؓ کے اہل ہونے میں کس کو شبہ ہو سکتا ہے لیکن وہ کس قدر متشدد ہیں''۔حضرت عثمانؓ نے کہا ''میرے خیال میں عمرؓ کا باطن ظاہر سے اچھا ہے''۔لیکن بعض صحابہ ﷺ کو حضرت عمرؓ کے تشدد کے باعث پس وپیش تھی' چنانچہ حضرت طلحہؓ عیادت کے لیے آئے تو شکایت کی کہ آپ عمرؓ کو خلیفہ بنانا چاہتے ہیں' حالانکہ جب آپ کے سامنے وہ اس قدر متشدد تھے تو خدا جانے آئندہ کیا کریں گے؟ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے جواب دیا ''جب ان پر خلافت کا بار پڑے گا تو ان کو خود نرم ہونا پڑے گا''۔ اسی طرح ایک دوسرے صحابی ﷺ نے کہا آپ عمر ﷺ کے تشدد سے واقف ہونے کے باوجود ان کو جانشین کرتے ہیں ذرا سوچ لیجئے' آپ خدا کے یہاں جا رہے ہیں وہاں کیا جواب دیجئے گا۔فرمایا ''میں عرض کروں گا خدایا! میں نے تیرے بندوں میں سے اس کو منتخب کیا ہے جو ان میں سب سے اچھا ہے''۔

غرض سب کی تشفی کر دی اور حضرت عثمانؓ کو بلا کر عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا ابتدائی الفاظ لکھے جا چکے تھے کہ غش آ گیا' حضرت عثمانؓ نے یہ دیکھ کر حضرت عمرؓ کا نام اپنی طرف سے بڑھا دیا' تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ سے کہا کہ پڑھ کر سناؤ' انہوں نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا خدا تمہیں جزائے خیر دے۔تم نے میرے دل کی بات لکھ دی۔غرض عہد نامہ مرتب ہو چکا تو اپنے غلام کو دیا کہ مجمع عام میں سنا دے اور خود بالا خانہ پر تشریف لے جا کر تمام حاضرین سے فرمایا کہ میں نے اپنے عزیز یا بھائی کو خلیفہ مقرر نہیں کیا ہے بلکہ اس کو منتخب کیا ہے جو تم لوگوں میں سب سے بہتر ہے' تمام حاضرین نے اس حسن انتخاب پر سمعنا و اطعنا کہا' اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق نے حضرت عمر ﷺ کو بلا کر نہایت مفید نصیحتیں کیں جو ان کی کامیاب خلافت کے لیے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔[1]

[1] طبقات ابن سعد قسم اوّل ج ۳ وصیت ابوبکر ص ۱۴۲

marfat.com

اس فرض سے فارغ ہونے کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے ذاتی اور خانگی امور کی طرف توجہ کی، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو انہوں نے مدینہ یا بحرین کے نواح میں اپنی ایک جاگیر دے دی تھی، لیکن خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہوگی، اس لیے فرمایا ''جان پدر! افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب رہی ہو، لیکن جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے کیا تم اس میں اپنے بھائی بہنوں کو شریک کر لو گی؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حامی بھر لی تو آپ نے بیت المال کے قرض کی ادائیگی کے لیے وصیت فرمائی اور کہا کہ ہمارے پاس مسلمانوں کے مال میں سے ایک لونڈی اور دو اونٹنیوں کے سوا کچھ نہیں، عائشہؓ! میرے مرتے ہی یہ عمرؓ کے پاس بھیج دی جائیں چنانچہ یہ تمام چیزیں حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ آپ نے یہ بھی کہا تھا کہ میری تجہیز و تکفین سے فارغ ہو کر دیکھنا کوئی اور چیز تو نہیں رہ گئی ہے، اگر ہو تو اس کو بھی عمرؓ کے پاس بھیج دینا۔ گھر کا جائزہ لیا گیا تو بیت المال کی کوئی اور چیز کاشانہ صدیقیؓ سے برآمد نہیں ہوئی۔[1]

تجہیز و تکفین کے متعلق فرمایا کہ اس وقت جو کپڑا بدن پر ہے اسی کو دھو کر دوسرے کپڑوں کے ساتھ کفن دینا، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کی کہ یہ تو پرانا ہے، کفن کے لیے نیا ہونا چاہیے، فرمایا ''زندے مردوں کی بہ نسبت نئے کپڑوں کے زیادہ حق دار ہیں، میرے لیے یہی پھٹا پرانا کافی ہے''۔

اس کے بعد پوچھا آج دن کون سا ہے؟ لوگوں نے جواب دیا دوشنبہ، پھر پوچھا رسول اللہ ﷺ کا وصال کس روز ہوا تھا؟ کہا گیا کہ ''دوشنبہ کے روز'' فرمایا ''تو پھر میری آرزو ہے کہ آج ہی رات تک اس عالم فانی سے رحلت کر جاؤں''۔ چنانچہ یہ آخری آرزو بھی پوری ہوئی، یعنی دوشنبہ کا دن ختم کر کے منگل کی رات کو تریسٹھ برس کی عمر میں اواخر جمادی الاوّل ۱۳ھ کو راہ گزین عالم جاوداں ہوئے۔[2]

اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن.

---

1. طبقات ابن سعد ق ا ج ۳ ص ۱۳۶
2. طبقات ابن سعد

marfat.com

وصیت کے مطابق رات ہی کے وقت تجہیز و تکفین کا سامان کیا گیا' آپ کی زوجہ محترمہ حضرت اسماء بنتِ عمیس رضی اللہ عنہا نے غسل دیا' حضرت عمر فاروقؓ نے جنازہ کی نماز پڑھائی حضرت عثمانؓ، حضرت طلحہؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے قبر میں اتارا اور اس طرح سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا رفیق زندگی' آپؐ کے پہلو میں مدفون ہو کر دائمی رفاقت کے لیے جنت میں پہنچ گیا۔

کارنامہائے زندگی

حضرت ابوبکرؓ صدیق کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے لبریز ہے' خصوصاً انہوں نے سوادو برس کی قلیل مدتِ خلافت میں اپنے مساعی جمیلہ کے جو لازوال نقش و نگار چھوڑے وہ قیامت تک محونہیں ہو سکتے' رسول اللہ ﷺ کے بعد سرزمین عرب ایک دفعہ پھر ضلالت و گمراہی کا گہوارہ بن گئی تھی' مؤرخ طبری کا بیان ہے کہ قریش وثقیف کے سوا تمام عرب اسلام کی حکومت سے باغی تھا۔ مدعیانِ نبوت کی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ملک میں شورش برپا کر رہی تھیں' منکرین زکوٰۃ مدینہ منورہ لوٹنے کی دھمکی دے رہے تھے۔ غرض خورشید دو عالم ﷺ کے غروب ہوتے ہی شمع اسلام کے چراغ سحری بن جانے کا خطرہ تھا' لیکن جانشین رسول ﷺ نے اپنی روشن ضمیری اور غیر معمولی استقلال کے باعث نہ صرف اس کو گل ہونے سے محفوظ رکھا' بلکہ پھر اسی مشعل ہدایت سے تمام عرب کو منور کر دیا' اس لیے حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کے بعد اسلام کو جس نے دوبارہ زندہ کیا اور دنیائے اسلام پر سب سے زیادہ جس کا احسان ہے وہ یہی ذاتِ گرامی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ خلیفہؓ دوم کے عہد میں بڑے بڑے کام انجام پائے' مہمات امور کا فیصلہ ہوا' یہاں تک کہ روم وایران کے دفتر الٹ دیئے گئے' تاہم اس کی داغ بیل کس نے ڈالی؟ ملک میں یہ اولوالعزمانہ روح کب پیدا ہوئی' خلافت الٰہیہ کی ترتیب وتنظیم کا سنگ بنیاد کس نے رکھا؟ اور سب سے زیادہ یہ کہ خود اسلام کو گردابِ فنا سے کس نے بچایا؟ یقیناً ان تمام سوالوں کے جواب میں صرف صدیق اکبرؓ ہی کا نام نامی لیا جا سکتا ہے اور دراصل وہی

maarfat.com

اس کے مستحق ہیں' اس لیے اب ہم کو دیکھنا چاہیے کہ عہد صدیقی کی وہ کون سی داغ بیل تھی جس پر عہد فاروقی میں اسلام کی رفیع الشان عمارت تعمیر کی گئی۔

نظام خلافت:

اسلام میں خلافت یا جمہوری حکومت کی بنیاد سب سے پہلے حضرت ابوبکرؓ نے ڈالی' چنانچہ خود ان کا انتخاب جمہور کے انتخاب سے ہوا تھا اور عملاً جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے سب میں کبار صحابہ کی رائے' مشورہ کی حیثیت سے شریک تھے' یہی وجہ ہے کہ انہوں نے صاحب رائے و تجربہ کار صحابہؓ کو بھی دارالخلافت سے جدا نہ ہونے دیا' حضرت اسامہؓ کی مہم میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو خود رسول اللہ ﷺ نے نامزد کیا تھا' لیکن انہوں نے حضرت اسامہؓ کو راضی کیا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو رائے و مشورہ میں مدد دینے کے لیے چھوڑ جائیں۔[1]

شام پر لشکر کشی کا خیال آیا تو پہلے اس کو صحابہؓ کی ایک جماعت میں مشورہ کے لیے پیش کیا' ان لوگوں کو ایسے اہم اور خطرناک کام کو چھوڑنے میں پس و پیش تھا لیکن حضرت علیؓ نے موافق رائے دی[2] اور پھر اسی پر اتفاق ہوا' اور اسی طرح منکرین زکوٰۃ کے مقابلہ میں جہاد' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے استخلاف اور تمام دوسرے اہم معاملات میں اہل الرائے صحابہ رضی اللہ عنہم کی رائے دریافت کر لی گئی تھی' البتہ عہد فاروقی کی طرح اس وقت مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام نہ تھا' تاہم کوئی امر اہم پیش آ جاتا تو ممتاز مہاجرین و انصار جمع کیے جاتے تھے اور ان سے رائے لی جاتی تھی' چنانچہ ابن سعد کی روایت ہے:

ان ابابکر الصدیق کان اذا نزل به امر یرید فیه مشاورة اهل الرای و اهل الفقه و دعا رجالا من المهاجرین و الانصار دعا عمر عثمان و علیا و عبدالرحمن بن عوف و معاذ بن جبل و ابی بن کعب و زید بن ثابت کل هؤلاء یفتی فی خلافة ابی بکر ...الخ[3]

''جب کوئی امر پیش آتا تھا تو حضرت ابوبکرؓ صدیق اہل الرائے و فقہائے صحابہؓ سے مشورہ لیتے تھے' اور مہاجرین و انصار میں سے چند ممتاز لوگ یعنی عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ،

---

[1] طبقات ابن سعد حصہ مغازی [2] یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۹ [3] طبقات ابن سعد قسم ۲ ج ۲ ص ۱۰۹

marfat.com

عبدالرحمن بن عوفؓ، معاذ بن جبلؓ، ابی بن کعبؓ اور زید بن ثابتؓ کو بلاتے تھے' یہ سب حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں فتوے بھی دیتے تھے"۔

ملکی نظم و نسق:

نوعیت حکومت کے بعد سب سے ضروری چیز ملک کے نظم و نسق کو بہترین اصول پر قائم کرنا عہدوں کی تقسیم اور عہدیداروں کا صحیح انتخاب ہے حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں بیرونی فتوحات کی ابھی ابتداء ہوئی تھی اس لیے ان کے دائرہ حکومت کو صرف عرب پر محدود سمجھنا چاہیے' انہوں نے عرب کو متعدد صوبوں اور ضلعوں پر تقسیم کر دیا تھا۔ چنانچہ مدینہ' مکہ' طائف' صنعاء' نجران' حضرموت' بحرین اور دومۃ الجندل علیحدہ علیحدہ صوبے تھے[1] ہر صوبہ میں ایک عامل ہوتا تھا' جو ہر قسم کے فرائض انجام دیتا تھا' البتہ خاص دارالخلافہ میں تقریباً اکثر صیغوں کے الگ الگ عہدہ دار مقرر کیے گئے تھے' مثلاً حضرت ابو عبیدہؓ شام کی سپہ سالاری سے پہلے افسر مال تھے' حضرت عمرؓ قاضی تھے اور حضرت عثمانؓ و حضرت زیدؓ بن ثابت دربار خلافت کے کاتب تھے۔[2]

عاملوں اور عہدہ داروں کے انتخاب میں حضرت ابو بکرؓ نے ہمیشہ ان لوگوں کو ترجیح دی جو عہد نبوت میں عامل یا عہدہ دار رہ چکے تھے اور ان سے ان ہی مقامات میں کام لیا جہاں وہ پہلے کام کر چکے تھے' مثلاً عہد نبوت میں مکہ پر عتاب بن اسید' طائف پر عثمانؓ بن ابی العاص' صنعاء پر مہاجر بن امیہؓ' حضرموت پر زیادؓ بن لبید اور بحرین پر علاءؓ بن الحضرمی مامور تھے' اس لیے خلیفہ اوّل نے بھی ان مقامات پر ان ہی لوگوں کو برقرار رکھا۔[3]

حضرت ابو بکرؓ جب کسی کو کسی ذمہ داری کے عہدہ پر مامور فرماتے تو عموماً بلا کر اس کے فرائض کی تشریح کر دیتے اور نہایت مؤثر الفاظ میں سلامت روی و تقویٰ کی نصیحت فرماتے' چنانچہ عمروؓ بن العاص اور ولیدؓ بن عقبہ کو قبیلہ قضاعہ پر محصل صدقہ بنا کر بھیجا تو ان الفاظ میں نصیحت فرمائی:

اتق اللہ فی السر والعلانیۃ فانہ من یتق اللہ یجعل لہ مخرجا و یرزقہ من حیث لا یحتسب و من یتق اللہ یکفر عنہ سیئاتہ و یعظم لہ اجرا فان تقوی

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۱۳۶ [2] ایضاً ص ۲۱۳۵ [3] تاریخ طبری ص ۲۰۸۳

marfat.com

الله خير ما تواصى به عباد الله' انك في سبيل الله لا يسعك فيه الادهان و التفريط و الغفلة عما فيه قوام دينكم و عصمة امركم فلاتن و لا تفتر الخ

(مسند جلد ۱ ص ٦)

''خلوت وجلوت میں خوفِ خدا رکھو' جو اللہ سے ڈرتا ہے وہ اس کے لیے ایسی سبیل اور اس کے رزق کا ایسا ذریعہ پیدا کر دیتا ہے جو کسی کے گمان میں بھی نہیں آ سکتا' جو خدا سے ڈرتا ہے وہ اس کے گناہ معاف کر دیتا ہے اور اس کا اجر دو بالا کر دیتا ہے بے شک بندگانِ خدا کی خیر خواہی بہترین تقویٰ ہے' تم خدا کی ایک ایسی راہ میں ہو جس میں افراط وتفریط اور ایسی چیزوں سے غفلت کی گنجائش نہیں جس میں مذہب کا استحکام اور خلافت کی حفاظت مضمر ہے اس لیے سستی وتغافل کو راہ نہ دینا''۔

اسی طرح یزید بن سفیان کو مہم شام کی امارت سپرد کی تو فرمایا:

يايزيد ان لك قرابة عسيت ان توثرهم بالامارة و ذلك اكبر ما اخاف عليك فان رسول الله صلى الله عليه وسلم قال من ولى من امر المسلمين شيئا فامر عليهم احد امحاباة فعليه لعنة الله لا يقبل الله منه صرفا و لا عدلا حتى يدخله جهنم. (مسند ج ۱ ص ٦)

''اے یزید! تمہاری قرابت داریاں ہیں شاید تم ان کو اپنی امارت سے فائدہ پہنچاؤ' درحقیقت یہی سب سے بڑا خطرہ ہے جس سے میں ڈرتا ہوں' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کوئی مسلمانوں کا حاکم مقرر ہوا اور ان پر کسی کو بلا استحقاق رعایت کے طور پر افسر بنا دے تو اس پر خدا کی لعنت ہو' خدا اس کا کوئی عذر اور فدیہ قبول نہ فرمائے گا یہاں تک کہ اس کو جہنم میں داخل کرے''۔

حکام کی نگرانی:

کسی حکومت کا قانون و آئین گو کیسا ہی مرتب و منظم ہو' لیکن اگر ذمہ دار حکام کی نگرانی اور ان پر نکتہ چینی کا اہتمام نہ ہو تو یقیناً تمام نظام درہم برہم ہو جائے گا یہی وجہ ہے کہ خلیفہ اوّل کو اپنی فطری نرم دلی' تساہل اور چشم پوشی کے باوجود اکثر موقعوں پر تشدد' احتساب اور

نکتہ چینی سے کام لینا پڑا' ذاتی معاملات میں رفق و ملاطفت ان کا خاص شیوہ تھا' لیکن انتظام و مذہب میں اس قسم کی مداہنت کو کبھی روا نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ حکام سے جب کبھی کوئی نازیبا امر سرزد ہو جاتا تو نہایت سختی کے ساتھ چشم نمائی فرماتے' یمامہ کی جنگ میں مجاعۃ حنفی نے جو مسیلمہ کذاب کا سپہ سالار تھا' حضرت خالدؓ بن ولید کو دھوکہ دے کر مسیلمہ کی تمام قوم کو مسلمانوں کے پنجہ اقتدار سے بچالیا' حضرت خالد بن ولیدؓ نے اس غداری پر اسے سزا دینے کے بجائے اس کی لڑکی سے شادی کر لی' چونکہ اس جنگ میں بہت سے صحابہؓ شہید ہوئے تھے' اس لیے حضرت ابوبکرؓ صدیق نے حضرت خالدؓ کی اس مسامحت پر سخت ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے لکھا:

تتوثب علی النساء و عند اطناب بیتک دماء المسلمین[1]

''یعنی تمہارے خیمہ کی طناب کے پاس مسلمانوں کا خون بہہ رہا ہے اور تم عورتوں کے ساتھ عیش و عشرت میں مصروف ہو''۔

مالک بن نویرہ منکر زکوٰۃ تھا' حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس کی تنبیہ پر مامور ہوئے لیکن انہوں نے زبانی ہدایت سے پہلے ہی اس کو قتل کر ڈالا' مالک کا بھائی شاعر تھا اس نے اس کا نہایت پر درد مرثیہ لکھا اور ظاہر کیا کہ وہ تائب ہونے کے لیے تیار تھا' مگر خالدؓ نے محض ذاتی عداوت سے قتل کر دیا' دربار خلافت تک اس کی اطلاع پہنچی تو اس غلطی پر حضرت خالد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سخت موردِ عتاب ہوئے' لیکن وہ جو کام کر رہے تھے اس کے لیے کوئی دوسرا ان سے زیادہ موزوں نہ تھا اس لیے اپنے عہدہ پر برقرار رکھے گئے۔[2]

تعزیر و حدود:

حضرت ابوبکرؓ صدیق ذاتی طور پر مجرموں کے ساتھ نہایت ہمدردانہ برتاؤ کرتے تھے چنانچہ عہد نبوت میں قبیلہ اسلم کے ایک شخص نے ان کے سامنے بدکاری کا اعتراف کیا تو بولے'' تم نے میرے سوا اور کسی سے بھی اس کا تذکرہ کیا ہے؟'' اس نے کہا نہیں' فرمایا خدا سے توبہ کرو اور اس راز کو پوشیدہ رکھو''۔ خدا بھی اس کو چھپائے گا' کیونکہ وہ اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے''۔ اگر اس نے ان کے مشورہ پر عمل کیا ہوتا تو رجم سے بچ جاتا' لیکن خود

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۸ [2] ایضاً ص ۱۴۹

marfat.com

دربارِ رسالت میں آ کر اس نے متواتر چار دفعہ اقرار جرم کیا اور بخوشی سنگسار ہوا۔[1]

زمانہ خلافت میں بھی ان کی یہ طبعی ہمدردی قائم رہی' چنانچہ اشعث بن قیس جو مدعی نبوت تھا' جب گرفتار ہو کر آیا اور توبہ کر کے جان بخشی کی درخواست کی تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے نہ صرف اس کو رہا کر دیا بلکہ اپنی ہمشیرہ حضرت ام فروہ رضی اللہ عنہا سے اس کا نکاح کر دیا۔[2]

لیکن سیاسی حیثیت سے خلیفہ وقت کا سب سے پہلا فرض قوم کی اخلاقی نگرانی اور رعایا کے جان و مال کی حفاظت ہے اور اس حیثیت سے اگرچہ انہوں نے پولیس و احتساب کا کوئی مستقل محکمہ قائم نہیں کیا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ان کی جو حالت تھی وہی قائم رکھی' البتہ اس قدر اضافہ کیا کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو پہرہ داری کی خدمت پر مامور فرمایا اور بعض جرائم کی سزائیں متعین کر دیں' مثلاً حد خمر کی نسبت رسولؐ اللہ کا طرز عمل مختلف تھا' لیکن حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اپنے دورِ خلافت میں شرابی کے لیے چالیس درے کی سزا لازمی کر دی۔[3]

حضرت ابوبکرؓ کے عہدِ خلافت میں بعض جدید جرائم بھی پیدا ہوئے' مثلاً حضرت خالدؓ بن ولید نے ان کو لکھا کہ حوالی مدینہ میں ایک شخص علت ابنہ میں مبتلا ہے' چونکہ اہل عرب کے لیے ایک جدید جرم تھا اور حدیث و قرآن میں اس کی کوئی سزا مقرر نہ تھی اس لیے حضرت ابوبکرؓ نے تمام صحابہؓ سے مشورہ کیا' حضرت علیؓ نے جلانے کی رائے دی اور تمام صحابہؓ نے اس پر اتفاق کیا۔[4]

ان کو ملک میں امن و امان اور شاہراہوں کو محفوظ و بے خطر رکھنے کا حد درجہ خیال رہتا تھا' اور جو کوئی اس میں رخنہ انداز ہوتا تھا اس کو نہایت عبرت انگیز سزائیں دیتے تھے' چنانچہ اس زمانہ میں عبداللہ بن ایاس سلمٰی مشہور راہزن تھا جس نے تمام ملک میں ایک غدر برپا کر رکھا تھا' حضرت ابوبکرؓ نے طریفہ بن حاجر کو بھیج کر نہایت اہتمام کے ساتھ اس کو گرفتار کرایا اور آگ میں جلانے کا حکم دیا' لیکن کسی کے ساتھ حدودِ شریعت سے تجاوز کسی حالت میں جائز نہیں رکھتے تھے اور ان موقعوں پر ان کا طبعی حلم و کرم صاف نمایاں ہو جاتا تھا۔

---

1. ابوداؤد کتاب الحدود۔ 2. الترغیب والترہیب ج ۳ ص ۱۱۶ بحوالہ ابن الدنیا۔
3. مسند ابن حنبل ج ۱۔ 4. یعقوبی ج ۲ ص ۱۳۹

marfat.com

چنانچہ ایک دفعہ حضرت مہاجر بن امیہؓ نے جو یمامہ کے امیر تھے دو گانے والی عورتوں کو اس جرم پر کہ ان میں سے ایک آنحضرت ﷺ کی ہجو گاتی تھی اور دوسری مسلمانوں کو برا کہتی تھی' یہ سزا دی کہ ان کے ہاتھ کاٹ ڈالے اور دانت اکھڑوا ڈالے- حضرت ابوبکرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اس سزا پر سخت برہمی ظاہر فرمائی اور لکھا کہ بے شک انبیاء کا سب وشتم ایک نہایت قبیح جرم ہے اور اگر سزا میں تم عجلت نہ کرتے تو میں قتل کا حکم دیتا' کیونکہ وہ اگر مدعی اسلام ہے تو گالی دینے سے مرتد ہوگئی اور اگر ذمیہ تھی تو اس نے خلاف عہد کیا' لیکن دوسری جو صرف مسلمانوں کو برا کہتی تھی اس کو کوئی سزا نہ دینا چاہیے تھی' کیونکہ اگر وہ مسلمان عورت ہے تو اس کے لیے معمولی تنبیہ وتادیب کافی تھی اور اگر ذمیہ ہے تو جب میں نے اس کے شرک سے' جو سب سے بڑا گناہ ہے' درگزر کیا تو مسلمانوں کو برا کہنے کی کیا سزا ہو سکتی ہے؟ بہرحال یہ تمہاری پہلی خطا نہ ہوتی تو تمہیں اس کا خمیازہ اٹھانا پڑتا' دیکھو! مثلہ سے ہمیشہ محترز رہو' یہ نہایت نفرت انگیز گناہ ہے صرف قصاص میں مباح ہے-[1]

مالی انتظامات:

عہد نبوت میں صیغہ مال کا کوئی باقاعدہ محکمہ نہ تھا' بلکہ مختلف ذرائع سے جو رقم آتی تھی اسی وقت تقسیم کر دی جاتی تھی' حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں بھی یہی انتظام قائم رہا' چنانچہ انہوں نے پہلے سال ہر ایک آزاد' غلام' مرد' عورت اور ادنیٰ واعلیٰ کو بلاتفریق دس دس درہم عطا کیے' دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو بیس بیس درہم مرحمت فرمائے' ایک شخص نے اس مساوات پر اعتراض کیا تو فرمایا کہ فضل ومنقبت اور چیز ہے' اس کو رزق کی کمی بیشی سے کیا تعلق ہے؟[2] البتہ اس پر اس قدر اضافہ کیا کہ اخیر عہد حکومت میں ایک بیت المال تعمیر کرایا' لیکن اس میں کبھی کسی بڑی رقم کے جمع کرنے کا موقع نہ آیا' اسی لیے بیت المال کی حفاظت کا کوئی انتظام نہ تھا' ایک دفعہ کسی نے کہا یا خلیفہ رسول ﷺ آپ بیت المال کی حفاظت کے لیے کوئی محافظ کیوں نہیں مقرر فرماتے؟ فرمایا اس کی حفاظت کے لیے ایک قفل کافی ہے-[3]

خلیفہ اول کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت عبدالرحمن بن عوف' حضرت عثمانؓ

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۹۶ [2] طبقات ابن سعد ق ۱ جلد ۳ ص ۱۵۱ [3] ایضاً

maarfat.com

اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مقام سخ میں بیت المال کا جائزہ لیا تو صرف ایک درہم برآمد ہوا' لوگوں نے کہا'' خدا ابوبکرؓ پر رحم کرے'' اور بیت المال کے خزانچی کو بلا کر پوچھا کہ شروع سے اس وقت تک خزانہ میں کس قدر مال آیا ہوگا؟ اس نے کہا کہ دو لاکھ دینار۔[1]

فوجی نظام:

عہد نبوت میں کوئی باضابطہ فوجی نظام نہ تھا بلکہ جب ضرورت پیش آتی تو صحابہ کرامؓ خود ہی شوق سے علم جہاد کے نیچے جمع ہو جاتے تھے' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں بھی یہی صورتِ حال باقی رہی۔ لیکن انہوں نے اس پر اس قدر اضافہ کیا کہ جب کوئی فوج کسی مہم پر روانہ ہوتی تو اس کو مختلف دستوں میں تقسیم کر کے الگ الگ افسر مقرر فرما دیتے' چنانچہ شام کی طرف جو فوج روانہ ہوئی اس میں اسی طریقہ پر عمل کیا گیا تھا' یعنی قومی حیثیت سے تمام قبائل کے افسر اور ان کے جھنڈے الگ الگ تھے' امیر الامراء کمانڈر انچیف کا نیا عہدہ بھی خلیفہ اوّل کی ایجاد ہے' اور سب سے پہلے حضرت خالد بن ولیدؓ اس عہدہ پر مامور ہوئے تھے۔[2]

دستہ بندی کا صریح فائدہ یہ ہوا کہ مجاہدین اسلام کو رومیوں کی باقاعدہ فوج کے مقابلہ میں اس سے بڑی مدد ملی' یعنی حضرت خالد بن ولیدؓ نے تعبیہ کا طریقہ ایجاد کیا اور میدان جنگ میں ہر دستہ کی جگہ اور اس کا کام متعین کر دیا' اسی طرح حالت جنگ میں کسی ترتیب و نظام کے نہ ہونے سے فوج میں ابتری پھیل جاتی تھی' اس کا سد باب ہو گیا۔[3]

فوج کی اخلاقی تربیت:

رسول اللہ ﷺ یا خلفائے راشدین کے عہد میں جس قدر لڑائیاں پیش آئیں وہ سب للّٰہیت اور اعلائے کلمۃ اللہ پر مبنی تھیں اس لیے ہمیشہ کوشش کی گئی کہ اس مقصد عظیم کے لیے جو فوج تیار ہو وہ اخلاقی رفعت میں تمام دنیا کی فوجوں سے ممتاز ہو آنحضرت ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی فوجی تربیت میں اس نکتہ کو ہمیشہ ملحوظ رکھا اور جب کبھی فوج کسی مہم پر روانہ ہوئی تو خود دور تک پیادہ ساتھ گئے' اور امیر عسکر کو زرین نصائح کے بعد رخصت فرمایا' چنانچہ ملک شام پر فوج کشی ہوئی تو سپہ سالار سے فرمایا:[4]

---

[1] طبقات ابن سعد ق ا جلد ۳ ص ۱۵۱ [2] فتوح البلدان ص ۱۱۵ [3] تاریخ طبری [4] تاریخ الخلفاء ص ۹۶

maarfat.com

انک تجد قوما زعموا انهم جلسوا انفسهم الله فذرهم و انی موصیک بعشر لا تقتلوا امرأة و لا صبيا و لا كبيرا هرما و لا تقطعن شجرا مثمرا و لا تخر بن عامرا و لا تعقرن شاة و لا بعيرا الا لا كله و لا تحرقن نخلا و لا تغللن و لا تجبنن.

''تم ایک ایسی قوم کو پاؤ گے جنہوں نے اپنے آپ کو خدا کی عبادت کے لیے وقف کر دیا ہے' ان کو چھوڑ دینا میں تم کو دس وصیتیں کرتا ہوں' کسی عورت' بچے اور بوڑھے کو قتل نہ کرنا' پھل دار درخت کو نہ کاٹنا کسی آباد جگہ کو ویران نہ کرنا' بکری اور اونٹ کو کھانے کے سوا بے کار ذبح نہ کرنا' نخلستان نہ جلانا' مال غنیمت میں غبن نہ کرنا اور بزدل نہ ہو جانا''۔

سامان جنگ کی فراہمی:

حضرت ابوبکر ؓ صدیق نے سامانِ جنگ کی فراہمی کا یہ انتظام فرمایا تھا کہ مختلف ذرائع سے جو آمدنی ہوتی تھی اس کا ایک معقول حصہ سامان بار برداری اور اسلحہ کی خریداری پر صرف فرماتے تھے۔ اس کے علاوہ قرآن پاک نے مال غنیمت میں خدا' رسولؐ اور ذوی القربیٰ کے جو حصے قرار دیئے تھے ان کو فوجی مصارف کے لیے مقرر کر دیا تھا' کیونکہ رسول ﷺ بھی ضروری مصارف کے بعد اس کو اسی کام میں لگاتے تھے۔[1]

اونٹ اور گھوڑوں کی پرورش کے لیے مقام بقیع میں ایک مخصوص چراگاہ تیار کرائی جس میں ہزاروں جانور پرورش پاتے تھے' مقام ربذہ میں بھی ایک چراگاہ تھی جس میں صدقہ اور زکوٰۃ کے جانور چرتے تھے۔[2]

فوجی چھاؤنیوں کا معائنہ:

حضرت ابوبکرؓ صدیق ضعف و پیری و ہجوم افکار کے باوجود خود ہی چھاؤنیوں کا معائنہ فرماتے تھے اور سپاہیوں میں مادی یا روحانی حیثیت سے جو خرابی نظر آتی تھی ان کی اصلاح فرماتے تھے ایک دفعہ کسی مہم کے لیے مقام جرف میں فوجیں مجتمع ہوئیں' حضرت ابوبکرؓ صدیق

[1] کتاب الخراج ص ۱۲۔ [2] کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۲ بحوالہ ابن سعد

marfat.com

معائنہ کے لیے تشریف لے گئے' بنی فزارہ کے پڑاؤ میں پہنچے تو سب نے کھڑے ہو کر تعظیم کی- آپؓ نے ہر ایک کو مرحبا کہا' ان لوگوں نے عرض کی ''یا خلیفہ رسول اللہ ﷺ' ہم لوگ گھوڑوں پر خوب چڑھتے تھے' اس لیے گھوڑے بھی ساتھ لائے ہیں' آپ بڑا جھنڈا ہمارے ساتھ کر دیجئے' فرمایا ''خدا تمہاری ہمت و ارادہ میں برکت دے' لیکن بڑا جھنڈا تم کو نہیں مل سکتا' کیونکہ وہ بنو عبس کے حصہ میں آ چکا ہے''- اس پر ایک فزاری نے کھڑے ہو کر کہا ''ہم لوگ عبس سے اچھے ہیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ڈانٹ کر کہا ''چپ احمق'' تجھ سے ہر ایک عبسی اچھا ہے-'' بنو عبس بھی کچھ بولنا چاہتے تھے' مگر انہیں بھی ڈانٹ کر خاموش کر دیا' غرض اسی طرح چھاؤنیوں میں جا کر قبائل کے باہمی جوش و رقابت کو دبا کر اسلامی رواداری کا سبق دیتے تھے[1]

بدعات کا سدباب:

تمام مذاہب کے مسخ ہو جانے کی اصلی وجہ وہ بدعات ہیں جو رفتہ رفتہ جزو مذہب ہو کر اس کی اصلی صورت اس طرح بدل دیتے ہیں کہ بانیانِ مذہب کی صحیح تعلیم اور متبعین کی جدت طرازیوں میں امتیاز و تفریق بھی دشوار ہو جاتی ہے' حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں اگرچہ بدعات بہت کم پیدا ہوئیں تاہم جب کبھی کسی بدعت کا ظہور ہوا تو انہوں نے اس کو مٹا دیا' ایک دفعہ حج کے موقعہ پر قبیلہ احمس کی عورت کی نسبت معلوم ہوا کہ وہ کسی سے گفتگو نہیں کرتی انہوں نے اس کی وجہ پوچھی' لوگوں نے کہا اس نے خاموش حج کا ارادہ کیا ہے' یہ سن کر اس کے پاس تشریف لے گئے اور فرمایا یہ جاہلیت کا طریقہ ہے' اسلام میں جائز نہیں' تم اس سے باز آؤ اور بات چیت کرو'' - اس نے کہا آپ کون ہیں؟ بولے ابوبکرؓ-[2]

خدمت حدیث:

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے عہد میں قرآن شریف کی تدوین و ترتیب کا جو کام انجام پایا اس کی تفصیل گذر چکی ہے' ایک روایت کے مطابق انہوں نے تقریباً پانچ سو حدیثیں جمع فرمائی تھیں' لیکن وفات کے کچھ دنوں پہلے اس خیال سے ان کو ضائع کر دیا کہ شاید اس میں

[1] کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۲ بحوالہ ابن سعد [2] بخاری ج ۱ ص ۵۴۱

marfat.com

کوئی روایت خلاف واقعہ ہوتو یہ بار میرے سر رہ جائے گا' لیکن علامہ ذہبی نے اس خیال کی تغلیط کی ہے بایں ہمہ انہوں نے احادیث کے متعلق نہایت حزم و احتیاط سے کام لیا' صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے خاص طور سے فرمایا:

انکم تحدثون عن رسول الله ﷺ احادیث یختلفون فیها و الناس بعد کم اشد اختلافاً فلا تحدثوا عن رسول الله ﷺ شیئا فمن سالکم فقولوا بیننا و بینکم کتاب الله فاستحلوا حلاله و حرموا حرامه[1]

''تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے ایسی حدیثیں روایت کرتے ہو جن میں تم خود ہی اختلاف رکھتے ہو' تمہارے بعد جو لوگ آئیں گے تو ان میں اور بھی سخت اختلاف واقع ہوگا اس لیے رسول اللہ ﷺ سے کوئی روایت نہ کرو اور جو کوئی تم سے سوال کرے تو کہہ دو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان خدا کی کتاب ہے اس کے حلال کو حلال سمجھو اور اس کے حرام کو حرام قرار دو''۔

لیکن اس سے یہ قیاس نہ کرنا چاہیے کہ انہوں نے مطلقاً روایت کا دروازہ بند کر دیا بلکہ ان کی غرض صرف یہ تھی کہ جب تک کسی حدیث کی صحت پر کامل یقین نہ ہو روایت نہ کرنا چاہیے' چنانچہ وہ خود بھی اس پر عمل پیرا تھے اور جب کسی روایت کی پوری تصدیق ہو جاتی' تو بغیر پس و پیش اس کو قبول فرما لیتے تھے' ایک دفعہ دادی کی وراثت کا جھگڑا پیش ہوا' چونکہ قرآن مجید اس کے متعلق خاموش ہے' اس لیے آنحضرت ﷺ کا طرز عمل دریافت کرنا پڑا۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ موجود تھے' انہوں نے کہا میں جانتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ دادی کو چھٹا حصہ دیتے تھے' احتیاطاً پوچھا ''کوئی گواہی پیش کر سکتے ہو؟'' حضرت محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر اس کی تصدیق کی تو اسی وقت حکم نافذ کر دیا۔[2] بعد کو حضرت عمرؓ نے اس اصول سے زیادہ کام لیا' آپ کے قبول حدیث کے اور بھی واقعات ہیں۔

محکمہ افتاء:

حضرت ابوبکر ؓ نے مسائل فقہیہ کی تحقیق و تنقید اور عوام کی سہولت کے خیال سے افتاء کا

[1] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ ص ۳

marfat.com

ایک محکمہ قائم کر دیا تھا' حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذؓ بن جبل، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت جو اپنے علم و اجتہاد کے لحاظ سے تمام صوبہ میں منتخب تھے' اس خدمت پر مامور تھے' ان کے سوا اور کسی کو فتویٰ دینے کی اجازت نہ تھی'[1] حضرت عمرؓ نے بھی اپنے عہد خلافت میں اسی پابندی کے ساتھ اس کو قائم رکھا۔

اشاعت اسلام:

نائب رسول ﷺ کا سب سے اہم فرض دین متین کی تبلیغ و اشاعت ہے' حضرت ابوبکرؓ کو اس کار خیر میں شروع سے جو غیر معمولی انہماک تھا' اس کا ایک اجمالی تذکرہ گذر چکا ہے۔ اس سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ آسمانِ اسلام کے اختر ہائے تاباں اسی خورشید صداقت کے پرتو ضیاء سے منور ہوئے ہیں' خلافت کا بار آیا تو ایک فرض کی حیثیت سے قدرۃً یہ انہماک زیادہ ترقی کر گیا' تمام عرب میں پھر نئے سرے سے اسلام کا غلغلہ بلند کر دیا اور رومیوں اور ایرانیوں کے مقابلہ میں جو فوجیں روانہ فرمائیں انہیں ہدایت کر دی کہ سب سے پہلے غنیم کو اسلام کی دعوت دیں' نیز قبائل عرب جو ان اطراف میں آباد ہیں ان میں اس دعوت کو پھیلائیں' کیونکہ وہ قومی یکجہتی کے باعث زیادہ آسانی کے ساتھ اس کی طرف مائل ہو سکتے ہیں' چنانچہ مثنیٰ بن حارثہ کی مساعی جمیلہ سے بنی وائل کے تمام بت پرست و عیسائی مسلمان ہو گئے' اسی طرح حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کی دعوت پر عراق عرب اور حدودِ شام کے اکثر عربی قبائل نے لبیک کہا۔

حیرہ کے ایک عیسائی راہب نے خود اسلام قبول کیا' یمن میں اشعث اور اس کے رفقاء نے پھر تجدید اسلام کی' اسی طرح طلیحہ جو مدعی نبوت تھا' حضرت خالد بن ولیدؓ کے مقابلہ سے بھاگ کر جب شام پہنچا تو اس نے بطور اعتذار حسب ذیل اشعار لکھ کر بھیجے اور اسلام کا اقرار کیا۔[2]

فهل يقبل الصديق انى مراجع ومعط بما احدثت من حدث يدى

کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ اس کو قبول فرمائیں گے کہ میں واپس آؤں' اور میرے ہاتھوں نے

---

1 طبقات ابن سعد ق ۲ ج ۳ ص ۱۰۹ 2 یعقوبی ج ۲ ص ۱۴۵

marfat.com

جو گناہ کیے ہیں ان کی تلافی کروں۔

وانی من بعد الضلالة شاهد شهادة حق لست فيها بملحد

اور گمراہی کے بعد میں گواہی دیتا ہوں' ایک ایسی سچی گواہی کہ میں اس سے ہٹنے والا نہیں ہوں۔

اس اعتذار و اقرار ایمان سے حضرت ابوبکرؓ صدیق کا آئینہ دل طلیحہ کی طرف سے بالکل صاف ہو گیا اور اس کو مدینہ آنے کی اجازت دے دی لیکن وہ اس وقت پہنچا جب کہ آفتابِ صداقت دنیا سے ہمیشہ کے لیے غروب ہو چکا تھا۔[1]

رسول اللہؐ کی طرف سے ایفائے عہد:

رسول اللہ ﷺ کے قرضوں کا چکانا اور وعدوں کو پورا کرنا بھی فرائض خلافت میں داخل تھا' حضرت ابوبکرؓ نے اوّلین فرصت میں اس فرض سے سبکدوشی حاصل کی اور جیسے ہی بحرین کی فتح کے بعد اس کا مال غنیمت پہنچا' انہوں نے اعلانِ عام کر دیا کہ رسالت مآب ﷺ کے ذمہ کسی کا کچھ نکلتا ہو تو یا آپؐ نے کسی سے کوئی وعدہ فرمایا ہو تو وہ میرے پاس آئے' اس اعلان پر حضرت جابرؓ نے بیان کیا کہ رسول اللہ نے ان کو تین دفعہ ہاتھوں سے بھر بھر کر دینے کا وعدہ فرمایا تھا' حضرت ابوبکرؓ نے ان کو اسی طرح تین دفعہ دونوں ہاتھوں سے عطا فرمایا'[2] نیز حضرت ابوبشیرؓ مازنی کے بیان پر ان کو چودہ سو درہم مرحمت فرمائے۔[3]

رسول اللہ ﷺ کے اہل بیت اور متعلقین کا خیال:

باغ فدک اور مسئلہ خمس کے منازعات نے گو رسول اللہ ﷺ کے رشتہ داروں میں کسی قدر غلط فہمی پھیلا دی تھی' خصوصاً حضرت فاطمہؓ کو اس کا رنج تھا' تاہم خلیفہ اوّل نے ہمیشہ ان کے ساتھ لطف و محبت کا سلوک قائم رکھا اور وفات کے وقت سیدۂ جنت سے عفو خواہ ہو کر ان کا آئینہ دل صاف کر دیا۔

امہات المومنینؓ کی راحت و آسائش اور آنحضرت ﷺ کے حفظ ناموس کا خاص خیال تھا۔ عکرمہ بن ابوجہل نے حضر موت میں آنحضرت ﷺ کی ایک منکوحہ حرم قتیلہ

---

[1] یعقوبی ج ۲ص ۱۴۵۔ [2] بخاری ج اص ۳۰۷۔

[3] طبقات ابن سعد

marfat.com

بنت قیس سے نکاح کر لیا تو انہوں نے چاہا کہ دونوں کو آگ میں جلا دیں، لیکن حضرت عمرؓ نے باز رکھا اور کہا کہ قتیلہ سے صرف نکاح ہوا تھا، وہ حرم میں داخل نہیں ہوئی تھیں، اس لیے امہات المومنین میں ان کا شمار نہیں ہو سکتا۔[1]

آنحضرت ﷺ نے جن لوگوں کے لیے کوئی وصیت فرمائی تھی یا جن کے حال پر آپ کا خاص لطف و کرم رہتا تھا، حضرت ابوبکرؓ نے ہمیشہ ان کی تعظیم و توقیر اور رسول اللہ ﷺ کی وصیت کا خیال رکھا، آنحضرت ﷺ اکثر حضرت ام ایمن کی ملاقات کے لیے تشریف لے جاتے تھے[2] حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے بھی اس سلسلہ کو جاری رکھا، اسی طرح سندر نام ایک غلام کو آپ نے آزاد کر کے فرمایا تھا کہ تیرے حق میں ہر مسلمان کو وصیت کرتا ہوں، حضرت ابوبکرؓ مسند نشین خلافت ہوئے تو ان کے لیے وظیفہ مقرر فرمایا اور تا حیات اس کو جاری رکھا۔[3]

ذمی رعایا کے حقوق:

عہد نبوت میں جن غیر مذاہب کے پیرووں کو اسلامی ممالک محروسہ میں پناہ دی گئی تھی اور عہد ناموں کے ذریعہ سے ان کے حقوق متعین کر دیئے گئے تھے، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے نہ صرف ان حقوق کو قائم رکھا بلکہ اپنے مہر و دستخط سے پھر اس کی توثیق فرمائی، اسی طرح خود ان کے عہد میں جو ممالک فتح ہوئے وہاں کی ذمی رعایا کو تقریباً وہی حقوق دیئے جو مسلمانوں کو حاصل تھے چنانچہ اہل حیرہ سے جو معاہدہ ہوا اس کے یہ الفاظ تھے:

لایھدم لھم بیعة و لا کنیسه و لا قصر من قصور ھم التی کانوا یتحصنون اذ انزل بھم عدولھم و لا یمنعون من ضرب النوا قیس و لا من اخراج الصلبان فی عیدھم۔[4]

"ان کی خانقاہیں اور گرجے منہدم نہ کیے جائیں گے اور نہ کوئی ایسا قصر گرایا جائے گا جس میں وہ ضرورت کے وقت دشمنوں کے مقابلہ میں قلعہ بند ہوتے ہیں ناقوس (اور گھنٹے بجانے) کی ممانعت نہ ہوگی اور تہوار کے موقعوں پر صلیب نکالنے سے روکے نہ جائیں گے"۔

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ قتیلہ بنت قیس [2] استیعاب تذکرہ ام المومنین۔
[3] ایضاً تذکرہ سندر [4] کتاب الخراج

marfat.com

یہ معاہدہ نہایت طویل ہے' یہاں صرف وہی جملے نقل کیے گئے ہیں جن سے مسلمانوں کی غیر معمولی مذہبی رواداری کا ثبوت ملتا ہے۔

خلیفہ اوّل کے عہد میں جزیہ یا ٹیکس کی شرح نہایت آسان تھی اور ان ہی لوگوں پر مقرر کرنے کا حکم تھا' جو اس کی ادائیگی کی صلاحیت رکھتے ہوں' چنانچہ حیرہ کے سات ہزار باشندوں میں سے ایک ہزار بالکل مستثنیٰ تھے اور باقی پر صرف دس دس درہم سالانہ مقرر کیے گئے تھے' معاہدوں میں یہ شرط بھی تھی کہ کوئی ذمی بوڑھا' اپاہج اور مفلس ہو جائے گا تو وہ جزیہ سے بری کر دیا جائے گا' نیز بیت المال اس کا کفیل ہوگا'[1] کیا دنیا کی تاریخ ایسی بے تعصبی و رعایا پروری کی نظیر پیش کر سکتی ہے۔

فضائل ومناقب

بارگاہِ نبوت میں رسوخ:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ محبوب بارگاہ ومحرم اسرار نبوت تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ مکہ میں آنحضرت ﷺ روزانہ صبح وشام ان کے گھر تشریف لے جاتے تھے' مدینہ منورہ میں بھی اکثر مہمات امور حضرت ابوبکرؓ صدیق کی شرکت سے طے پاتے تھے اور اس کی وجہ سے ان کو اکثر رات کے وقت دیر تک کا شانہ اقدس پر حاضر رہنا پڑتا تھا' چنانچہ ایک دفعہ انہوں نے تین اصحاب صفہ کو کھانے پر مدعو کیا' لیکن وہ خود دیر تک بارگاہِ نبوت سے واپس نہ آسکے' جب رات زیادہ گذر گئی اور گھر آئے تو یہ معلوم ہوا کہ مہمانوں نے اب تک کھانا نہیں کھایا' اپنے صاحبزادے پر سخت برہم ہوئے۔[2]

حضرت عمرؓ سے بھی ایک روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات رات بھر حضرت ابوبکرؓ صدیق سے مسلمانوں کے معاملات میں مشورہ فرمایا کرتے تھے' نیز ان کی راز داری وخلوص پر اعتماد اس قدر تھا کہ پوشیدہ سے پوشیدہ بات کہہ دیتے تھے' ہجرت کے واقعات پر غور کرو تو

[1] ایضاً ص ۷۲۔ [2] بخاری کتاب الادب قول الضیف لا اکل حتی تاکل و کتاب المناقب باب علامۃ النبوۃ قبل الاسلام

marfat.com

معلوم ہو گا کہ راز داری کے تمام کام صرف حضرت ابوبکرؓ اور ان کے اہل و عیال سے متعلق تھے' حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر غار میں پوشیدہ ہونا' حضرت عبداللہ کا رات کے وقت آ کر مشرکین کے حالات سے باخبر کرنا' حضرت عامر بن فہیرہ رضی اللہ عنہ کا روزانہ بکریاں لانا' حضرت اسماء کا کھانا پہنچانا غرض اس قسم کے تمام امور جن کا تعلق راز داری سے تھا' وہ سب خاندانِ صدیقی کے سپرد تھے' حضرت سرور کائنات ﷺ کو اپنے اس رفیق جان نثار کے ساتھ جو مخصوص تعلق اور خلوص تھا' اس کا آپؐ نے بارہا نہایت محبت آمیز پیرایہ میں اظہار فرمایا' چنانچہ وفات سے کچھ دنوں پہلے جو تقریر فرمائی اس میں ارشاد ہوا۔

''ابوبکرؓ اپنی صحبت اور مال کے لحاظ سے میرا سب سے بڑا محسن ہے اگر میں خدا کے سوا کسی کو اپنا دوست بنا سکتا تو ابوبکر کو بناتا' لیکن اسلامی اخوت و محبت افضل ہے'' [1]

اس کے بعد حکم ہوا کہ ابوبکرؓ کے دروازہ کے سوا مسجد کے احاطہ میں جس قدر دروازے ہیں سب بند کر دیئے جائیں گے۔[2] اسی طرح ایک دفعہ حضرت عمرو بن العاص نے پوچھا کہ مردوں میں آپؐ کو سب سے زیادہ محبوب کون ہے؟ تو ارشاد ہوا۔ ابوبکر''۔[3] (رضی اللہ عنہ)

اسی غیر معمولی تقرب و رسوخ کی بنا پر صحابہ کرامؓ جب آنحضرت ﷺ کو برہم دیکھتے تھے تو ان ہی کی وساطت سے عفو و درگزر کی درخواست پیش کرتے تھے' ایک دفعہ حضرت علیؓ نے ابوجہل ابن ہشام کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہا' چونکہ یہ سرورِ کائنات ﷺ کی مرضی کے خلاف تھا اس لیے جب وہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے تو روئے انور پر برہمی کے آثار نمایاں تھے' یہ دیکھ کر حضرت علی باہر چلے آئے اور حضرت ابوبکرؓ کو ساتھ لے کر پھر حاضر خدمت ہوئے' آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کو دیکھا تو چہرہ مبارک ہشاش بشاش ہو گیا اور برہمی کے آثار جاتے رہے' اسی طرح ایک روز رسول اللہ ﷺ خلاف معمول صبح سے شام تک خاموش رہے اور جب عشاء کی نماز پڑھ کر کاشانہ اقدس کی طرف تشریف لے چلے تو گو صحابہ کرامؓ کو اس غیر معمولی سکوت پر سخت خلفشار تھا' تاہم کسی کو زبان کھولنے کی جرأت نہ

[1] بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ [2] بخاری کتاب المناقب باب مناقب ابی بکرؓ [3] ایضاً

marfat.com

تھی' بالآخر سب نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آگے بڑھایا اور انہوں نے اس سکوت کی وجہ دریافت کی تو ارشاد ہوا کہ جو دنیا وآخرت میں ہونے والا ہے وہ سب آج میرے سامنے پیش کیا گیا تھا' اس کے بعد بالتفصیل قیامت کے واقعات بیان فرمائے- اصابت رائے اور معاملہ فہمی کا یہ حال تھا کہ انہوں نے جس معاملہ میں جو رائے دی وہ مقبول ہو کر رہی' راز داری کا یہ عالم تھا کہ معمولی سے معمولی راز کو بھی ظاہر ہونے نہ دیا- ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے ان کو اپنی صاحبزادی حفصہ رضی اللہ عنہا کا پیغام دیا' سن کر خاموش رہے- اور جب کچھ دنوں کے بعد وہ حرم نبویؐ میں داخل ہو گئیں تو حضرت عمرؓ سے ملاقات کر کے کہا'' شاید تم کو میری خاموشی ناگوار ہوئی ہوگی''- بولے کیوں نہیں' فرمایا میں رسول اللہ ﷺ کے ارادہ سے آگاہ تھا اور اس راز کو قبل از وقت ظاہر نہیں کر سکتا تھا-[1] غرض ان ہی اوصاف نے حضرت صدیقؓ اکبر کو بارگاہِ نبوت میں سب سے زیادہ معتمد علیہ اور بارسوخ بنا دیا تھا-

علم وفضل:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے گو کسی مکتب میں باقاعدہ زانوئے تلمذ تہ نہیں کیا تھا تاہم فطری جودتِ طبع اور دربارِ نبوت کی حاشیہ نشینی سے آسمان فضل وکمال پر مہر درخشاں ہو کر چمکے' فصاحت و بلاغت میں کمال رکھتے تھے' ابتداء میں شاعری کا ذوق بھی تھا' لیکن اسلام کے بعد ترک کر دیا تھا' کبھی کبھی جذبات وخیالات خود بخود نظم موزون کے قالب میں ڈھل جاتے تھے' ایک دفعہ حضرت امام حسین علیہ السلام کو بچوں کے ساتھ کھیلتے دیکھا' رسول اللہ ﷺ کی یاد تازہ ہو گئی' بے اختیار ان کو گود میں اٹھا لیا اور فرمایا:[2]

وبابی شبہ النبی لیس شبیہا بعلی

میرا باپ فدا ہو یہ نبیؐ سے مشابہ ہے-علیؓ سے مشابہ نہیں ہے-

ذوق سخن:

اسلام کے بعد صرف ایسے اشعار سے دلچسپی رہ گئی تھی جس میں خدا کی وحدت وغیرہ کا ذکر ہوتا تھا' ایک مرتبہ لبید نے مصرعہ پڑھا الاکل شیی ما خلا اللہ باطل یعنی

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوہ بدر- [2] مسند احمد ج ا ص ۸

marfat.com

خدا کے سوا تمام چیزیں باطل ہیں' تو فرمایا "تم نے سچ کہا" لیکن جب اس نے دوسرا مصرعہ پڑھا: وکل نعیم لا محالۃ زائل یعنی ہر نعمت یقیناً زائل ہو جائے گی' تو بولے "غلط ہے' خدا کے پاس بہت سی ایسی نعمتیں ہیں جو زائل نہ ہوں گی[1] حالت نزع میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سرہانے بیٹھی ہوئی یہ شعر پڑھ رہی تھیں۔

من لا یزال دمعہ مقنعا فانہ فی مرۃ مدفون

فرمایا یہ نہ کہو بلکہ کہو...

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ. (ق:۱)

"موت کی بیہوشی کا ٹھیک وقت آ گیا اور یہ وہ چیز ہے جس سے تم بھاگتے تھے"۔

انہوں نے اس کے بعد دوسرا شعر پڑھا۔

وابیض یستسقی الغمام بوجھہ ثمال الیتامی عصمۃ للارامل

گورا جس کے چہرے سے بادل بھی پانی طلب کرتا ہے' یتیموں کا ماویٰ اور بیواؤں کا ملجا' بولے "یہ رسول اللہ ﷺ کی شان تھی"۔[2]

تقریر و خطابت:

تقریر و خطابت کا خدا داد ملکہ حاصل تھا' رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد اور سقیفہ بنی ساعدہ میں جو تقریریں کیں وہ اوپر گذر چکی ہیں' اس سے برجستگی اور زور کلام کا اندازہ ہوگا' ان معرکۃ الآراء تقریروں کے علاوہ ان کی عام تقریریں بھی نہایت پر اثر ہوتی تھیں۔ ہم یہاں تقریر کے چند فقرے نقل کرتے ہیں:

این الوضاۃ الحسنۃ و جوھھم المعجبون بشبابھم این الملوک الذین بنوا المدائن و حصنوھا این الذین کانوا یعطون الغلبۃ فی مواطن الحرب قد تضعضع ارکانھم حین اختی بھم الدھر و اصبحو فی طبقات القبور الوحا الوحا ثم النجا النجا۔[3]

"آج وہ حسین اور روشن اور فورِ شباب سے حیرت میں ڈالنے والے چہرے کہاں

---

[1] تاریخ الخلفاء ص ۱۰۳ [2] تاریخ الخلفاء ص ۸۱' ۸۲ [3] ایضاً ص ۱۰۱

marfat.com

ہیں؟ آج بڑے بڑے شہروں کے بسانے والے اور ان کو قلعہ بند کرنے والے سلاطین کدھر گئے؟ آج بڑے بڑے غالب آنے والے مردِ میدان سورما کیا ہوئے؟ زمانہ کی گردشوں نے ان کی قوتیں پست کر دیں اور ان کے بازو توڑ دیئے اور قبر کی تاریکی میں ہمیشہ کے لیے سو گئے"۔

تقریر کی حالت میں رقت طاری ہو جاتی تھی' ایک دفعہ منبر پر تشریف لے گئے' اور فرمایا "میں جس جگہ کھڑا ہوں' گذشتہ سال خود رسول اللہ ﷺ تشریف فرما تھے' یہ کہہ کر زار و قطار رونے لگے' اسی طرح ایک روز تین مرتبہ تقریر کا ارادہ کیا اور ہر مرتبہ ایک دو جملے کہہ کر گلو گرفتہ ہو گئے۔[1]

نسب دانی:

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا اس زمانہ کا بڑا مایہ ناز علم تھا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اس فن میں خصوصیت کے ساتھ کمال رکھتے تھے' حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ جو طبقہ اصحاب میں سب سے بڑے نساب گذرے ہیں' فرمایا کرتے تھے کہ میں نے اس فن کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سیکھا ہے۔ جو نسب دانی کی حیثیت سے تمام عرب میں ممتاز تھے۔[2]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی نسب دانی سے اکثر موقعوں پر اسلام کو بھی فائدہ پہنچا' آغاز نبوت میں آنحضرت ﷺ تبلیغ و اشاعت کے لیے قبائل عرب میں تشریف لے جاتے تو عموماً یہ بھی ہم رکاب ہوتے اور اپنی نسب دانی کے باعث آپ ؐ کا لوگوں سے تعارف کراتے تھے۔ حضرت حسان بن ثابت قریش کی ہجو کیا کرتے تھے' ایک روز رسول اللہ ﷺ نے ان کو بلا کر کہا "تم قریش اور ابوسفیان کی مذمت کرتے ہو' کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ میں بھی قریشی ہوں اور ابوسفیان میرا ابن عم ہے"۔ انہوں نے کہا: "خدا کی قسم میں حضورؐ کو ان سے علیحدہ کر لیتا ہوں جس طرح جو خمیر سے الگ ہو جاتا ہے"۔ ارشاد ہوا کہ ابوبکرؓ کے پاس جاؤ وہ انساب عرب میں سب سے زیادہ ماہر ہیں' غرض اس روز سے وہ اس فن کی تعلیم کے لیے حضرت ابوبکرؓ کی خدمت میں حاضر ہونے لگے۔[3]

---

[1] مسند ج ۱ ص ۲'۳ [2] تاریخ الخلفاء ص ۴۰۔ [3] استیعاب ج ۱ ص ۱۲۸

marfat.com

تعبیر رؤیا:

خواب کی تعبیر میں بھی خدا داد ملکہ تھا یہاں تک کہ صحابہ کرامؓ آنحضرت ﷺ کے بعد ان کو سب سے بڑا معتبر سمجھتے تھے اور اپنا اپنا خواب بیان کر کے تعبیر پوچھتے تھے' ایک دفعہ حضرت خالد بن سعیدؓ نے اسلام قبول کرنے سے پہلے خواب دیکھا کہ وہ دہکتی ہوئی آگ کے کنارے کھڑے ہیں اور ان کے والد ان کو اس میں جھونک رہے ہیں' اسی اثناء میں سرورِ کائنات ﷺ تشریف لاتے ہیں اور ان کی کمر پکڑ کر کھینچ لیتے ہیں''۔ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے اس خواب کو سنا تو فرمایا ''خالد تمہیں اس کے ذریعہ سے راہ حق کی ہدایت کی گئی ہے' تمہارا باپ تم کو کفر پر مجبور کرتا ہے' لیکن آنحضرت ﷺ کی اتباع تمہاری نجات کا باعث ہوگی''۔[1]

حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے خواب میں تین چاند اپنے حجرہ میں گرتے دیکھے' انہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے اس کا تذکرہ کیا تو اس وقت خاموش رہے لیکن جب آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اور ان کے حجرے میں مدفون ہوئے تو فرمایا عائشہؓ! یہ تمہارے حجرہ کا پہلا اور سب سے بہتر چاند ہے''۔[2]

آنحضرت ﷺ بھی کبھی کبھی اپنا خواب یا رؤیا بیان کر کے انہیں تعبیر کا حکم دیتے تھے' ایک دفعہ آپؐ نے دیکھا کہ چند سیاہ بھیڑوں میں بہت سی سفید رنگ کی بھیڑیں شامل ہوگئیں' حضرت ابوبکرؓ سے اس کی تعبیر پوچھی تو انہوں نے عرض کی۔ ''یا رسولؐ اللہ! سیاہ بھیڑ اہل عرب ہیں جو پہلے آپؐ کے متبع ہوں گے' پھر نہایت کثرت کے ساتھ عجمی' جو سفید بھیڑوں کے رنگ میں ظاہر کیے گئے ہیں' اسلام قبول کر کے ان میں شامل ہو جائیں گے' ارشاد ہوا صحیح ہے۔ فرشتہ آسمان نے بھی یہی تعبیر کی تھی۔[3]

علم تفسیر:

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ چونکہ سفر' حضر' خلوت و جلوت' جنگ و صلح' غرض ہر موقع پر مہبطِ وحی والہام ﷺ کے شرف صحبت سے مستفیض ہوئے اور تمام امور میں آنحضرت ﷺ کے خاص مشیر تھے اس لیے اسلامی علوم وفنون میں بھی قدرتاً ان کا پایہ سب

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۲۴۸۔ [2] موطا امام مالک ص ۱۸۰۔ [3] تاریخ الخلفاء ص ۱۰۴

marfat.com

سے بلند تھا' کلام اللہ اسلام کا اصل اصول ہے' حضرت ابوبکرؓ صدیق کو اس سے غیر معمولی شغف تھا' عموماً رسول اللہ ﷺ سے آیات قرآنی کی تفسیر پوچھا کرتے تھے۔ ایک دفعہ انہوں نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ اس آیت کے بعد کیا چارۂ کار ہے؟''۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَ لَا اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ. (النساء : ۱۸)

''(فلاح عاقبت) نہ تمہاری آرزو پر (موقوف ہے) نہ اہل کتاب کی آرزو پر (بلکہ جو برا کام کرے گا وہ اس کی جزا پائے گا''۔

کیا درحقیقت ہم برے کام کا بدلہ پاتے ہیں؟ ارشاد ہوا ''ابوبکرؓ! خدا تمہاری مغفرت کرے کیا تم بیمار نہیں ہوتے؟ کیا تمہیں کوئی رنج وصدمہ نہیں پہنچتا؟ اور کیا تمہیں کوئی مصیبت نہیں ستاتی؟ بولے کیوں نہیں' فرمایا یہ سب برائیوں ہی کا خمیازہ ہے۔[1]

وہ ہر آیت کے شانِ نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے آگاہ تھے' نیز مختلف موقعوں پر انہوں نے جو باریک نکتے حل فرمائے ہیں اس سے ان کی دقیقہ سنجی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ایک مرتبہ مجمع عام میں فرمایا ''صاحبو! آپ قرآن شریف میں یہ آیت پڑھتے ہوں گے۔

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ لَا يَضُرُّكُمْ مَّنْ ضَلَّ اِذَا اهْتَدَيْتُمْ﴾ (مائدہ : ۱۴)

''اے وہ لوگو! جو ایمان لائے ہو تم پر (صرف) تمہارے نفس کی ذمہ داری ہے جو تم پر ہوگیا ہے وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچا سکتا جب تک کہ تم خود ہدایت یاب ہو''۔

حالانکہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جب لوگ ناپسندیدہ امر کو دیکھتے ہیں اور اس کی اصلاح کی فکر نہیں کرتے تو خدا کا عذاب سب کے لیے عام ہو جاتا ہے' یعنی آیت سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ دوسروں کی اصلاح کا خیال رکھنا ضروری نہیں۔[2]

اس طرح آیت قرآنی سے استدلال' استنباط احکام وتفریع مسائل میں مجتہدانہ ملکہ رکھتے تھے' رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد جو تقریر فرمائی اس میں برجستہ اس آیت سے

---

[1] ابن جریر طبری ج ۵ ص ۱۷۳ و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۷۴

[2] ابن جریر ج ۷ ص ۹۰

marfat.com

انبیاءؑ کی وفات پر استدلال لائے۔

﴿وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ﴾ (آل عمران : ١٤٤)

''یعنی محمد صرف رسول ہیں اور ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر گئے کیا اگر وہ مر جائیں یا شہید ہوں تو تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے''۔

اس آیت نے یکا یک ایمان واعتقاد کے متزلزل ستونوں کو مستحکم کر دیا اور لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ گویا یہ آیت پہلے سے موجود ہی نہ تھی' حضرت ابوبکرؓ بیمار ہوئے تو لوگوں نے پوچھا طبیب بلائیں' چونکہ مسئلہ تقدیر پر بہت شدت کے ساتھ اعتماد رکھتے تھے۔ بولے ''طبیب نے مجھے دیکھ کر کہا ہے اِنِّیْ فَعَّالٌ لِّمَا یُرِیْدُ یعنی ارادۂ خداوندی میں کوئی مانع نہیں ہو سکتا''۔[1]

حدیث :

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ چونکہ آنحضرت ﷺ کے بعد صرف سوا دو برس زندہ رہے اس لیے ان سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں' علاوہ اس کے اس وقت تمام حاشیہ نشینان بساطِ رسول اللہ ﷺ بقیدِ حیات تھے' جن کی نگاہوں سے عہد نبوت کی کوئی بات پوشیدہ نہ تھی اس بنا پر کثرت روایت کا کوئی موقع بھی نہ تھا' تاہم انہوں نے جانشین رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے ان احادیث کو جن کا تعلق ضروری مسائل سے تھا خاص طور پر شہرت دی' مثلاً نصابِ زکوٰۃ کا مفصل ہدایت نامہ تمام ملک میں شائع کیا اور حکم دیا کہ اگر کوئی عامل اس سے زیادہ طلب کرے تو نہ دیا جائے۔

آنحضرت ﷺ کے بعد تمام اہم مواقع پر خلیفہ اوّل ہی کی معلومات نے مسلمانوں کی رہبری کی' سقیفہ بنی ساعدہ میں خلافت کا جھگڑا جب خوفناک حد تک پہنچ گیا تو سب سے پہلے انہی نے ''الائمة من القريش'' کی حدیث پیش کی جس نے اس بحث کا فیصلہ کر دیا' اور رسول اللہ کے مدفن کا سوال پیدا ہوا تو صدیق اکبرؓ ہی نے اس عقدہ کو حل کیا اور فرمایا: ''میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ انبیاء کی جائے وفات ہی ان کا مدفن ہے''۔[2]

[1] ابن سعد جزو ۳ قسم اوّل ص ۱۴۱۔ [2] موطا امام مالک ص ۸۰

marfat.com

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حضرت عباسؓ نے رسول اللہ ﷺ کی متروکہ جائداد میں میراث طلب کی تو سب سے پہلے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث پیش کی:

لا نورث ماترکنا صدقة.

''یعنی ہمارے مال میں وراثت جاری نہ ہوگی اور ہمارا تمام متروکہ وقف ہے''۔

بعد کو دوسرے صحابہؓ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی' غرض وہ دربار نبوت میں اپنے مخصوص تقرب کی بنا پر آنحضرت ﷺ کے ارشادات' طرز عمل اور ان کے اسباب وعلل سے قدرتاً زیادہ باخبر تھے۔

امامت واجتہاد:

امامت یا خلافت گو نبوت ہی کا ایک پرتو ہے' تاہم دونوں میں بہت بڑا فرق ہے' حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مسند نشین خلافت ہونے کے ساتھ ہی اس فرق کو جمہور مسلمانوں پر ظاہر کر دیا اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ معصوم تھے' نیز خدا نے ان کو وحی سے ممتاز فرمایا تھا' اور میں ایک معمولی انسان ہوں اس لیے اگر تم مجھے راہِ راست پر دیکھو تو اتباع کرو اور اگر کج راہ ہو جاؤں تو سیدھا کر دو[1]

حضرت ابوبکر ؓ نے نبوت و خلافت کی اس تفریق کو عموماً قائم رکھا اور کبھی ان اختیارات وحقوق سے کام نہیں لیا جو صرف انبیاء کے لیے مخصوص ہیں' ایک دفعہ ایک مسلمان پر سخت برہم ہوئے۔ حضرت ابو برزہ اسلمی نے ان کے تیور دیکھ کر عرض کی یا خلیفہ رسول اللہ ﷺ! اس کی گردن اڑا دیجئے' حضرت ابوبکرؓ نے قتل کا نام سنا تو خاموش ہو گئے کچھ دیر کے بعد غصہ فرو ہوا تو ابو برزہؓ سے بلا کر پوچھا: ''اگر میں اس کو قتل کرنے کا حکم دیتا تو کیا تم واقعی اسے مار ڈالتے؟ بولے ہاں! فرمایا'' خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ کے بعد کسی کو یہ شرف حاصل نہیں ہے''۔[2] اسی طرح کسی نے خلیفۃ اللہ کہہ کر مخاطب کیا تو فرمایا کہ مجھے خلیفۃ اللہ نہ کہو' میں نائب خدا نہیں بلکہ نائب رسول ہوں اور یہی میرے لیے بس ہے''۔[3]

---

[1] مسند احمد ابن حنبل ص ۲۰ و تاریخ الخلفاء ص ۶۸۔ [2] ابوداؤد کتاب الحدود باب الحکم فیمن سب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ [3] استیعاب تذکرہ ابوبکرؓ

marfat.com

غرض خلیفہ اوّل کا یہ سب سے بڑا احسان ہے کہ انہوں نے خلافت و نبوت کی سرحدیں الگ کر دیں، ورنہ جس طرح عدم تفریق و امتیاز نے الوہیت و نبوت کے ڈانڈے ملا دیئے ہیں اور دنیا کی اکثر قوموں نے انبیاء علیہم السلام کو مظاہر خداوندی تصور کر لیا ہے اسی طرح خلافت و نبوت کی حدود میں بھی امتیاز دشوار ہو جاتا۔

اصول اجتہاد:

رسول اللہ کے جانشینوں کا سب سے بڑا فرض استنباطِ احکام و تفریع مسائل کی ایک شاہراہ قائم کرنا اور مذہبی دفتر کو اصولی حیثیت سے منضبط و مرتب کرنا تھا، خلیفہ اوّل نے اس سلسلہ میں جو کچھ کیا وہ آج بھی شریعت غراء کا سنگ اساس ہے، چنانچہ نصوص شرعیہ کی درجہ بدرجہ ترتیب اور اجماع کا طریقہ اسی ذات گرامی سے ظہور میں آیا۔ مسند دارمی میں ہے۔[1]

کان ابوبکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب اللہ فان وجد فیہ ما یقضی بینھم قضی بہ و ان لم یکن فی الکتاب و علم من رسول اللہ ﷺ فی ذالک الامر سنۃ قضی بہ فان اعیاہ ھوج فسال المسلمین۔

''حضرت ابوبکرؓ کی عدالت میں جب کوئی مقدمہ پیش ہوتا تھا تو پہلے قرآن کی طرف رجوع کرتے اگر امر متنازعہ فیہ کے متعلق اس میں کوئی حکم ہوتا تو اس کے مطابق فیصلہ کرتے ورنہ سنت رسول اللہ ﷺ کی طرف رجوع کرتے اور جب اس سے بھی مطلب برآری نہ ہوتی تو مسلمانوں سے سوال کرتے''۔

قیاسی مسائل سے خوف:

قیاسی مسائل یا نصوص قرآنی میں اپنی رائے کو دخل دینے سے محترز رہتے اور فرماتے کہ میں اگر کتاب اللہ یا نامعلوم مسائل میں خواہ مخواہ رائے زنی کروں تو کون سی زمین میرا بار اٹھائے گی اور کون سا آسمان مجھے سایہ دے گا،[2] حضرت ابن سیرین فرماتے ہیں کہ نامعلوم مسائل میں ابوبکرؓ سے زیادہ کوئی خائف نہ تھا، تاہم ضرورت کے وقت قیاس سے کام لینے پر مجبور تھے۔

ایک دفعہ ایک ایسا مقدمہ پیش ہوا جس کے متعلق نہ قرآن میں کوئی تصریح تھی نہ

---

[1] مسند دارمی باب التعیا و ما فیہ من الشدۃ [2] طبقات ابن سعد ج ۳ قسم ا ص ۲۶

marfat.com

آنحضرت ﷺ کے طرز عمل سے مدد ملتی تھی' مجبوراً قیاس سے کام لینا پڑا' لیکن اس کے ساتھ ہی فرمایا ''یہ میری رائے' اگر صحیح ہے تو منجانب اللہ ہے اور اگر غلط ہے تو میری طرف سے ہے' میں خدا سے طالب مغفرت ہوں''۔

ایک قیاسی مسئلہ:

حضرت ابوبکرؓ صدیق کے قیاسی مسائل میں سب سے زیادہ مشہور دادا کی وراثت کا مسئلہ ہے ہم اس کو بالتفصیل درج کرتے ہیں اس سے ان کی اجتہادی قوت کا اندازہ ہوگا۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی میت ورثہ میں صرف دادا اور بہن بھائی چھوڑے' یعنی اصول میں باپ اور فروع میں کوئی نسبی اولاد نہ ہو تو مستحق وارث کون ہوگا؟' دادا یا بھائی بہن؟ حضرت ابوبکرؓ صدیق اور ان کے ساتھ تقریباً چودہ صحابہ کرامؓ جن میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت ابوموسیٰ اشعری وغیرہ شامل ہیں' دادا کو باپ کے مرتبہ میں قرار دے کر بھائی بہن کو محجوب الارث سمجھتے تھے' لیکن صحابہ کرامؓ کی ایک بڑی جماعت اس سے اختلاف رکھتی ہے اور بھائی بہن کو اصل وارث قرار دیتی ہے' یہ اختلاف درحقیقت لفظ کلالہ کی تشریح پر مبنی ہے' کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے:

يَسْتَفْتُونَكَ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِي الْكَلَالَةِ إِنِ امْرُؤٌ هَلَكَ لَيْسَ لَهُ وَلَدٌ وَلَهُ أُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ وَهُوَ يَرِثُهَا إِنْ لَمْ يَكُنْ لَهَا وَلَدٌ. (نساء ٢٤)

''لوگ تم سے فتویٰ طلب کرتے ہیں تو کہہ دو کہ اللہ کلالہ کے بارہ میں تم کو حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی ایسا مرد مر جائے جس کی اولاد نہ ہو اور اس کی بہن ہو تو اس کو ترکہ سے آدھا ملے گا اور بہن مر جائے اور اس کی اولاد نہ ہو تو وہ اس کا وارث ہوگا''۔

اس آیت میں گو باپ کی کوئی تصریح نہیں ہے تاہم اس حد تک سب کو اتفاق ہے' کلالہ کی صورت میں باپ کا نہ ہونا ضروری ہے لیکن حضرت ابوبکرؓ صدیق دادا کا نہ ہونا بھی ضروری قرار دیتے ہیں اور اس آیت سے استدلال لاتے ہیں:

وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَلَهُ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا السُّدُسُ. (نساء : ٢)

marfat.com

"اگر کسی ایسے مرد یا عورت کی میراث ہو جس کے (اصول فروع میں) کوئی نہ ہو اور (دوسری ماں سے) بھائی یا بہن ہو تو ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا"۔

اس آیت میں علاتی بھائی بہنوں کی وراثت کا تذکرہ ہے اور یہاں بالاتفاق کلالہ کے یہ معنی ہیں کہ میت کے اصول وفروع میں کوئی نہ ہو یعنی اگر میت کا دادا موجود ہوگا تو وہ کلالہ نہ ہوگا اور علاتی محجوب الارث ہوں گے اس بنا پر کوئی وجہ نہیں ہے کہ کلالہ کی یہی تشریح زیر بحث مسئلہ میں قائم رہے اور بلا وجہ اس کے معنی میں تفریق کی جائے۔[1]

اخلاق وعادات

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق فطرتاً اخلاقِ حمیدہ سے متصف تھے ایام جاہلیت میں عفت پارسائی، رحمدلی، راست بازی اور دیانت داری ان کے مخصوص اوصاف تھے یہی وجہ ہے کہ زمانہ جاہلیت میں دیت کی تمام رقم ان ہی کے پاس جمع ہوتی تھی شراب نوشی، فسق وفجور گواس زمانہ میں عالمگیر تھا تاہم ان کا دامن عفاف کبھی ان دھبوں سے داغ دار نہیں ہوا فیاضی، مفلس و بےنوا کی دستگیری، قرابت داروں کا خیال، مہمان نوازی، مصیبت زدوں کی اعانت، غرض اس قسم کے تمام محاسن ومحامد ان میں پہلے سے موجود تھے شرفِ ایمان نصیب ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا۔

تقویٰ:

ورع وتقویٰ حضرت ابوبکر صدیق کے معدنِ اخلاق کا سب سے درخشاں گوہر ہے ایک دفعہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص کسی نامعلوم راستہ سے لے چلا اور بولا اس راہ میں ایسے آوارہ منش وبدمعاش رہتے ہیں کہ اس طرف سے گذرنے میں بھی حیا دامنگیر ہوتی ہے"۔ یہ سنتا تھا کہ زمین نے پاؤں پکڑ لیے اور یہ کہہ کر لوٹ آئے" میں ایسے شرمناک راستہ سے نہیں جا سکتا۔[2]

---

1. بخاری کتاب الفرائض باب میراث الجد مع الاب والاخوۃ میں اس کی تفصیل ہے۔
2. کنز العمال ج ۶ ص ۱۳۲

marfat.com

ایک دفعہ آپؓ کے ایک غلام نے کھانے کی کوئی چیز لاکر پیش کی' جب تناول فرما چکے تو انہوں نے کہا "آپ جانتے ہیں کہ یہ کس طرح حاصل ہوا؟" فرمایا "بیان کرو" بولے: "میں نے جاہلیت میں ایک شخص کی فال کھولی تھی' فال کھولنا تو جانتا نہ تھا' صرف اس کو دھوکہ دیا تھا' لیکن آج اس سے ملاقات ہوئی تو اس نے اس کے صلہ میں یہ کھانا دیا" - یہ سرگزشت سنی تو منہ میں انگلی ڈال کر جو کچھ کھایا تھا' قے کر دیا۔[1] فرمایا کرتے تھے کہ جو جسم اکل حرام سے پرورش پاتا ہے' جہنم اس کا بہترین مسکن ہے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں عید کے روز انصار کی دو لڑکیاں جنگ بعاث کے تاریخی اشعار گا رہی تھیں' آنحضرت ﷺ منہ پھیر کر فرش پر استراحت فرما تھے اسی حالت میں ابوبکر صدیقؓ تشریف لائے' ان کے کمال اتقاء نے اسے بھی پسند نہ کیا' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ڈانٹ کر بولے: "رسول اللہ ﷺ کے سامنے یہ مزمار شیطان؟ لیکن آنحضرت ﷺ نے فرمایا: "ابوبکرؓ! انہیں گانے دو' ہر قوم کے لیے عید ہے اور یہ ہماری عید ہے"۔[2]

انسان کا کمال اتقاء یہ ہے کہ جس طرح اس کے اعضاء و جوارح اعمال شنیعہ و افعال ناپسندیدہ سے مجتنب رہتے ہیں اور اس کا دل تخیلات باطلہ سے محترز رہتا ہے اسی طرح اس کی زبان بھی کبھی کلمات نا ملائم سے آلودہ نہ ہونے پائے' حضرت ابوبکر صدیقؓ کا ورع وتقویٰ اسی منتہائے کمال پر تھا کہ درشت و ناملائم الفاظ سے ہمیشہ پرہیز فرماتے تھے' اگر اتفاقاً غیظ و غضب کی حالت میں کوئی سخت کلمہ زبان سے نکل جاتا تو نہایت ندامت و پشیمانی ہوتی' اور جب تک اس کی تلافی نہ ہو جاتی چین نہ آتا۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے کوئی نزاع درپیش تھی' اثنائے گفتگو میں کوئی سخت جملہ نکل گیا لیکن خود ہی ندامت دامنگیر ہوئی اور نہایت اصرار کے ساتھ عفو خواہ ہوئے' حضرت عمرؓ نے انکار کیا تو ان کی پریشانی کی کوئی انتہا نہ تھی' اسی وقت دامن اٹھائے آستانہ نبوت پر حاضر ہوئے اور وجہ پریشانی بیان کی' آنحضرت ﷺ نے ان کو تین مرتبہ اس بشارت

---

[1] بخاری باب بنیان الکعبہ ج ۱ ص ۵۴۲۔

[2] ایضاً کتاب العیدین باب سنتہ العیدین لاهل الاسلام ص ۱۳۰

marfat.com

سے طمانیت دی، ابوبکرؓ خدا تمہیں بخش دے گا، ابوبکرؓ خدا تمہیں بخش دے گا، ابوبکرؓ! خدا تمہیں بخش دے گا، اسی اثناء میں حضرت عمرؓ کو بھی اپنے انکار سے ندامت ہوئی اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کے مکان پر تلاش کرتے ہوئے دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے، ان کو دیکھ کر حضور پرنور ﷺ کا چہرہ متغیر ہونے لگا، حضرت ابوبکرؓ نے یہ تیور دیکھے تو دوزانو بیٹھ کر التجا کی "یارسول اللہ! خدا کی قسم! میں ہی ظالم تھا، میری ہی زیادتی تھی، اس طریقہ سے گو غیظ و غضب کی طغیانی فرو ہوگئی تاہم ارشاد ہوا: "میں مبعوث ہوا تو تم سب نے مجھے جھٹلایا، لیکن ابوبکرؓ نے تصدیق کر کے جان و مال سے میری غمخواری کی، کیا تم مجھ سے میرے ساتھی کو چھڑا دو گے؟ [1]

حضرت ربیعہ بن جعفر اور حضرت ابوبکر صدیقؓ میں ایک درخت کے لیے باہم اختلاف ہوا، حضرت ابوبکرؓ نے اثنائے بحث میں کوئی جملہ ایسا کہہ دیا کہ جوان کی ناگواری کا باعث ہوا، لیکن جیسے ہی غصہ فرو ہوا کہنے لگے: "ربیعہ! تم بھی مجھے کوئی ایسی ہی سخت بات کہہ دو، انہوں نے انکار کیا تو دربارِ نبوت میں حاضر ہوئے، حضرت ربیعہؓ بھی ساتھ تھے حضور انور ﷺ نے مفصل روئداد سن کر فرمایا: "ربیعہ! تم کوئی سخت جواب نہ دو لیکن یہ کہہ دو، غفر اللہ لک یا ابابکرؓ! یعنی ابوبکر اللہ تمہیں معاف کر دے، حضرت ابوبکر ؓ پر اس واقعہ کا اس قدر اثر تھا کہ زار و قطار رو رہے تھے اور آنکھوں سے سیل اشک رواں تھا۔ [2]

زہد:

امارت، دنیا طلبی و جاہ پسندی سے قطعی نفرت تھی، خلافت کا بار گراں بھی محض امت مرحومہ کو تفریق و اختلاف سے محفوظ رکھنے کے لیے اٹھالیا تھا ورنہ دل سے اس ذمہ داری کے متمنی نہ تھے۔ انہوں نے بارہا اپنے خطبوں میں اس حقیقت کی تصریح فرمادی تھی اور اعلان کر دیا تھا کہ اگر کوئی اس بار کو اٹھانے کے لیے تیار ہو جائے تو وہ نہایت خوشی کے ساتھ سبکدوش ہو جائیں گے۔ [3]

حضرت رافع طائیؓ فرماتے ہیں کہ ایک دفعہ میں نے کہا کہ آپ سن رسیدہ بزرگ ہیں مجھے

---

1. بخاری کتاب المناقب باب قول النبی لو کنت متخذا خلیلا ج ۱ ص ۵۱۶
2. فتح الباری ج ۷ ص ۱۸ 3. طبقات ابن سعد قسم اوّل جز ثالث ص ۱۵۰

marfat.com

کچھ وصیت فرمائیں' بولے خدا تم پر رحمت و برکت نازل فرمائے' نمازیں پڑھو' روزے رکھو' زکوۃ دو حج کرو اور سب سے بڑی نصیحت یہ ہے کہ کبھی امارت و سیادت نہ قبول کرو' دنیا میں امیر کی ذمہ داری بڑھ جاتی ہے' نیز قیامت کے روز اس کا محاسبہ نہایت سخت ہوگا اور فرد عمل زیادہ طویل ہوگی۔

ایک مرتبہ انہوں نے پینے کے لیے پانی مانگا' لوگوں نے پانی اور شہد لا کر پیش کیا لیکن جیسے ہی منہ کے قریب لے گئے بے اختیار آنکھوں میں آنسو بھر آئے اور اس قدر روئے کہ تمام حاضرین پر رقت طاری ہوگئی' جب کسی قدر سکون ہوا تو لوگوں نے گریہ وزاری کی وجہ پوچھی' بولے ایک روز میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ تھا' آپ کسی چیز کو دور دور کہہ رہے تھے' میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا چیز ہے جس کو دور فرما رہے ہیں میں تو کچھ نہیں دیکھتا ارشاد ہوا کہ ''ظاہر فریب دنیا مجسم ہو کر میرے سامنے آئی تھی' میں نے اس کو دور کر دیا''۔ اس وقت یکا یک یہ واقعہ مجھے یاد آ گیا اور ڈرا کہ شاید اس کے دام تزویر میں پھنس جاؤں''۔[1]

حضرت ابوبکرؓ نے اپنی تمام دولت راہ خدا میں لٹا دی' یہاں تک کہ زمانہ خلافت میں ان پر بیت المال کا چھ ہزار روپیہ قرض چڑھ گیا' لیکن بے نیازی دیکھو کہ مسلمانوں کا ایک حبہ بھی اپنی ذات پر صرف کرنا یا اولاد کے لیے چھوڑ جانا گوارہ نہ ہوا' وفات کے وقت وصیت فرمائی تو سب سے پہلے یہ فرمایا کہ میرا فلاں باغ بیچ کر بیت المال کا قرض ادا کر دیا جائے اور میرے مال میں جو چیز فاضل نظر آئے وہ عمرؓ بن خطاب کے پاس بھیج دی جائے' حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ وفات کے بعد جائزہ لیا گیا تو صرف یہ چیزیں زیادہ نکلیں' ایک غلام' ایک لونڈی اور دو اونٹنیاں' چنانچہ یہ تمام چیزیں اسی وقت حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دی گئیں' خلیفہؓ دوم کی آنکھوں سے عبرت کے آنسو نکل آئے' رو کر بولے: ''ابوبکر! خدا تم پر رحم کرے' تم نے پس از مرگ بھی زہد کا دامن نہ چھوڑا اور کسی کو نکتہ چینی کا موقع نہ دیا''۔[2]

تواضع:

نہایت متواضع اور خاکسار تھے اور کسی کام سے ان کو عار نہ تھا' اکثر بھیڑ بکریاں تک خود ہی چرا لیتے اور محلہ والوں کی بکریاں دوہ دیتے تھے' چنانچہ منصب خلافت کے لیے

---

[1] اسد الغابہ جلد ۳ ص ۲۱۷۔ [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۱۳۷

marfat.com

جب ان کا انتخاب ہوا تو سب سے زیادہ محلہ کی ایک لڑکی کو فکر لاحق ہوئی اور اس نے تاسف آمیز لہجے میں کہا: ''اب ہماری بکریاں کون دوہے گا؟ حضرت ابوبکرؓ نے سنا تو فرمایا خدا کی قسم! میں بکریاں دوہوں گا' امید ہے کہ خلافت مجھے مخلوق کی خدمت گذاری سے باز نہ رکھے گی۔[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کپڑے کی تجارت کرتے تھے خلیفہ ہونے کے بعد بھی حسب معمول کندھے پر کپڑوں کے تھان رکھ کر بازار کی طرف روانہ ہوئے' راہ میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی' انہوں نے کہا یا خلیفہ رسول اللہ کہاں؟ بولے: بازار! انہوں نے کہا: ''اب آپ مسلمانوں کے حاکم ہیں چلیے ہم آپ کے لیے وظیفہ مقرر کر دیں گے''۔[2]

لیکن بخاری کی روایت ہے کہ جب خلافت کی ذمہ داریوں کی وجہ سے آپ اپنا ذاتی کام نہ کر سکے تو صحابہؓ سے فرمایا کہ میری قوم جانتی ہے کہ میرا پیشہ میرے اہل وعیال کا بار اٹھانے سے قاصر نہ تھا اور اب میں مسلمانوں کے کام میں مصروف ہو گیا ہوں اس بنا پر آلِ ابوبکرؓ اس مال میں سے کھائیں گے' اور مسلمانوں کے لیے تجارت کریں گے' صحابہؓ نے اسے منظور کر لیا۔[3]

دار الخلافہ سے کوئی فوجی مہم روانہ ہوتی تو حضرت ابوبکر ضعیف و کبر سنی کے باوجود دور تک پا پیادہ ساتھ جاتے' اگر کوئی افسر تعظیماً گھوڑے سے اترنا چاہتا تو روک کر فرماتے ''اس میں کیا مضائقہ ہے اگر میں تھوڑی دور تک راہِ خدا میں اپنا پاؤں غبار آلود کروں''۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو پاؤں راہِ خدا میں غبار آلود ہوتے ہیں' خدا ان پر جہنم کی آگ حرام کر دیتا ہے''۔[4]

عجز وتواضع کی انتہاء یہ تھی کہ لوگ جانشین رسول اللہ ﷺ کی حیثیت سے تعظیم وتوقیر کرتے تو آپ کو تکلیف ہوتی اور فرماتے مجھے لوگوں نے بہت بڑھا دیا ہے' کوئی مدح وستائش کرتا تو فرماتے:

---

1. طبقات ابن سعد قسم اول جز ثالث ص ۱۳۷ 2. ایضاً
3. بخاری کتاب الاحکام باب رزق الحاکم والعاملین علیہا
4. طبری ص ۱۸۵۰ ومسند داری باب فضل الغبار فی سبیل اللہ

marfat.com

''اے خدا! تو میرا حال مجھ سے زیادہ جانتا ہے اور میں اپنی کیفیت ان لوگوں سے زیادہ جانتا ہوں' خدایا تو ان کے حسن ظن سے مجھے بہتر ثابت کر' میرے گناہوں کو بخش دے اور لوگوں کی بیجا تعریف کا مجھ سے مؤاخذہ نہ کر''۔[1]

غایت تواضع سے تکبر وغرور کی علامات سے بھی خوفزدہ ہو جاتے' ایک روز رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''جو تکبر سے اپنا کپڑا کھینچتے ہوئے چلتا ہے' قیامت کے روز خدا اس کی طرف نگاہ نہ کرے گا۔

حضرت ابوبکرؓ صدیق نے عرض کی ''میرا دامن بھی کبھی کبھی لٹک جاتا ہے''۔ ارشاد فرمایا تم تکبر سے ایسا نہیں کرتے''۔[2]

انفاق فی سبیل اللہ:

مال و دولت اگر صحیح مصرف اور مناسب موقع پر صرف ہو تو اس کی قدر و قیمت غیر متناہی ہو جاتی ہے' روٹی کا ایک خشک ٹکڑا شدتِ گرسنگی میں خوانِ نعمت ہے۔ لیکن آسودگی میں الوانِ نعمت بھی بے حقیقت شے ہے' یہی وجہ ہے کہ فتح مکہ سے پہلے جن لوگوں نے اپنی جان و مال سے رسول اللہ ﷺ کی اعانت کی ہے' ان کو قرآنِ کریم نے مخصوص عظمت و فضیلت کا مستحق قرار دیا ہے۔

﴿لَا يَسْتَوِي مِنكُم مَّنْ أَنفَقَ مِن قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ أُولَٰئِكَ أَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِينَ أَنفَقُوا مِن بَعْدُ وَقَاتَلُوا﴾ (سورہ حدید ع ۱)

''تم میں وہ لوگ جنہوں نے فتح مکہ سے پہلے خدا کی راہ میں خرچ کیا اور وہ دوسرے مسلمانوں کے برابر نہیں ہو سکتے' بلکہ یہ ان لوگوں سے درجہ میں بڑے ہیں جنہوں نے بعد فتح مکہ خرچ کیا اور لڑے''۔

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس قبول اسلام کے وقت چالیس ہزار درہم نقد موجود تھے' انہوں نے یہ تمام دولت راہِ خدا میں صرف کر دی'[3] آنحضرت ﷺ نے بارہا اس

[1] اسد الغابہ ج ۳ ص ۲۱۷ [2] بخاری کتاب المناقب مناقب ابی بکرؓ
[3] ابن سعد جزو ۳ قسم اول ص ۱۲۳

marfat.com

فیاضی کے برمحل ہونے کا اعتراف فرمایا:

ما نفعنی مال احد قط ما نفعنی مال ابی بکر [1]

''ابوبکرؓ کے مال سے زیادہ کوئی مال میرے لیے مفید نہ ہوا''۔

اس فیاضی کے ساتھ اخلاص کا یہ عالم تھا کہ حضرت رسالت مآب ﷺ جب بطور تشکر وامتنان فرماتے:

انه لیس من الناس احد امن علی فی نفسه و ماله من ابی بکر [2]

''یعنی جان و مال کے لحاظ سے مجھ پر ابوبکرؓ سے زیادہ کسی کا احسان نہیں''۔

تو آبدیدہ ہو کر عرض کرتے ''یارسول اللہ ﷺ! جان و مال سب حضورؐ ہی کے لیے ہے''۔

آغاز اسلام میں جن لوگوں نے داعی توحید ﷺ کو لبیک کہا تھا' ان میں ایک بڑی تعداد غلاموں اور لونڈیوں کی تھی جو اپنے مشرک آقاؤں کے پنجۂ ستم میں گرفتار تھی' حضرت ابوبکرؓ نے اکثروں کو آزاد کرایا' جن میں بعض کے نام یہ ہیں' بلالؓ، عامرؓ بن فہیرہ نذیرہؓ، جاریہؓ بنی مول' نہدیہؓ، بنت نہدیہؓ وغیرہم۔

حضرت ابوبکر صدیقؓ صدقات وخیرات میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے' حضرت عمرؓ نے بارہا مسابقت کی کوشش کی لیکن وہ کبھی بھی ان کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوئے۔ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو صدقہ نکالنے کا حکم دیا' حضرت عمرؓ کے پاس معمول سے زیادہ سرمایہ موجود تھا' انہوں نے خیال کیا کہ آج ابوبکرؓ سے سبقت لے جانے کا موقع ہے' چنانچہ وہ اپنا نصف مال لے کر آستانہ نبوت پر حاضر ہوئے' آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے اہل وعیال کے لیے کس قدر رہنے دیا ہے؟ بولے ''اسی قدر'' لیکن حضرت ابوبکرؓ اپنا کل سرمایہ لائے تھے' ان سے جب سوال کیا تو انہوں نے عرض کی ''ان کے لیے خدا اور اس کا رسول ہے''۔ اس ایثار وقربانی پر حضرت عمرؓ کی آنکھیں کھل گئیں بولے اب میں کبھی ان سے سبقت نہیں لے جا سکتا۔ [3]

صدقات میں اخفا واظہار دونوں جائز ہیں ''اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقَاتِ فَنِعِمَّا هِيَ وَ

[1] کنز العمال ص ۳۱۶ ج ۶۔ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۶۔ [3] ترمذی مناقب ابی بکرؓ۔

marfat.com

اِنْ تُخْفُوْهَا وَ تُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ" لیکن اظہار میں ریاء وتفاخر کا امکان ہے' اس لیے حضرت ابوبکرؓ صدقات میں اخفاء کا لحاظ رکھتے تھے اور ہمیشہ اس کا خیال رہتا تھا کہ ان کی تمام کائنات خدا کی امانت وودیعت ہے' چنانچہ ایک دفعہ نہایت مخفی طور پر صدقہ لے کر بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور عرض کی' یا رسول اللہ ﷺ اس کے علاوہ خدا تعالیٰ کی اور امانت بھی میرے پاس ہے۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی فیاضی کا سلسلہ آخری لمحہ حیات تک جاری رہا' یہاں تک کہ وفات کے وقت بھی آپؓ نے فقراء ومساکین کو فراموش نہ کیا اور اپنے مال میں ان کے لیے ایک خمس کی وصیت فرمادی۔[2]

خدمت گذاریٔ خلق:

خلق اللہ کی نفع رسانی اور خدمت گذاری میں ان کو خاص لطف حاصل ہوتا تھا' اکثر محلہ والوں کا کام کر دیتے تھے' بیماروں کی تیمارداری فرماتے اور اپنے ہاتھ سے ضعیف وناتوان اشخاص کی خدمت انجام دینے میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے' اطراف مدینہ میں ایک ضعیف نابینا عورت تھی' حضرت عمر فاروق ؓ روز علی الصبح اس کے جھونپڑے میں جا کر ضروری خدمات انجام دیتے تھے' کچھ دنوں بعد انہوں نے محسوس کیا کہ کوئی شخص ان سے بھی پہلے اس کارِ ثواب سے بہرہ یاب ہو جاتا ہے' ایک روز بنظر تفتیش کچھ رات رہتے ہوئے آئے تو دیکھا خلیفہ اوّل یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ اس ضعیفہ کی خدمت گذاری سے فارغ ہو کر جھونپڑے سے باہر نکل رہے ہیں بولے:

انت لعمری یا خلیفة رسول الله! قسم ہے کیا روزانہ آپ ہی سبقت کر جاتے ہیں؟[3]

مذہبی زندگی:

حضرت ابوبکرؓ رات رات بھر نمازیں پڑھتے تھے' دن کو اکثر روزے رکھتے' خصوصاً موسم گرما روزوں ہی میں بسر ہوتا' خشوع وخضوع کا یہ عالم تھا کہ نماز میں لکڑی کی طرح بے حس وحرکت نظر آتے' رقت اس قدر طاری ہوتی کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی تھی' خوف محشر اور عبرت پذیری سے دنیا کا ذرہ ذرہ ان کے لیے سرمایہ عبرت تھا' کوئی سرسبز درخت

[1] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۱۷۔ [2] ایضاً ص ۳۲۴۔ [3] ایضاً ج ۶ ص ۳۱۲

marfat.com

دیکھتے تو کہتے کاش! میں درخت ہی ہوتا تا کہ عاقبت کے جھگڑوں سے چھوٹ جاتا' کسی باغ کی طرف گذرتے اور چڑیوں کو چہچہاتے دیکھتے تو آہِ سرد کھینچ کر فرماتے "پرندو! تمہیں مبارک ہو کہ دنیا میں چرتے چگتے ہو' درخت کے سایہ میں بیٹھتے ہو اور قیامت کے روز تمہارا کوئی حساب کتاب نہیں' کاش ابوبکرؓ بھی تمہاری طرح ہوتا۔[1]

قرآن شریف کی تلاوت فرماتے تو بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے اور اس قدر پھوٹ پھوٹ کر روتے کہ آس پاس کے تمام لوگ جمع ہو جاتے' نرم دلی اور رقت قلب کے باعث بات بات پر آہِ سرد کھینچتے تھے یہاں تک کہ اوّاہ منیب ان کا نام ہو گیا تھا۔

نیکوکاری وحصول ثواب کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتے تھے ایک روز رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرامؓ سے پوچھا "آج تم میں سے روزہ سے کون ہے"؟ حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی "میں ہوں" پھر فرمایا "آج کسی نے جنازہ کی مشایعت کی ہے؟" کسی نے مسکین کو کھانا دیا ہے؟ کسی نے مریض کی عیادت کی ہے؟" ان سوالوں کے جواب میں جو زبان گویا ہوئی وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی تھی۔ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا "جس نے ایک دن میں اس قدر نیکیاں جمع کی ہوں' وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔[2]

خانگی زندگی:

حضرت ابوبکرؓ بیوی بچوں سے محبت رکھتے تھے' خصوصاً ام المومنین حضرت عائشہؓ کو سب سے زیادہ عزیز رکھتے تھے' نواح مدینہ میں اپنی ایک جاگیر ان کے سپرد کر دی تھی لیکن وفات کے وقت خیال آیا کہ اس سے دوسرے وارثوں کی حق تلفی ہو گی اس لیے ان کو بلا کر فرمایا: "جان پدر! افلاس و امارت دونوں حالتوں میں تم مجھے سب سے زیادہ محبوب رہی ہو' لیکن جو جاگیر میں نے تمہیں دی ہے اس میں تم اپنے دوسرے بہن بھائیوں کو شریک کر لو"۔[3] انہوں نے وفات کے بعد حسب وصیت جاگیر تقسیم کر دی۔

مہمان نوازی:

نہایت مہمان نواز تھے' چنانچہ ایک مرتبہ شب کے وقت چند اصحاب صفہ ان کے مہمان

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۲۔ [2] مسلم' فضائل ابی بکرؓ۔ [3] ابن سعد جز ۳ قسم اوّل ص ۱۳۸

maarfat.com

تھے انہوں نے اپنے صاحبزادے عبدالرحمٰن کو ہدایت فرمائی کہ میں آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جاتا ہوں تم میرے واپس آنے سے پہلے ان کی مہمان نوازی سے فارغ ہو جانا حضرت عبدالرحمٰن نے حسب ہدایت ان کے سامنے ماحضر پیش کیا لیکن انہوں نے صاحب خانہ کی غیر موجودگی میں کھانے سے انکار کر دیا اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ بہت دیر کے بعد تشریف لائے اور یہ معلوم کر کے کہ مہمان اب تک بھوکے بیٹھے ہیں اپنے صاحبزادہ پر نہایت برہم ہوئے اور برا بھلا کہا اور فرمایا: "واللہ! میں آج اس کو کھانے میں شریک نہیں کروں گا"۔ حضرت عبدالرحمٰن ڈر سے مکان کے ایک گوشہ میں چھپ رہے تھے وہ کسی قدر جرأت کر کے سامنے آئے اور بولے: "آپ مہمانوں سے پوچھ لیجئے کہ میں نے کھانے کے لیے اصرار کیا تھا"۔ مہمانوں نے اس کی تصدیق کی اور کہا: "خدا کی قسم! جب تک آپ عبدالرحمٰن کو نہ کھلائیں گے ہم لوگ بھی نہ کھائیں گے"۔[1]

غرض اس طرح غصہ فرو ہو گیا اور دستر خوان بچھایا گیا حضرت عبدالرحمٰن فرماتے ہیں کہ اس روز کھانے میں اس قدر برکت ہوئی کہ ہم لوگ کھاتے جاتے تھے لیکن وہ کسی طرح ختم نہیں ہوتا تھا یہاں تک کہ اس میں سے کچھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا گیا۔[2]

لباس وغذا:

زندگی نہایت سادہ تھی موٹے چھوٹے کپڑے استعمال فرماتے تھے دستر خوان بھی پر تکلف نہ تھا خلافت کے بعد یہ سادگی اور ترقی کر گئی تھی چنانچہ وفات کے وقت انہوں نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا جب سے خلافت کا بار میرے سر پر آیا ہے میں نے معمولی سے معمولی غذا اور چھوٹے موٹے پر قناعت کی ہے مسلمانوں کے مال میں سے میرے پاس ایک حبشی غلام ایک اونٹ اور اس پرانی چادر کے سوا اور کچھ نہیں ہے میرے بعد یہ تمام چیزیں عمرؓ بن خطاب کو واپس دے کر ان سے بری ہو جانا"۔[3]

---

[1] بخاری ج ۱ کتاب الادب باب مایکرہ من الغضب و الجزع عند الضیف و باب قول الضیف بصاحب لا آکل حتی تاکل - [2] طبقات ابن سعد ق ا ج ۳ ص ۱۳۹

[3] طبقات ابن سعد ق اول ج ۳ ص ۱۳۹ -

marfat.com

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے چونکہ اپنی تمام دولت اسلام پر نثار کر دی تھی اس لیے عسرت و ناداری کے باعث بارہا دو دو تین تین وقت فاقے سے گذر جاتے تھے' ایک روز آنحضرت ﷺ نے ان کو اور حضرت عمرؓ کو مسجد میں بھوک سے بے قرار دیکھا' فرمایا میں بھی تمہاری طرح سخت بھوکا ہوں' حضرت ابو الہیثم انصاریؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے اپنے گھر پر کھانے کی دعوت دی''۔[1]

ذریعہ معاش:

تجارت اصلی ذریعہ معاش تھی' فرماتے ہیں کہ ''میں قریش میں سب سے بڑا اور متمول تاجر تھا''۔ عہد اسلام میں بھی یہی مشغلہ جاری رہا اور مال تجارت لے کر دور دراز ممالک کا سفر اختیار فرمایا' چنانچہ آنحضرت ﷺ کی وفات سے ایک سال پہلے تجارت کے خیال سے بصریٰ تشریف لے گئے۔[2]

خلافت کا بار جب سر پر آیا تو قدرۃً ان کا تمام وقت مسلمانوں کی فلاح و بہبود کے لیے وقف ہوگیا' اس بنا پر صحابہ کرامؓ نے مشورہ کر کے روزانہ آدھی بکری کا گوشت اور ان کے اہل و عیال کے کپڑے اور کھانا مقرر کر دیا۔[3] حضرت ابو بکرؓ نے اس کو منظور کر کے فرمایا:

''قوم جانتی ہے کہ میرا کاروبار میرے اہل و عیال کی حاجت روائی سے قاصر نہ تھا' لیکن اب جب کہ مسلمانوں کے کام میں مشغول ہوں تو ابو بکرؓ کا خاندان حسب ضرورت ان کے مال سے کھائے گا اور ان کا کام کرے گا''۔[4]

ابن سعدؓ نے وظیفہ کی تفصیل یہ بیان کی ہے کہ ان کو دو چادریں ملتی تھیں' جب وہ پرانی ہو جاتی تھیں تو انہیں واپس کر کے دوسری لیتے تھے' سفر کے موقع پر سواری اور خلافت سے پہلے جو خرچ تھا' اسی کے موافق اپنے اور اپنے متعلقین کے لیے خرچ لیتے تھے۔[5]

جاگیر:

آنحضرت ﷺ نے ان کو خیبر میں ایک جاگیر مرحمت فرمائی تھی' اس کے علاوہ انہوں

---

[1] موطا امام مالک ص ۳۷۱ [2] سنن ابن ماجہ کتاب الادب باب المزاح [3] طبقات ق اج ۳ ص ۱۳۰
[4] بخاری کتاب البیوع باب کسب الرجل وعملہ بیدہ ج ا ص ۲۷۴۔ [5] طبقات ابن سعد ج ۳ ق ا ص ۱۳۱

marfat.com

نے اطراف مدینہ اور بحرین میں دوسری جاگیریں بھی حاصل کی تھیں۔[1]

حلیہ:

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نہایت نحیف و لاغر اندام تھے، چہرہ کم گوشت اور رنگ گندم گوں تھا، پیشانی بلند و فراخ اور آنکھیں دھنسی ہوئی تھیں بالوں میں مہندی کا خضاب کرتے تھے۔

ازواج و اولاد:

حضرت ابوبکرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں، جن بیویوں سے اولاد ہوئی ان کے نام یہ ہیں:

قتیلہ یا قتلہ: ان سے حضرت عبداللہؓ اور حضرت اسماءؓ پیدا ہوئیں۔

ام رومان: یہ ام المومنین حضرت عائشہؓ اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کی ماں تھیں۔

اسماء: ان سے محمد بن ابی بکرؓ پیدا ہوئے۔

حبیبہ بنت خارجہ: حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی سب سے چھوٹی صاحبزادی ام کلثومؓ ان ہی کے بطن سے تھیں۔

❀ ❀ ❀

[1] طبقات، تذکرہ ابوبکرؓ

marfat.com

امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ

نام ونسب اور خاندان:

عمر نام' ابوحفص کنیت' فاروق لقب' والد کا نام خطاب اور والدہ کا نام ختمہ تھا' پورا سلسلہ نسب یہ ہے: عمر بن الخطابؓ بن نفیل بن عبدالعزیٰ بن رباح بن عبداللہ بن قرط بن رزاح بن عدی بن کعب بن لوئی بن فہر بن مالک[1] عدی کے دوسرے بھائی مرہ تھے' جو رسول اللہ ﷺ کے اجداد میں سے ہیں' اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب آٹھویں پشت میں رسول اللہ ﷺ سے جا کر مل جاتا ہے۔

حضرت عمرؓ کا خاندان ایام جاہلیت سے نہایت ممتاز تھا' آپؓ کے جداعلیٰ عدی عرب کے باہمی منازعات میں ثالث مقرر ہوا کرتے تھے' اور قریش کو کسی قبیلہ کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آ جاتا تو سفیر بن کر جایا کرتے تھے اور یہ دونوں منصب عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسلاً چلے آ رہے تھے' دادھیال کی طرح حضرت عمرؓ ننھیال کی طرف سے بھی نہایت معزز خاندان سے تعلق رکھتے تھے' آپ کی والدہ ختمہ' ہاشم بن مغیرہ کی بیٹی تھیں اور مغیرہ اس درجہ کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلہ سے نبرد آزمائی کے لیے جاتے تھے' تو فوج کا اہتمام ان ہی کے متعلق ہوتا تھا۔[2]

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہجرت نبویؐ سے چالیس برس پہلے پیدا ہوئے' ایام طفولیت کے حالات پردۂ خفا میں ہیں' بلکہ سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں' شباب کا آغاز ہوا تو ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائے عرب میں عموماً رائج تھے' یعنی نسب دانی' سپہ گری' پہلوانی اور خطابت میں مہارت پیدا کی' خصوصاً شہ سواری میں کمال حاصل کیا' اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا' پڑھنا بھی سیکھ لیا' چنانچہ زمانہ جاہلیت میں جو لوگ لکھنا پڑھنا

---

[1] اصابہ ج ۲ ص ۵۱۸ [2] عقد الفرید باب فضائل العرب

marfat.com

جانتے تھے ان میں سے ایک حضرت عمرؓ بھی تھے۔[1]

تعلیم وتعلم سے فارغ ہونے کے بعد فکر معاش کی طرف متوجہ ہوئے' عرب میں لوگوں کا ذریعہ معاش زیادہ تر تجارت تھا' اس لیے انہوں نے بھی یہی شغل اختیار کیا' اور اسی سلسلہ میں دور دور ممالک کا سفر کیا' اس سے آپ کو بڑے تجربے اور فوائد حاصل ہوئے' آپ کی خودداری' بلند حوصلگی' تجربہ کاری اور معاملہ فہمی اسی کا نتیجہ تھی' اور ان ہی اوصاف کی بنا پر قریش نے آپ کو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا تھا' قبائل میں جب کوئی پیچیدگی پیدا ہو جاتی تھی تو آپؓ ہی سفیر بن کر جاتے تھے اور اپنے غیر معمولی فہم و تدبر اور تجربہ سے اس عقدہ کو حل کرتے تھے۔[2]

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ ریگستان عرب میں آفتاب اسلام پر تو افگن ہوا اور مکہ کی گھاٹیوں سے توحید کی صدا بلند ہوئی' حضرت عمرؓ کے لیے یہ آواز نہایت نامانوس تھی اس لیے سخت برہم ہوئے' یہاں تک کہ جس کی نسبت معلوم ہو جاتا کہ یہ مسلمان ہو گیا ہے اس کے دشمن بن جاتے' ان کے خاندان کی ایک کنیز بسینہ نامی مسلمان ہو گئی تھی اس کو اتنا مارتے کہ مارتے مارتے تھک جاتے' بسینہ کے سوا اور جس جس پر قابو چلتا زدوکوب سے دریغ نہیں کرتے تھے۔

لیکن اسلام کا نشہ ایسا نہ تھا جو چڑھ کر اتر جاتا' ان تمام سختیوں سے ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے بددل نہ کر سکے۔

اسلام حضرت عمر رضی اللہ عنہ

قریش کے سر برآوردہ اشخاص میں ابوجہل اور حضرت عمرؓ اسلام اور آنحضرت ﷺ کی دشمنی میں سب سے زیادہ سرگرم تھے اس لیے آنحضرت ﷺ نے خصوصیت کے ساتھ ان ہی دونوں کے لیے اسلام کی دعا فرمائی: **اللھم اعز الاسلام باحد الرجلین اما ابن ھشام و اما عمر بن الخطاب**[3] یعنی خدایا اسلام کو ابوجہل یا عمر بن الخطاب سے معزز کر' مگر

---

1 استیعاب تذکرہ عمرؓ بن الخطاب 2 فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷

3 جامع ترمذی مناقب عمرؓ

marfat.com

یہ دولت تو قسام ازل نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی قسمت میں لکھ دی تھی ابوجہل کے حصہ میں کیونکر آتی؟ اس دعائے مستجاب کا اثر یہ ہوا کہ کچھ دنوں کے بعد اسلام کا یہ سب سے بڑا دشمن اس کا سب سے بڑا دوست اور سب سے بڑا جان نثار بن گیا' یعنی حضرت عمرؓ کا دامن دولت ایمان سے بھر گیا۔

ذٰلِکَ فَضۡلُ اللّٰہِ یُؤۡتِیۡہِ مَنۡ یَّشَآءُ تاریخ وسیر کی کتابوں میں حضرت عمرؓ کی تفصیلات قبول اسلام میں اختلاف ہے۔

ایک مشہور واقعہ جس کو عام طور پر ارباب سیر لکھتے ہیں' یہ ہے: کہ جب حضرت عمرؓ اپنی انتہائی سختیوں کے باوجود ایک شخص کو بھی اسلام سے بددل نہ کر سکے تو آخر کار مجبور ہو کر (نعوذ باللہ) خود آنحضرت ﷺ کے قتل کا ارادہ کیا اور تلوار کمر سے لگا کر سیدھے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے' راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے' ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر تو ہے؟ بولے ''محمد (ﷺ) کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں'' انہوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو' خود تمہاری بہن اور بہنوئی اسلام لا چکے ہیں''۔ فوراً پلٹے اور بہن کے یہاں پہنچے' وہ قرآن پڑھ رہی تھیں' ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجزاء چھپا لیے' لیکن آواز ان کے کان میں پڑ چکی تھی' بہن سے پوچھا یہ کیسی آواز تھی؟ بولیں کچھ نہیں' انہوں نے کہا میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو' یہ کہہ کر بہنوئی سے دست و گریباں ہو گئے اور جب ان کی بہن بچانے کو آئیں تو ان کی بھی خبر لی یہاں تک کہ ان کا جسم لہولہان ہو گیا' لیکن اسلام کی محبت پر ان کا کچھ اثر نہ ہوا' بولیں: عمرؓ! جو بن آئے کر لو لیکن اسلام اب دل سے نہیں نکل سکتا''۔ ان الفاظ نے حضرت عمرؓ کے دل پر خاص اثر کیا بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا' ان کے جسم سے خون جاری تھا' اسے دیکھ کر اور بھی رقت ہوئی' فرمایا تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھے بھی سناؤ' فاطمہؓ نے قرآن کے اجزاء سامنے لا کر رکھ دیئے اٹھا کر دیکھا تو یہ سورت تھی:

﴿سَبَّحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَہُوَ الۡعَزِیۡزُ الۡحَکِیۡمُ﴾ (حدید)

''زمین و آسمان میں جو کچھ ہے سب خدا کی تسبیح پڑھتے ہیں وہ غالب اور حکمت والا ہے''۔

marfat.com

ایک ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا جاتا تھا' یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے:

﴿اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ﴾ (حدید)

''خدا اور اس کے رسول پر ایمان لاؤ''۔

تو بے اختیار پکار اٹھے اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا الرَّسُوْلُ اللّٰهِ۔

یہ وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ ارقم کے مکان پر جو کوہِ صفا کے نیچے واقع تھا' پناہ گزین تھے' حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی' چونکہ شمشیر بکف تھے' صحابہؓ کو تردد ہوا' لیکن حضرت حمزہؓ نے کہا آنے دو مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ہے ورنہ اسی کی تلوار سے اس کا سر قلم کر دوں گا' حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ ﷺ خود آگے بڑھے اور ان کا دامن پکڑ کر فرمایا'' کیوں عمر! کس ارادے سے آئے ہو؟ نبوت کی پر جلال آواز نے ان کو کپکپا دیا' نہایت خضوع کے ساتھ عرض کی: ''ایمان لانے کے لیے'' آنحضرت ﷺ نے بے ساختہ اللہ اکبر کا نعرہ اس زور سے مارا کہ تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں۔[1]

یہی روایت تھوڑے سے تغیر کے ساتھ دارقطنی' ابو یعلیٰ' حاکم اور بیہقی میں حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے' دونوں میں فرق صرف اس قدر ہے کہ پہلی میں سورۂ حدید کی آیت سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ہے اور دوسری میں سورۂ طٰہٰ کی یہ آیت ہے:

﴿اِنَّنِیْٓ اَنَا اللّٰهُ لَآ اِلٰـهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدْنِیْ وَاَقِمِ الصَّلٰوةَ لِذِكْرِیْ﴾

(سورہ طٰہٰ)

''میں ہوں خدا کوئی نہیں معبود لیکن میں' تو مجھ کو پوجو اور میری یاد کے لیے نماز کھڑی کرو''۔

جب اس آیت پر پہنچے تو بے اختیار لا الہ الا اللہ پکار اٹھے اور در اقدس پر حاضری کی درخواست کی' لیکن یہ روایت دو طریقوں سے مروی ہے اور دونوں میں ایسے رواۃ ہیں جو قبول کے لائق نہیں' چنانچہ دارقطنی نے اس روایت کو مختصراً لکھا ہے کہ اس کا ایک راوی قاسم بن عثمان بصری قوی نہیں۔[2] ذہبی نے مستدرک حاکم کے استدلال میں لکھا ہے کہ یہ روایت

---

[1] سیرۃ النبی ج ا ص ۲۰۹ و ۲۱۰ بحوالہ اسد الغابہ وابن عساکر و کامل ابن اثیر

[2] دارقطنی باب الطہارۃ للقرآن

marfat.com

واہی و منقطع ہے،[1] میزان الاعتدال میں لکھا ہے کہ قاسم بن عثمان بصری نے حضرت عمرؓ کے اسلام کا جو قصہ نقل کیا ہے وہ نہایت ہی منکر ہے،[2] کنز العمال میں بھی اس کی تضعیف کی گئی ہے،[3] ان دونوں روایتوں میں مشترک راوی اسحاق بن یوسف' قاسم بن عثمان' اسحاق بن ابراہیم الحسینی اور اسامہ بن زید بن اسلم ہیں اور یہ سب کے سب پایہ اعتبار سے ساقط ہیں۔

ان روایتوں کے علاوہ مسند ابن حنبل میں ایک روایت خود حضرت عمرؓ سے مروی ہے جو گوایک تابعی کی زبان سے مروی ہے تاہم اس باب میں سب سے زیادہ محفوظ ہے۔

حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ایک شب میں آنحضرت ﷺ کو چھیڑنے نکلا' آپؐ بڑھ کر مسجد حرام میں داخل ہو گئے اور نماز شروع کر دی' جس میں آپؐ نے سورۃ الحاقہ تلاوت فرمائی میں کھڑا سنتا رہا اور قرآن کے نظم واسلوب سے حیرت میں تھا' دل میں کہا جیسا قریش کہا کرتے ہیں' خدا کی قسم یہ شاعر ہے' ابھی یہ خیال آیا ہی تھا کہ آپؐ نے یہ آیت پڑھی:

﴿اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ وَّ مَا هُوَ بِقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيْلًا مَّا تُؤْمِنُوْنَ﴾ (الحاقہ : ۴۰۔۴۱)

''یہ ایک بزرگ قاصد کا کلام ہے اور یہ کسی شاعر کا کلام نہیں' تم بہت کم ایمان رکھتے ہو''۔

میں نے کہا یہ تو کاہن ہے' میرے دل کی بات جان گیا ہے۔ اس کے بعد ہی یہ آیت پڑھی:

﴿وَ لَا بِقَوْلِ كَاهِنٍ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعَالَمِيْنَ﴾

(الحاقہ : ۴۲۔۴۳)

''یہ کاہن کا کلام بھی نہیں تم بہت کم نصیحت پکڑتے ہو یہ تو جہانوں کے پروردگار کی طرف سے اترا ہے''۔

آپؐ نے یہ سورۃ آخر تک تلاوت فرمائی اور اس کو سن کر اسلام میرے دل میں پوری طرح گھر کر گیا۔[4]

اس کے علاوہ صحیح بخاری میں خود حضرت عمرؓ کی زبانی یہ روایت ہے کہ بعثت سے کچھ

---

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۵۹۔ [2] میزان الاعتدال تذکرہ قاسم بن عثمان بصری

[3] کنز العمال' فضائل عمرؓ بن الخطاب۔ [4] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱۷

marfat.com

پہلے یا اس کے بعد ہی وہ ایک بت خانہ میں سوتے تھے کہ انہوں نے دیکھا کہ ایک بت پر ایک قربانی چڑھائی گئی اور اس کے اندر سے آواز آئی اے جلیح ایک فصیح البیان کہتا ہے' لا الہ الا اللہ اس آواز کا سننا تھا' کہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے' لیکن میں کھڑا رہا کہ دیکھوں اس کے بعد کیا ہوتا ہے کہ پھر وہی آواز آئی' اس واقعہ پر تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ لوگوں میں چرچا ہوا کہ یہ نبی ہیں[1] اس روایت میں اس کا بیان نہیں ہے کہ اس آواز کا حضرت عمرؓ پر کیا اثر ہوا۔

پہلی عام روایت بھی اگر صحیح مان لی جائے تو شاید واقعہ کی ترتیب یہ ہوگی کہ اس ندائے غیب پر حضرت عمرؓ نے لبیک نہیں کہا اور اس کا کوئی تعلق آنحضرت ﷺ کی بعثت کی بشارت سے وہ نہ پیدا کر سکے کہ اس میں ان کی رسالت اور نبوت کا کوئی ذکر نہ تھا' تاہم چونکہ توحید کا ذکر تھا اس لیے ادھر میلان ہوا ہوگا' لیکن چونکہ ان کو قرآن سننے کا موقع نہیں ملا اس لیے اس توحید کی دعوت کی حقیقت نہ معلوم ہو سکی' اس کے بعد جب انہوں نے آنحضرت ﷺ کو سورۃ الحاقہ جس میں قیامت اور حشر ونشر کا نہایت مؤثر بیان ہے' نماز میں پڑھتے سنی تو ان کے دل پر ایک خاص اثر ہوا' جیسا کہ اس فقرے سے ظاہر ہوتا ہے وقع الاسلام فی قلبی کل موقع یعنی اسلام میرے دل میں پوری طرح بیٹھ گیا تاہم چونکہ وہ طبعاً مستقل مزاج اور پختہ کار تھے اس لیے انہوں نے اسلام کا اعلان نہیں کیا بلکہ اس اثر کو شاید وہ روکتے رہے لیکن اس کے بعد جب ان کی بہن کا واقعہ پیش آیا اور سورۂ طٰہٰ پر نظر پڑی جس میں توحید کی نہایت مؤثر دعوت ہے تو دل پر قابو نہ رہا اور بے اختیار کلمہ توحید پکار اٹھے اور در اقدسؐ پر حاضری کی درخواست کی۔

اور اگر وہ پہلی روایت صحیح تسلیم نہ کی جائے تو واقعہ کی سادہ صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس ندائے غیب نے ان کے دل میں توحید کا خیال پیدا کیا لیکن چونکہ تین برس دعوت محدود اور مخفی رہی تھی اس لیے ان کو اس کا حال نہ معلوم ہو سکا اور مخالفت کی شدت کے باعث کبھی خود بارگاہ نبوی میں جانے اور قرآن سننے کا موقع نہ ملا' پھر جب رفتہ رفتہ اسلام کی حقیقت کی مختلف آوازیں ان کے کانوں میں پڑتی گئیں تو ان کی شدت کم ہوتی گئی' بالآخر وہ دن آیا کہ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے ان کو سورہ الحاقہ سننے کا موقع ملا اور وہ لبیک کہتے ہوئے

---

[1] باب بنیان الکعبہ باب اسلام عمرؓ

marfat.com

اسلام کے آستانہ پر حاضر ہو گئے۔

زمانہ اسلام:

عام مؤرخین اور ارباب سیر نے حضرت عمرؓ کے مسلمان ہونے کا زمانہ ۶ نبوی مقرر کیا ہے اور لکھا ہے کہ آپ چالیسویں مسلمان تھے' آج کل کے ایک نوجوان خوش فہم صاحب قلم نے تمام گذشتہ روایات کو ایک سرے سے ناقابل التفات قرار دے کر یہ دعویٰ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نہایت قدیم الاسلام تھے' شاید مقصود یہ ہو کر حضرت ابوبکر وغیرہ کے بعد ہی ان کا شمار ہو' اس مقصد کے لیے انہوں نے تنہا بخاری کو سند قرار دیا ہے' چنانچہ حضرت عمرؓ کے اسلام کی تمہید میں وہ لکھتے ہیں کہ:

''اسی فطرت سلیمہ کی بنا پر ان (عمر رضی اللہ عنہ) کو اسلام سے ہمدردی پیدا ہوئی چنانچہ ان کی ہمشیرہ اور سعید بن زیدؓ نے اسلام قبول کیا تو گو وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے تاہم لوگوں کو اسلام پر قائم رہنے کی تاکید کیا کرتے تھے۔ چنانچہ سعید نے اس واقعہ کو ایک موقع پر بیان کیا ہے''۔

کان عمرؓ بن الخطاب یقیم علی الاسلام انا واختہ و ما اسلم.

''یعنی حضرتؓ عمرؓ مجھ کو اور اپنی بہن کو اسلام پر مضبوط کرتے تھے حالانکہ خود نہیں اسلام لاتے تھے''۔[1]

اس حدیث میں اپنے موافق مطلب تحریر کرنے کے بعد وہ فرماتے ہیں:

''اس حدیث کا بعض لوگوں نے اور بھی مطلب بیان کیا ہے اور قسطلانی نے اس کی تردید کی ہے''۔[2]

اس کے بعد بت خانہ میں ندائے غیب سننے کے واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

پہلی حدیث سے حضرت عمرؓ کی اسلام کے ساتھ ہمدردی اور دوسری میں ہاتف غیب کی آواز سننے کا ذکر ہے' ان دونوں باتوں کو ملا کر انہوں نے فوراً حضرت عمرؓ کے آغازِ اسلام ہی میں مسلمان ہونے کا قطعی فیصلہ کر دیا اور اسی واقعہ کو ان کے فوری اسلام کا سبب قرار دے

---

[1] سیر الصحابہ ص ۳۲۶۔ [2] سیر صحابہ ص ۳۲۷

marfat.com

دیا، اس کے بعد ایک اور شہادت پر مصنف کی نظر پڑی کہ مرض الموت میں ایک نوجوان نے حضرت عمرؓ کے سامنے یہ الفاظ کہے:

''اے امیر المومنین! خدا نے آپ کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور سبقت کے ذریعہ سے (جس کو آپ جانتے ہیں) جو بشارت دی ہے اس سے آپ خوش ہوں'' [1]

اس قدر شواہد اور اتنے دلائل کے بعد فاضل مصنف ناظرین سے داد طلب ہیں کہ:

''ایک طرف تو صحیح بخاری کی مستند روایات ہیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی فطری سلامت روی اور حق پرستی کو ظاہر کرتی ہیں، دوسری طرف مزخرفات کا یہ دفتر بے پایاں ہے جو ان میں گذشتہ اوصاف سے متعارض صفات تسلیم کراتا ہے، ناظرین انصاف کریں کہ ان میں سے کس کو صحیح تسلیم کیا جائے؟''۔

افسوس مصنف کو دیگر مسائل کی طرح اس مسئلہ میں بھی متعدد مسامحات میں گرفتار ہونا پڑا ہے، ہم ناظرین کو مصنف کے ابتدائی دلائل کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔

مصنف نے سب سے پہلے اسلام کے ساتھ حضرت عمرؓ کی ہمدردی میں سعید بن زیدؓ کی یہ روایت پیش کی ہے۔

كان عمر بن الخطاب يقيم على الاسلام انا واخته و ما اسلم. [2]

''یعنی حضرت عمرؓ مجھ کو اور اپنی بہن کو اسلام پر مضبوط کرتے تھے حالانکہ خود مسلمان نہیں ہوئے تھے''۔

اس کے بعد لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا بعض لوگوں نے ایک اور مطلب بھی بیان کیا ہے اور قسطلانی نے اس کی تردید کی ہے، یہاں پر مصنف نے اپنا مطلب ثابت کرنے کے لیے بڑی جسارت سے کام لیا ہے، اوّل تو حدیث کے لفظ میں صریح تحریف کی ہے، اور تحریف بھی ادبِ عربی کے خلاف ہے، پھر حدیث میں ''یقیم'' کے بجائے ''موثقی'' ہے [3] جس کے معنی باندھنے کے ہیں نہ کہ مضبوط کرنے اور قائم رکھنے کے، یہ عربی کا محاورہ ہے اور قسطلانی

---

[1] اس سے مراد وہ روایات ہیں جو حدیث و سیر کی کتابوں میں مذکور ہیں

[2] بخاری باب اسلام عمرؓ۔ [3] بخاری ج ۱ باب اسلام سعید بن زید و اسلام عمرؓ

marfat.com

نے باندھنے کے معنی لیے ہیں' اور مصنف کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ قسطلانی سے مصنف کے بیان کردہ معنی کی تائید ہوتی ہے' حالانکہ یہ سراسر غلط ہے **ھذا بھتان عظیم** ' چنانچہ قسطلانی کے الفاظ یہ ہیں[1] **بحبل او قد کالا سیر تضیقا و اھانۃ** یعنی موثقی سے مراد رسی یا تسمہ سے قیدی کی طرح تنگ کرنے اور ذلیل کرنے کے لیے باندھنا ہے' البتہ قسطلانی نے مصنف کے اختیار کردہ غلط معنی کی تردید کی ہے' جس کو بعض خوش فہموں نے اختیار کرنا چاہا تھا۔

دوسری حدیث جو مصنف نے حضرت عمرؓ کے اسلام کے باب میں پیش کی ہے یعنی ہاتف غیب کی آواز' اس روایت میں کوئی ایسا فقرہ نہیں ہے جس سے یہ ظاہر ہو کہ حضرت عمرؓ اس کو سن کر متاثر ہوئے اور فوراً اسلام لے آئے' اس قصہ کے آخر میں یہ صاف مذکور ہے کہ اس کے بعد تھوڑے ہی دن گذرے تھے کہ آنحضرت ﷺ کی نبوت کا شہرہ ہوا' اس لیے یہ بالکل ہی آغاز اسلام کا واقعہ ہوگا' اگر اسی وقت حضرت عمرؓ کا اسلام لانا ثابت ہو جائے تو اس سے یہ بھی ثابت ہو جائے گا کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی ولادت سے پہلے ہی آپ مسلمان ہو چکے تھے' جو قطعی غلط ہے' جیسا کہ آگے ثابت ہوگا۔

آیئے اب ہم صحیح بخاری کے ارشادات پر چل کر حضرت عمرؓ کے اسلام کی تاریخ تلاش کریں' حضرت عمرؓ کے اسلام کے واقعہ کے بیان میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے یہ الفاظ بخاری میں ہیں:

''حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تو ایک ہنگامہ برپا ہو گیا' مشرکین بکثرت ان کے مکان پر جمع ہو گئے اور کہنے لگے صبا عمر' عمر بے دین ہو گئے' حضرت عمرؓ خوف زدہ گھر کے اندر تھے اور میں مکان کی چھت پر تھا''۔[2]

اس روایت سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے اسلام کے وقت نہ صرف یہ کہ وہ پیدا ہو چکے تھے بلکہ سن تمیز کے اس درجہ پر پہنچ چکے تھے' کہ ان کو لڑکپن کے واقعات وضاحت سے یاد رہ گئے اور تجربہ اس کا شاہد ہے کہ ۴'۵ سال کا بچہ واقعات کو اس طرح سے محفوظ نہیں رکھ سکتا' آگے چلئے ۳ھ یعنی بعثت کے سولھویں سال غزوۂ احد ہوا۔ بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے

---

[1] قسطلانی ج ۶ ص ۲۱۳ [2] صحیح بخاری اسلام عمرؓ

marfat.com

روایت ہے کہ اس وقت ان کی عمر ۱۴ سال کی تھی اس لیے خورد سال بچوں کے ساتھ چھانٹ دیئے گئے تھے اور مجاہدین میں نہیں لیے گئے۔[1] اس حساب سے بعثت کے دو سال بعد آپ کی پیدائش ماننی پڑے گی۔ اور کم از کم پانچ سال کی عمر واقعات محفوظ رہنے کے لیے ماننی ہوگی تو پانچ سال یہ اور دو سال بعد بعثت کے کل سات سال ہو جاتے ہیں' لہٰذا خود صحیح بخاری کی تائید سے یہ واضح ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا زمانہ اسلام ۷ھ بعثت ہوگا' اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ ہاتف غیب کی آواز سننے کے سات سال بعد اسلام لائے۔

حضرت عمرؓ کے مسلمان ہو جانے سے اسلام کی تاریخ میں ایک نیا دور شروع ہو گیا' اس وقت تک چالیس یا اس سے کچھ کم وبیش آدمی دائرہ اسلام میں داخل ہو چکے تھے لیکن وہ نہایت بے بسی و مجبوری کے عالم میں تھے' اعلانیہ فرائض مذہبی ادا کرنا تو درکنار اپنے کو مسلمان ظاہر کرنا بھی خطرہ سے خالی نہ تھا' اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے دفعتاً حالت بدل گئی' انہوں نے اعلانیہ اپنے اسلام کا اظہار کیا' صرف اتنا ہی نہیں بلکہ مشرکین کو جمع کر کے بآواز بلند اپنے ایمان کا اعلان کیا' مشرکین نہایت برافروختہ ہوئے لیکن عاص ابن وائل نے جو رشتہ میں حضرت عمرؓ کے ماموں تھے ان کو اپنی پناہ میں لے لیا۔ حضرت عمرؓ قبول اسلام سے پہلے اپنی آنکھوں سے مسلمانوں کی مظلومیت کا تماشہ دیکھتے تھے اس لیے شوق مساوات نے اسے پسند نہ کیا کہ وہ اسلام کی نعمت سے متمتع ہونے کے بعد عاص بن وائل کی حمایت کے سہارے اس کے نتائج سے محفوظ رہیں' اس لیے انہوں نے پناہ قبول کرنے سے انکار کر دیا اور برابر ثبات واستقامت کے ساتھ مشرکین کا مقابلہ کرتے رہے' یہاں تک کہ مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ برابر کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔[2]

یہ پہلا موقع تھا کہ حق' باطل کے مقابلہ میں سربلند ہوا اور حضرت عمرؓ کو اس صلہ میں دربارِ نبوت سے فاروق کا لقب مرحمت ہوا۔

ہجرت:

مکہ میں جس قدر مسلمانوں کی تعداد بڑھتی گئی' اسی قدر مشرکین قریش کے بغض وعناد

---

[1] بخاری باب غزوۃ الخندق۔ [2] ابن سعد جز ۳ ق اول ص ۱۹۳

marfat.com

میں بھی ترقی ہوتی گئی، اگر پہلے وہ صرف فطری خونخواری اور جوش مذہبی کی بنا پر مسلمانوں کو اذیت پہنچاتے تھے، تو اب انہیں سیاسی مصالح نے مسلمانوں کے کامل استیصال پر آمادہ کر دیا تھا، سچ یہ ہے کہ اگر بلا کشانِ اسلام میں غیر معمولی جوش ثبات اور وارفتگی کا مادہ نہ ہوتا تو ایمان پر ثابت قدم رہنا غیر ممکن تھا۔

حضرت عمر ۷ نبوی میں اسلام لائے تھے اور ۱۳ نبوی میں ہجرت ہوئی اس طرح گویا انہوں نے اسلام لانے کے بعد تقریباً ۶، ۷ برس تک قریش کے مظالم برداشت کیے، جب مسلمانوں کو مدینہ کی جانب، ہجرت کی اجازت ملی تو حضرت عمرؓ بھی اس سفر کے لیے آمادہ ہوئے اور بارگاہِ نبوت سے اجازت لے کر چند آدمیوں کے ساتھ مدینہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس شان کے ساتھ روانہ ہوئے کہ پہلے مسلح ہو کر مشرکین کے مجمعوں سے گذرتے ہوئے خانہ کعبہ پہنچے نہایت اطمینان سے طواف کیا، نماز پڑھی، پھر مشرکین سے مخاطب ہو کر کہا کہ جس کو مقابلہ کرنا ہو وہ مکہ سے باہر نکل کر مقابلہ کر لے لیکن کسی کو ہمت نہ ہوئی اور وہ مدینہ روانہ ہو گئے۔[1]

حضرت عمرؓ مدینہ پہنچ کر قبا میں رفاعہ بن عبدالمنذر کے مہمان ہوئے، قبا کا دوسرا نام عوالی ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں ان کی فرودگاہ کا نام عوالی ہی لکھا ہے، حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہؓ نے ہجرت کی یہاں تک کہ ۶۳۲ء میں خود آفتاب رسالت ﷺ بھی مکہ کی گھاٹیوں سے نکل کر مدینہ کے افق سے ضوافگن ہوا۔

آنحضرت ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد غریب الوطن مہاجرین کے رہنے سہنے کا اس طرح انتظام فرمایا کہ ان میں اور انصار میں برادری قائم کر دی، اس موقع پر انصار نے عدیم النظیر ایثار سے کام لے کر اپنے مہاجر بھائیوں کو مال و اسباب میں نصف کا شریک بنا لیا، اس رشتہ کے قائم کرنے میں درجہ و مراتب کا خاص طور پر خیال رکھا گیا تھا، یعنی جو مہاجر جس رتبہ کا تھا اسی حیثیت کے انصاری سے اس کی برادری قائم کی گئی تھی، چنانچہ حضرت عمرؓ کے برادر اسلامی حضرت عتبہ بن مالک قرار پائے تھے، جو قبیلہ بنی سالم کے معزز رئیس تھے۔

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا، بلکہ اب آزادی اور اطمینان کا دور تھا

---

[1] زرقانی ج ۱ ص ۳۷۱

marfat.com

اور اس کا وقت آ گیا تھا کہ فرائض و ارکان محدود اور معین کیے جائیں' نیز مسلمانوں کی تعداد وسیع سے وسیع تر ہوتی جاتی تھی' اور وہ دور دور کے محلوں میں آباد ہونے لگے تھے' اس بنا پر شدید ضرورت تھی کہ اعلانِ نماز کا کوئی طریقہ معین کیا جائے۔ چنانچہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے سب سے پہلے اسی کا انتظام کرنا چاہا' بعض صحابہؓ کی رائے ہوئی کہ آگ جلا کر لوگوں کو خبر کی جائے' بعض کا خیال تھا کہ یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح بوق و ناقوس سے کام لیا جائے' حضرت عمرؓ نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کے لیے کیوں نہ مقرر کیا جائے' رسول اللہ کو یہ رائے پسند آئی اور اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا گیا' اس طرح اسلام کا ایک شعارِ اعظم حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قائم ہوا[1] جس سے تمام عالم قیامت تک دن اور رات میں پانچ وقت توحید و رسالت کے اعلان سے گونجتا رہے گا۔

غزوات و دیگر حالات

مدینہ میں سب سے پہلا معرکہ بدر کا پیش آیا' حضرت عمرؓ اس معرکہ میں رائے' تدبر جانبازی اور پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ ﷺ کے دست و بازو رہے' عاص بن ہشام ابن مغیرہ جو رشتہ میں ان کا ماموں ہوتا تھا' خود ان کے خنجر خارا شگاف سے واصل جہنم ہوا۔[2] یہ بات حضرت عمرؓ کی خصوصیات میں سے ہے کہ اسلام کے مقابلہ میں قرابت و محبت کے تعلقات سے مطلقاً متاثر نہیں ہوتے تھے' آپ کے ہاتھوں عاص کا قتل اس کی روشن مثال ہے۔

بدر کا میدان مسلمانوں کے ہاتھ رہا' غنیم کے کم و بیش ستر آدمی مارے گئے اور تقریباً اسی قدر گرفتار ہوئے' چونکہ ان میں سے قریش کے اکثر بڑے بڑے معزز سردار تھے۔ اس لیے یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہؓ سے رائے لی' لوگوں نے مختلف رائیں دیں' حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے ہوئی کہ فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے' حضرت عمرؓ نے اختلاف کیا اور کہا کہ ان سب کو قتل کر دینا چاہیے' اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر ایک اپنے ہاتھوں سے اپنے عزیز کو قتل کرے' علیؓ' عقیل کی گردن ماریں اور فلاں ؁

---

[1] صحیح بخاری کتاب الاذان باب بدء الاذان۔ [2] ابن جریر ص ۵۰۹ و استیعاب ترجمہ عمر بن الخطاب

marfat.com

میرا عزیز ہے اس کا کام میں تمام کردوں۔

آنحضرت ﷺ کی شانِ رحمت نے حضرت ابوبکرؓ کی رائے پسند کی اور فدیہ لے کر چھوڑ دیا' بارگاہِ الٰہی میں یہ چیز پسند نہ آئی اس پر عتاب ہوا اور یہ آیت نازل ہوئی:

مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ... الخ

''کسی پیغمبر کے لیے یہ مناسب نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک وہ خون ریزی نہ کرے''۔

حضور انور ﷺ اور حضرت ابوبکرؓ نے گریہ وزاری کی۔[1]

واقعہ بدر کے بعد خود مدینہ کے یہودیوں سے لڑائی ہوئی اور ان کو جلا وطن کیا گیا۔ اسی طرح غزوۂ سویق اور دوسرے چھوٹے چھوٹے معرکے پیش آئے' سب میں حضرت عمرؓ سرگرم پیکار رہے' یہاں تک کہ شوال ۳ھ میں احد کا معرکہ پیش آیا اس میں ایک طرف تو قریش کی تعداد تین ہزار تھی جس میں دو سو سوار اور سات سو زرہ پوش تھے' ادھر غازیانِ اسلام کی کل تعداد صرف سات سو تھی جس میں سو زرہ پوش اور دو سو سوار تھے'' ۷ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی' آنحضرت ﷺ نے عبداللہ بن جبیرؓ کو پچاس تیر اندازوں کے ساتھ فوج کے عقب میں متعین کر دیا تھا کہ ادھر سے کفار حملہ نہ کرنے پائیں۔

مسلمانوں نے غنیم کی صفیں تہ و بالا کر دیں' کفار شکست کھا کر بھاگے اور غازیانِ دین مال غنیمت جمع کرنے میں مصروف ہو گئے' تیر اندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ختم ہو چکا ہے اس خیال سے وہ بھی لوٹنے میں مصروف ہو گئے' تیر اندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ خالد بن ولید نے (جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) دفعتہً عقب سے زور و شور کے ساتھ حملہ کر دیا' مسلمان چونکہ غافل تھے اس لیے اس ناگہانی ریلے کو روک نہ سکے' یہاں تک کہ کفار نے خود ذاتِ اقدس پر یورش کر دی' اور اس قدر تیروں اور پتھروں کی بارش کی کہ آپؐ کے دندانِ مبارک شہید ہوئے پیشانی پر زخم آیا اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں' آپؐ ایک گڑھے میں گر پڑے اور لوگوں کی نظروں سے چھپ گئے۔

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر باب الامداد بالملائکہ فی غزوۃ بدر واباحۃ الغنائم

marfat.com

جنگ کا زور وشور جب کسی قدر کم ہوا تو آنحضرت ﷺ اپنے تیس فدائیوں کے ساتھ پہاڑ پر تشریف لائے' اسی اثناء میں خالد کو ایک دستہ فوج کے ساتھ اس طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر فرمایا کہ خدایا یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں' حضرت عمرؓ نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔[1]

ابوسفیان سالارِ قریش نے درہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمد ﷺ ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے' ابوسفیان نے پھر حضرت عمرؓ اور حضرت ابوبکرؓ کا نام لے کر کہا' یہ دونوں اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ مارے گئے' حضرت عمرؓ سے نہ رہا گیا پکار کر کہا او دشمن خدا! ہم سب زندہ ہیں''-ابوسفیان نے کہا اعلیٰ ھبل ''یعنی اے ہبل بلند ہو''[2] رسول اللہ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا جواب دو اللہ اعلیٰ و اجل' یعنی خدا بلند و برتر ہے۔[3]

غزوہ احد کے بعد ۳ھ میں حضرت عمرؓ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ان کی صاحبزادی حضرت حفصہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے نکاح میں آئیں' ۴ھ میں بنونضیر کو ان کی بدعہدی کے باعث مدینہ سے جلاوطن کیا گیا' اس واقعہ میں بھی حضرت عمرؓ شریک رہے' ۵ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا' آنحضرت ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل کر خندق تیار کرائی' دس ہزار کفار نے خندق کا محاصرہ کیا' وہ لوگ کبھی کبھی خندق میں گھس کر حملہ کرتے تھے' اس لیے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خندق کے ادھر ادھر کچھ کچھ فاصلے پر اکابر صحابہؓ کو متعین فرما دیا تھا کہ دشمن ادھر سے نہ آنے پائیں' ایک حصہ پر حضرت عمرؓ متعین تھے چنانچہ یہاں پر ان کے نام کی ایک مسجد آج بھی موجود ہے' ایک دن کافروں کے مقابلہ میں ان کو اس قدر مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا ہوتے ہوتے رہ گئی' آنحضرت کے پاس آ کر عرض کی کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا' رسول اللہؐ نے فرمایا کہ میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔[4] کامل ایک ماہ کے محاصرہ کے بعد مسلمانوں کے ثبات و استقلال کے آگے کافروں کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ میدان بھی

---

[1] طبری ص ۱۴۱۱۔ [2] ہبل ایک بت کا نام تھا۔ [3] بخاری کتاب المغازی' غزوۂ احد
[4] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب مواقیت الصلوٰۃ

marfat.com

غازیوں کے ہاتھ رہا۔

۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے زیارت کعبہ کا ارادہ فرمایا اور اس خیال سے کہ کسی کو لڑائی کا شبہ نہ ہو' حکم دیا کہ کوئی ہتھیار باندھ کر نہ چلے' ذوالحلیفہ پہنچ کر حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ دشمنوں میں غیر مسلح چلنا مصلحت نہیں ہے' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ان کی رائے کے موافق مدینہ سے اسلحہ منگوا لیا' مکہ کے قریب پہنچ کر معلوم ہوا کہ قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے' چونکہ رسول اللہ ﷺ کو لڑنا مقصود نہیں تھا اس لیے مصالحت کے خیال سے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو سفیر بنا کر بھیجا' قریش نے ان کو روک رکھا' جب کئی دن گذر گئے' تو یہ خبر مشہور ہوگئی کہ وہ شہید ہو گئے' رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر سن کر صحابہ رضی اللہ عنہم سے جو تعداد میں چودہ سو تھے ایک درخت کے نیچے جہاد پر بیعت لی' چنانچہ قرآن مجید کی اس آیت میں:

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَکَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ.

اسی واقعہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔[1]

حضرت عمرؓ نے بیعت سے پہلے ہی لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی' ہتھیار سج رہے تھے کہ خبر ملی آنحضرت ﷺ بیعت لے رہے ہیں' اسی وقت بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوئے اور جہاد کے لیے دست اقدسؐ پر بیعت کی۔[2]

قریش مصر تھے کہ رسول اللہ ﷺ اس سال مکہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آخر بڑے ردو قدح کے بعد ایک معاہدہ پر طرفین رضا مند ہو گئے' اس معاہدہ میں ایک شرط یہ بھی تھی کہ اگر قریش کا کوئی آدمی رسولؐ اللہ کے ہاں چلا جائے تو اس کو قریش کے پاس واپس کر دیا جائے گا' لیکن اگر مسلمانوں کا کوئی شخص قریش کے ہاتھ آ جائے تو ان کو واپس نہ کرنے کا اختیار ہو گا' حضرت عمرؓ کی غیور طبیعت اس شرط سے نہایت مضطرب ہوئی اور خود سرورِ کائنات ﷺ کے دربار میں حاضر ہو کر دریافت کیا کہ جب ہم حق پر ہیں تو باطل سے اس قدر دب کر کیوں صلح کرتے ہیں؟ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' میں خدا کا پیغمبرؐ ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۶ [2] بخاری کتاب المغازی' غزوہ حدیبیہ

marfat.com

کرتا' اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ سے بھی یہی گفتگو کی' انہوں نے بھی یہی جواب دیا' بعد کو حضرت عمرؓ کو اپنی گفتگو پر ندامت ہوئی اور اس کے کفارے میں کچھ خیرات کی۔[1]

غرض معاہدہ صلح لکھا گیا- حضرت عمرؓ نے بھی اس پر اپنے دستخط ثبت کیے۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کا قصد کیا' راہ میں سورہ اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِینًا نازل ہوئی آنحضرت ﷺ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر سنایا اور فرمایا کہ آج ایسی سورت نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں سے زیادہ محبوب ہے۔[2]

۷ھ میں واقعہ خیبر پیش آیا' یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا' پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سپہ سالار ہوئے ان کے بعد حضرت عمرؓ اس خدمت پر مامور ہوئے لیکن یہ فخر حضرت علیؓ کے لیے مقدر ہو چکا تھا' چنانچہ آخر میں جب آپؓ کو علم مرحمت ہوا تو آپ کے ہاتھوں خیبر کا رئیس مرحب مارا گیا اور خیبر مفتوح ہوا' آنحضرت ﷺ نے خیبر کی زمین مجاہدوں کو تقسیم کر دی۔

چنانچہ ایک ٹکڑا ثمغ نامی حضرت عمرؓ کے حصہ میں آیا انہوں نے اس کو راہِ خدا میں وقف کر دیا۔[3] اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا۔

آنحضرت ﷺ اور قریش کے درمیان حدیبیہ میں جو معاہدہ ہوا خیبر کے بعد قریش نے اس کو توڑ دیا' ابوسفیان نے پیش بندی کے خیال سے مدینہ آکر عذر خواہی کی۔ لیکن رسول اللہ ﷺ خاموش رہے اس لیے وہ اٹھ کر حضرت ابوبکرؓ اور پھر حضرت عمرؓ کے پاس گیا کہ وہ اس معاملہ کو طے کرا دیں' حضرت عمرؓ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ بالکل ناامید ہو گیا' غرض نقض عہد کے باعث آنحضرت ﷺ نے دس ہزار مجاہدین کے ساتھ رمضان ۸ھ میں مکہ کا قصد فرمایا' قریش میں مقابلہ کی طاقت نہ تھی' اس لیے انہوں نے کوئی مزاحمت نہ کی اور آنحضرت ﷺ نہایت جاہ و جلال کے ساتھ مکہ میں فاتحانہ داخل ہوئے اور باب کعبہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ تقریر کی جو تاریخوں میں بعینہ مذکور ہے' پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ

---

[1] بخاری کتاب الشروط فی الجہاد والمصالحہ مع اہل الحرب

[2] ایضاً کتاب التفسیر سورہ فتح۔ [3] ایضاً کتاب الوصایا

marfat.com

لے کر مقام صفا پر لوگوں سے بیعت لینے کے لیے تشریف لائے' لوگ جوق در جوق آتے تھے اور بیعت کرتے جاتے تھے' حضرت عمرؓ آنحضرت ﷺ سے قریب لیکن کسی قدر نیچے بیٹھے تھے' آنحضرت ﷺ بیگانہ عورتوں کے ہاتھ مس نہیں کرتے تھے' اس لیے جب عورتوں کی باری آئی تو آپؐ نے حضرت عمرؓ کو اشارہ کیا کہ تم ان سے بیعت لو' چنانچہ تمام عورتوں نے ان ہی کے ہاتھ پر آنحضرت ﷺ سے بیعت کی۔

فتح مکہ کے بعد اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو غزوۂ حنین کے نام سے مشہور ہے' حضرت عمرؓ اس جنگ میں بھی نہایت ثابت قدمی اور پامردی کے ساتھ شریک کارزار رہے' پھر ۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے آنحضرتؐ نے تمام صحابہؓ کو تیاری کا حکم دیا اور جنگی تیاریوں کے لیے زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی۔ اکثر صحابہؓ نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں' حضرت عمرؓ نے اس موقع پر اپنے تمام مال و املاک کا آدھا حصہ لا کر آنحضرت کی خدمت میں پیش کیا۔[1]

اسلحہ اور سامانِ رسد مہیا ہو جانے کے بعد مجاہدین نے مقام تبوک کا رخ کیا' یہاں پہنچ کر معلوم ہوا کہ خبر غلط تھی اس لیے چند روز قیام کے بعد سب لوگ واپس آ گئے۔

۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ حجۃ الوداع کے لیے تشریف لے گئے' حضرت عمرؓ بھی ہم رکاب تھے' اس حج سے واپس آنے کے بعد ابتداء ماہ ربیع الاول دوشنبہ کے دن حضور انور ﷺ بیمار ہو گئے اور دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲/ ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت آپؐ کا وصال ہو گیا' عام روایت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے از خود رفتہ ہو کر مسجد نبویؐ میں اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ آنحضرت ﷺ نے وفات پائی اس کو قتل کر ڈالوں گا' شاید اس میں یہ بھی مصلحت ہو کہ منافقین کو فتنہ پردازی کا موقع نہ ملے' پھر بھی فتنہ سقیفہ بنی ساعدہ کھڑا ہی ہو گیا' اگر حضرت عمرؓ اور حضرت ابو بکرؓ صدیق وقت پر پہنچ کر اپنے ناخن عقل سے اس گتھی کو نہ سلجھاتے تو کیا عجب تھا کہ یہی فتنہ شمع اسلام کو ہمیشہ کے لیے گل کر دیتا' لیکن انصار کے ساتھ

---

[1] ترمذی فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ۔ لیکن ترمذی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر یہ رقم پیش کی تھی' البتہ سیر و تاریخ سے ثابت ہوتا ہے۔

marfat.com

بہت بحث و مباحثہ کے بعد حضرت عمرؓ نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور اس کے بعد اور لوگوں نے بیعت کی۔[1]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ صدیق کی خلافت صرف سوا دو برس رہی ان کے عہد میں جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے سب میں حضرت عمرؓ شریک رہے قرآن شریف کی تدوین کا کام خاص ان کے مشورہ اور اصرار سے عمل میں آیا۔[2]

غرض حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے عہد خلافت میں تجربہ ہو چکا تھا کہ منصب خلافت کے لیے عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے زیادہ کوئی شخص موزوں نہیں ہوسکتا چنانچہ انہوں نے وفات کے قریب اکابر صحابہؓ سے مشورہ کے بعد ان کو اپنے بعد خلیفہ نامزد کیا اور آئندہ کے لیے مفید اور مؤثر نصیحتیں کیں جو حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لیے نہایت عمدہ دستور العمل ثابت ہوئیں۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکرؓ نے تریسٹھ سال کی عمر میں اواخر جمادی الثانی دوشنبہ کے روز وفات پائی اور حضرت عمرؓ فاروق مسند آرائے خلافت ہوئے خلیفہ سابق کے عہد میں مدعیان نبوت مرتدین عرب اور منکرین زکوٰۃ کا خاتمہ ہو کر فتوحات ملکی کا آغاز ہو چکا تھا یعنی ۱۲ھ میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے اسی طرح ۱۳ھ میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں سرحدی اضلاع میں پھیل گئیں ان مہمات کا آغاز ہی تھا کہ خلیفہ وقت نے انتقال کیا حضرت عمرؓ نے عنان حکومت ہاتھ میں لی تو ان کا سب سے اہم فرض ان ہی مہمات کو تکمیل تک پہنچانا تھا۔

فتوحات عراق:

سیرت صدیقؓ میں کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہو چکا ہے کہ عراق پر حملے کے کیا

---

[1] بخاری کتاب المناقب فضائل ابی بکر رضی اللہ عنہ

[2] بخاری کتاب ابواب فضائل القرآن باب جمع القرآن

marfat.com

وجوہ واسباب تھے اور کس طرح اس کی ابتداء ہوئی' یہاں سلسلہ کے لیے مختصراً اس قدر جان لینا چاہیے کہ خالدؓ بن ولید بانقیا' کسکر اور حیرہ کے اضلاع کو فتح کر چکے تھے کہ حضرت ابوبکرؓ کے حکم سے مثنیٰ بن حارثہ کو اپنا جانشین کر کے مہم شام کی اعانت کے لیے ان کو شام جانا پڑا' حضرت خالد بن ولیدؓ کا جانا تھا کہ عراق کی فتوحات دفعتہً رک گئیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ، مسند نشین خلافت ہوئے تو سب سے پہلے مہم عراق کی تکمیل کی طرف متوجہ ہوئے' بیعت خلافت کے لیے عرب کے مختلف حصوں سے بے شمار آدمی آئے تھے' اس موقع کو غنیمت سمجھ کر مجمع عام میں آپ نے جہاد کا وعظ کیا' لیکن چونکہ عام خیال تھا کہ عراق حکومت فارس کا پایہ تخت ہے اور اس کا فتح ہونا نہایت دشوار ہے اس لیے ہر طرف سے صدائے برنخاست کا معاملہ رہا' حضرت عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کہا لیکن کچھ اثر نہ ہوا' آخر چوتھے دن ایسی پر جوش تقریر کی کہ حاضرین کے دل دہل گئے' مثنیٰ شیبانی نے کہا کہ مسلمانو! میں نے مجوسیوں کو آزمالیا ہے وہ مردِ میدان نہیں ہیں' ہم نے عراق کے بڑے بڑے اضلاع فتح کر لیے ہیں اور عجمی اب ہمارا لوہا مان گئے ہیں' اسی طرح قبیلہ ثقیف کے سردار ابوعبید ثقفی نے جوش میں آ کر کہا ''انا لھذا ''یعنی میں اس کے لیے ہوں''۔ ابوعبید کی بیعت نے تمام حاضرین کو گرما دیا اور ہر طرف سے آوازیں اٹھیں کہ ہم بھی حاضر ہیں' حضرت عمرؓ نے مدینہ اور اس کے مضافات سے ایک ہزار اور دوسری روایت کے مطابق پانچ ہزار آدمی انتخاب کیے اور ابوعبید کو سپہ سالار مقرر کر کے روانہ کیا۔

حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اس نے ایرانیوں کو بیدار کر دیا تھا چنانچہ پوران دخت نے جو صغیر السن یزدگرد شاہِ ایران کی متولیہ تھی' فرخ زاد گورنر خراسان کے بیٹے رستم کو جو نہایت شجاع اور مدبر تھا' دربار میں طلب کر کے وزیر جنگ بنایا اور تمام اہل فارس کو اتحاد و اتفاق پر آمادہ کیا' نیز مذہبی حمیت کا جوش دلا کر نئی روح پیدا کر دی' اس طرح دولتِ کیانی نے پھر وہی قوت پیدا کر لی جو ہرمز پرویز کے زمانہ میں اس کو حاصل تھی۔

رستم نے ابوعبید کے پہنچنے سے پہلے ہی اضلاع فرات میں غدر کرا دیا اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضہ میں آ چکے تھے وہ ان کے قبضہ سے نکل گئے' پوران دخت نے ایک اور

marfat.com

زبردست فوج رستم کی اعانت کے لیے تیار کی اور نرسی و جابان کو سپہ سالار مقرر کیا' یہ دونوں دو راستوں سے روانہ ہوئے' جابان کی فوج نمازق پہنچ کر ابو عبید رضی اللہ عنہ کی فوج سے برسرپیکار ہوئی اور بری طرح شکست کھا کر بھاگی' ایرانی فوج کے مشہور افسر جوشن شاہ اور مردان شاہ مارے گئے جابان گرفتار ہوا' مگر اس حیلہ سے بچ گیا کہ جس شخص نے اس کو گرفتار کیا تھا وہ پہچانتا نہ تھا' جابان نے اس سے کہا کہ میں بڑھاپے میں تمہارے کس کام کا ہوں' معاوضے میں دو غلام لے لو اور مجھے چھوڑ دو' اس نے منظور کر لیا' بعد کو معلوم ہوا کہ یہ جابان تھا' لوگوں نے غل مچایا کہ ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہیے' لیکن ابو عبیدہ نے کہا کہ اسلام میں بدعہدی جائز نہیں۔

ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے جابان کو شکست دینے کے بعد سقاطیہ میں نرسی کی فوج گراں کو بھی شکست دی' اس کا یہ اثر ہوا کہ قرب و جوار کے تمام روسا خود بخود مطیع ہو گئے' نرسی و جابان کی ہزیمت سن کر رستم نے مردان شاہ کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ ابو عبیدہؓ کے مقابلہ میں روانہ کیا' ابو عبید نے فوجی افسروں کے شدید اختلاف کے باوجود فرات سے پار اتر کر غنیم سے نبرد آزمائی کی' چونکہ اس پار کا میدان تنگ اور ناہموار تھا' نیز عربی دلاوروں کے لیے ایران کے کوہ پیکر ہاتھیوں سے یہ پہلا مقابلہ تھا' اس لیے مسلمانوں کو سخت ہزیمت ہوئی اور نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار باقی بچی۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس شکست نے نہایت برافروختہ کیا' انہوں نے اپنے پر جوش خطبوں سے تمام قبائل عرب میں آگ لگا دی۔ ان کے جوش کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ نمر و تغلب کے سرداروں نے جو مذہباً عیسائی تھے اپنے قبائل کے مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی اور کہا کہ آج عرب و عجم کا مقابلہ ہے' اس قومی معرکہ میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں' غرض حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک فوج گراں کے ساتھ جریر بجلی کو میدان رزم کی طرف روانہ کیا' یہاں مثنیٰ نے بھی سرحد کے عربی قبائل کو جوش دلا کر ایک زبردست فوج تیار کر لی تھی۔

پوران دخت نے ان تیاریوں کا حال سنا تو اپنی فوج خاصہ میں سے بارہ ہزار جنگ آزما بہادر منتخب کر کے مہران بن مہرویہ کے ساتھ مجاہدین کے مقابلہ کے لیے روانہ کیے' حیرہ

marfat.com

کے قریب دونوں حریف صف آراء ہوئے' ایک شدید جنگ کے بعد عجمیوں میں بھگدڑ پڑ گئی' مہران بن تغلب ایک نوجوان کے ہاتھ سے مارا گیا' مثنیٰ نے پل کا راستہ روک دیا اور اتنے آدمیوں کو تہ تیغ کیا کہ کشتوں کے پشتے لگ گئے' اس فتح کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقوں میں پھیل گئے۔

حیرہ کے کچھ فاصلہ پر جہاں آج بغداد آباد ہے وہاں اسی زمانہ میں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ مثنیٰ نے عین بازار کے دن حملہ کیا' بازاری جان بچا کر بھاگ گئے اور بے شمار دولت مسلمانوں کے ہاتھ آئی' اسی طرح قرب و جوار کے مقامات میں مسلمانوں کی پیش قدمی شروع ہوگئی۔ سورا' کسکر' صراۃ اور فلالیج وغیرہ پر اسلامی پھریرا لہرانے لگا' پایہ تخت ایران میں یہ خبریں پہنچیں تو ایرانی قوم میں بڑا جوش خروش پیدا ہوگیا' حکومت کا نظام بالکل بدل دیا گیا' پوران دخت معزول کی گئی' یزدگرد جو سولہ سالہ نوجوان اور خاندان کیانی کا تنہا وارث تھا' تخت سلطنت پر بٹھا دیا گیا' اعیان واکابر ملک نے باہم متفق ومتحد ہوکر کام کرنے کا ارادہ کیا' تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیوں کو مستحکم کر دیا گیا' اسی کے ساتھ کوشش کی گئی کہ مسلمانوں کے مفتوحہ مقامات میں بغاوت پھیلائی جائے' ان انتظامات سے سلطنت ایران میں نئی زندگی پیدا ہوگئی اور تمام مفتوحہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے' مثنیٰ مجبور ہوکر عرب کی سرحد میں ہٹ آئے اور ربیعہ اور مضر کے قبائل کو جو اطراف عراق میں پھیلے ہوئے تھے ایک تاریخ معین تک علم اسلامی کے نیچے جمع ہونے کے لیے طلب کیا' نیز دربارِ خلافت کو اہل فارس کی تیاریوں سے مفصل طور پر مطلع کیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایرانیوں کی تیاریوں کا حال سن کر حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ کو جو بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ماموں تھے' بیس ہزار مجاہدین کے ساتھ مہم عراق کی تکمیل پر مامور کیا' اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس میں تقریباً ستر صحابی تھے جو سرور کائنات ؐ کے ساتھ غزوۂ بدر میں جوہر شجاعت دکھا چکے تھے' تین سو وہ تھے جنہیں الرضوان کا شرف حاصل ہو چکا تھا نیز اسی قدر وہ بزرگ تھے جو فتح مکہ میں موجود تھے اور سات سو ایسے تھے جو خود صحابی نہ تھے' لیکن ان کی اولاد

marfat.com

ہونے کا فخر رکھتے تھے۔

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے شراف پہنچ کر پڑاؤ کیا' مثنیٰ آٹھ ہزار آدمیوں کے ساتھ مقام ذی قار میں اس عظیم الشان کمک کا انتظار کر رہے تھے' کہ اس اثناء میں ان کا انتقال ہوگیا' اس لیے ان کے بھائی مغنی شراف آ کر حضرت سعد بن ابی وقاصؓ سے ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے ان سے بیان کیے۔

حضرت عمرؓ نے ایام جاہلیت میں نواح عراق کی سیاحت کی تھی اور وہ اس سرزمین کے چپہ چپہ سے واقف تھے' اس لیے انہوں نے خاص طور پر ہدایت کردی تھی کہ فوج کا جہاں پڑاؤ ہو وہاں کے مفصل حالات لکھ کر آپ کے پاس بھیجے جائیں۔ چنانچہ سعد بن ابی وقاصؓ نے اس مقام کا نقشہ' لشکر کا پھیلاؤ' فرودگاہ کی حالت اور رسد کی کیفیت سے ان کو اطلاع دی' اس کے جواب میں دربار خلافت سے ایک مفصل بیان آیا جس میں فوج کی نقل و حرکت حملہ کا بندوبست' لشکر کی ترتیب اور فوج کی تقسیم کے متعلق ہدایتیں درج تھیں' اسی کے ساتھ حکم دیا گیا کہ شراف سے بڑھ کر قادسیہ کو میدانِ کارزار قرار دیں اور اس طرح مورچے جمائیں کہ فارس کی زمین سامنے ہو اور عرب کا پہاڑ حفاظت کا کام دے۔

حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے دربارِ خلافت کی ہدایت کے مطابق شراف سے بڑھ کر قادسیہ میں مورچہ جمایا اور نعمان بن مقرن کے ساتھ چودہ نامور اشخاص کو منتخب کر کے دربارِ ایران میں سفیر بنا کر بھیجا کہ شاہِ ایران اور اس کے رفقاء کو اسلام کی ترغیب دیں لیکن جو لوگ دولت و حکومت کے نشہ میں مخمور تھے' وہ خانہ بدوش عرب اور ان کے مذہب کو کب خاطر میں لاتے' چنانچہ سفارت گئی اور ناکام واپس آئی۔

اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سے سکوت رہا' رستم ساٹھ ہزار کی فوج کے ساتھ ساباط میں پڑا تھا' اور یزدگرد کی تاکید کے باوجود جنگ سے جی چرا رہا تھا' اور مسلمان آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رسد کے مویشی وغیرہ حاصل کر لاتے تھے' جب اس حالت نے طول کھینچا تو مجبور ہو کر رستم کو مقابلہ کے لیے بڑھنا پڑا' اور ایرانی فوجیں ساباط سے نکل کر قادسیہ کے میدان میں خیمہ زن ہوئیں۔

marfat.com

رستم قادسیہ میں پہنچ کر بھی جنگ کو ٹالنے کی کوشش کرتا رہا اور مدتوں سفراء کی آمد و رفت اور نامہ و پیام کا سلسلہ جاری رکھا' لیکن مسلمانوں کا آخری اور قطعی جواب یہ ہوتا تھا کہ اگر ''اسلام یا جزیہ منظور نہیں ہے تو تلوار سے فیصلہ ہوگا' رستم جب مصالحت کی تمام تدبیروں سے مایوس ہو گیا تو سخت برہم ہوا اور قسم کھا کر کہا ''آفتاب کی قسم! اب میں تمام عربوں کو ویران کر دوں گا''۔

قادسیہ کی فیصلہ کُن جنگ:

اور غضب ناک ہو کر فوج کو کمر بندی کا حکم دے دیا' اور خود تمام رات جنگی تیاریوں میں مصروف رہا' صبح کے وقت قادسیہ کا میدان عجمی سپاہیوں سے آدمیوں کا جنگل نظر آنے لگا جس کے پیچھے پیچھے ہاتھیوں کے کالے کالے پہاڑ عجیب خوفناک سماں پیدا کر رہے تھے۔

دوسری طرف مجاہدین اسلام کا لشکر جرار صف بستہ کھڑا تھا' اللہ اکبر کے نعروں سے جنگ شروع ہوئی' دن بھر ہنگامہ محشر برپا رہا' شام کو جب تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف اپنے اپنے خیموں میں واپس آئے' قادسیہ کا یہ پہلا معرکہ تھا' اور عربی میں اس کو یوم الارماث کہتے ہیں۔

قادسیہ کی دوسری جنگ معرکہ اغواث کے نام سے مشہور ہے اس معرکہ میں مہم شام کی چھ ہزار فوج عین جنگ کے وقت پہنچی اور حضرت عمرؓ کے قاصد بھی جن کے ساتھ بیش قیمت تحائف تھے' عین جنگ کے موقع پر پہنچے اور پکار کر کہا ''امیر المومنین نے یہ انعام ان کے لیے بھیجا ہے جو اس کا حق ادا کریں''۔ اس نے مسلمانوں کے جوش و خروش کو اور بھی بھڑکا دیا' تمام دن جنگ ہوتی رہی' شام تک مسلمان دو ہزار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے' لیکن فتح و شکست کا کچھ فیصلہ نہ ہوا۔

تیسرا معرکہ یوم العماس کے نام سے مشہور ہے' اس میں مسلمانوں نے سب سے پہلے کوہ پیکر ہاتھیوں سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی' کیونکہ ایرانیوں کے مقابلے میں مجاہدین اسلام کو ہمیشہ اس کالی آندھی سے نقصان پہنچا تھا' اگرچہ قعقاع نے اونٹوں پر سیاہ

marfat.com

جھول ڈال کر ہاتھی کا جواب ایجاد کرلیا تھا' تاہم یہ کالے دیو جس طرف جھک پڑتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی' حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے ضخم وسلم وغیرہ پارسی نومسلموں سے اس سیاہ بلا کے متعلق مشورہ طلب کیا' انہوں نے کہا کہ ان کی آنکھیں اور سونڈ بیکار کر دیئے جائیں' سعدؓ نے قعقاعؓ، جمال اور ربیع کو اس خدمت پر مامور کیا- ان لوگوں نے ہاتھیوں کو نرغے میں لے لیا اور برچھے مار مار کر آنکھیں بیکار کر دیں' قعقاع نے آگے بڑھ کر پیل سفید کی سونڈ پر ایسی تلوار ماری کہ مستک الگ ہوگئی' جھرجھری لے کر بھاگا' اس کا بھاگنا تھا کہ تمام ہاتھی اس کے پیچھے ہولیے' اس طرح دم کے دم میں یہ سیاہ بادل چھٹ گیا-

اب بہادروں کو حوصلہ افزائی کا موقع ملا' دن بھر ہنگامہ کارزار گرم رہا' رات کے وقت بھی اس کا سلسلہ جاری رہا اور اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج سے زمین دہل اٹھتی تھی' اسی مناسبت سے اس رات کو لیلۃ الحریر کہتے ہیں' رستم پامردی اور استقلال کے ساتھ مقابلہ کرتا رہا' لیکن آخر میں زخموں سے چور ہو کر بھاگ نکلا اور ایک نہر میں کود پڑا کہ تیر کر نکل جائے گا' بلال نامی ایک مسلمان سپاہی نے تعاقب کیا اور ٹانگیں پکڑ کر نہر سے باہر کھینچ لایا اور تلوار سے کام تمام کر دیا- رستم کی زندگی کے ساتھ سلطنت ایران کی قسمت کا بھی فیصلہ ہوگیا' ایرانی سپاہیوں کے پاؤں اکھڑ گئے' مسلمانوں نے دور تک تعاقب کر کے ہزاروں لاشیں میدان میں بچھا دیں-

قادسیہ کے معرکوں نے خاندانِ کسریٰ کی قسمت کا آخری فیصلہ کر دیا' درفش کاویانی ہمیشہ کے لیے سرنگوں ہوگیا اور اسلامی علم نہایت شان وشوکت کے ساتھ ایران کی سرزمین پر لہرانے لگا' مسلمانوں نے قادسیہ سے بڑھ کر آسانی کے ساتھ بابل' کوثی' بہرہ شیر اور خود نوشیروانی دارالحکومت مدائن پر قبضہ کرلیا' ایرانیوں نے مدائن سے نکل کر جلولاء کو اپنا فوجی مرکز قرار دیا' اس دوران میں رستم کے بھائی خرنداد نے حسن تدبیر سے ایک بڑی زبردست فوج جمع کرلی' سعد نے ہاشم بن عتبہ کو جلولاء کی تسخیر پر مامور کیا' جلولاء چونکہ نہایت مستحکم مقام تھا' اس لیے مہینوں کے محاصرہ کے بعد مفتوح ہوا- یہاں سے قعقاع کی سپردگی میں ایک جمعیت حلوان کی طرف بڑھی اور خسرو شنوم کو شکست ۔ ۔ ۔ شہر پر قابض ہوگیا-

marfat.com

قعقاع رضی اللہ عنہ نے حلوان میں قیام کیا اور عام منادی کرا دی کہ جو لوگ اسلام یا جزیہ قبول کر لیں گے وہ مامون و محفوظ رہیں گے' اس منادی پر بہت سے امراء اور رؤسا برضاو رغبت اسلام میں آ گئے' یہ عراق کی آخری فتح تھی' کیونکہ یہاں اس کی حد ختم ہو جاتی ہے۔

تسخیر عراق کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دلی خواہش تھی کہ جنگ کا سلسلہ منقطع ہو جائے اور وہ فرمایا کرتے تھے کہ ''کاش! ہمارے اور فارس کے درمیان آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھ سکتے''۔ لیکن ایرانیوں کو عراق سے نکل جانے کے بعد کسی طرح چین نہیں آتا تھا' چنانچہ یزدگرد نے معرکہ جلولاء کے بعد مرو کو مرکز بنا کر نئے سرے سے حکومت کے ٹھاٹھ لگائے اور تمام ملک میں فرامین و نقیب بھیج کر لوگوں کو عربوں کی مقاومت پر آمادہ کیا۔

یزدگرد کے فرامین نے تمام ممالک میں آگ لگا دی اور تقریباً ڈیڑھ لاکھ آدمیوں کا ٹڈی دل قم میں آ کر مجتمع ہوا' یزدگرد نے مروان شاہ کو سردار لشکر مقرر کر کے نہاوند کی طرف روانہ کیا' اس معرکہ میں درفش کاویانی' جس کو عجم نہایت متبرک سمجھتے تھے' فال نیک کے خیال سے نکالا گیا اور جب مروان شاہ روانہ ہوا تو یہ مبارک پھریرا اس پر سایہ کرتا جاتا تھا۔

ایرانیوں کی ان تیاریوں کا حال سن کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے نعمان بن مقرن کو تیس ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس ایرانی طوفان کو آگے بڑھنے سے روکنے کا حکم دیا' نہاوند کے قریب دونوں فوجیں سرگرم پیکار ہوئیں اور اس زور کا رن پڑا کہ قادسیہ کے بعد ایسی خون ریز جنگ کوئی نہیں ہوئی تھی' یہاں تک کہ اس جنگ میں خود اسلامی سپہ سالار نعمانؓ شہید ہو گئے' ان کے بعد ان کے بھائی نعیم بن مقرن نے علم ہاتھ میں لے کر بدستور جنگ جاری رکھی اور رات ہوتے ہوتے عجمیوں کے پاؤں اکھڑ گئے' مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا' اس لڑائی میں تقریباً تین ہزار عجمی کھیت رہے' نتائج کے لحاظ سے مسلمانوں نے اس کا نام ''فتح الفتوح'' رکھا' فیروز جس کے ہاتھ سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی شہادت مقدر تھی' اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

marfat.com

عام لشکر کشی:

واقعہ نہاوند کے بعد حضرت عمرؓ کو خیال پیدا ہوا کہ جب تک تخت کیانی کا وارث ایران کی سرزمین پر موجود ہے' بغاوت اور جنگ کا فتنہ فرو نہ ہوگا' اس بنا پر عام لشکر کشی کا ارادہ کیا اور اپنے ہاتھ سے متعدد علم تیار کر کے مشہور افسروں کو دیئے اور انہیں خاص خاص ممالک کی طرف روانہ کیا' چنانچہ ۲۱ھ میں یہ سب غازیانِ اسلام اپنے اپنے متعینہ ممالک کی طرف روانہ ہو گئے' اور نہایت جوش وخروش سے حملہ کر کے تمام ممالک کو اسلام کا زیر نگیں کر دیا اور صرف ڈیڑھ دو برس کے عرصہ میں کسریٰ کی حکومت نیست و نابود ہو گئی۔

خاندانِ کیانی کا آخری تاجدار ایران سے بھاگ کر خاقان کے دربار میں پہنچا' خاقان نے اس کی بڑی عزت وتوقیر کی اور ایک فوج گراں کے ساتھ یزدگرد کو ہمراہ لے کر خراسان کی طرف بڑھا اور خاقان نے احنف بن قیس کے مقابلہ میں صف آرائی کی لیکن صفائی کے دو ہی ہاتھ نے اس کے عزم و استقلال کو متزلزل کر دیا اور اس کے ذہن نشین ہو گیا کہ ایسے بہادروں کو چھیڑنا مصلحت نہیں' چنانچہ اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا اور اپنی حدود میں واپس چلا گیا۔

یزدگرد کو خاقان کے واپس جانے کی خبر ملی تو مایوس ہو کر خزانہ اور جواہرات ساتھ لیے ترکستان کا عزم کیا' درباریوں نے دیکھا کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکلی جاتی ہے تو روکا' اس نے نہ مانا تو مقابلہ کر کے تمام مال و اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا' یزدگرد بے سروسامان خاقان کے پاس پہنچا اور اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے باعث مدتوں فرغانہ کی گلیوں میں خاک چھانتا رہا۔

﴿اَللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ﴾

''خدایا تو ہی ملکوں کا مالک ہے جس کو چاہتا ہے ملک دیتا ہے جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے ساری بھلائیاں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں''۔

marfat.com

احنف نے بارگاہِ خلافت میں نامہ فتح روانہ کیا، حضرت عمر فاروقؓ نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے یہ مژدہ جانفزا سنایا اور ایک مؤثر تقریر کی، آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت برباد ہوگئی اور اب وہ کسی طرح اسلام کو نقصان نہیں پہنچا سکتے، لیکن اگر تم بھی صراطِ مستقیم پر قائم نہ رہے تو خدا تعالیٰ تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کو دے دے گا۔

فتوحاتِ شام

ممالک شام میں سے اجنادین بصریٰ اور دوسرے چھوٹے چھوٹے مقامات عہد صدیقی میں فتح ہو چکے تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے تو دمشق محاصرہ کی حالت میں تھا، خالد سیف اللہ رضی اللہ عنہ نے رجب ۱۴ھ میں اپنے حسن تدبیر سے اس کو مسخر کر لیا۔

رومی دمشق کی شکست سے سخت برہم ہوئے اور ہر طرف سے فوجیں جمع کر کے مقام بیسان میں مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے جمع ہوئے، مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں پڑاؤ ڈالا۔ عیسائیوں کی درخواست پر معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل سفیر بن کر گئے لیکن مصالحت کی کوئی صورت نہ نکلی، آخر کار ذوالقعدہ ۱۴ھ میں فحل کے میدان میں نہایت خونریز معرکے پیش آئے خصوصاً آخری معرکہ نہایت سخت تھا بالآخر یہ میدان بھی مسلمانوں کے ہاتھ میں رہا[1] غنیم کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان اُردن کے تمام شہر اور مقامات پر قابض ہو گئے، رعایا ذمی قرار دی گئی اور ہر جگہ اعلان کر دیا گیا کہ ''مقتولین کی جان و مال، زمین، مکانات، گرجے اور عبادت گاہیں سب محفوظ ہیں''۔

دمشق اور اردن مفتوح ہو جانے کے بعد مسلمانوں نے حمص کا رخ کیا، راہ میں بعلبک، حماۃ، شیراز اور معرۃ النعمان فتح کرتے ہوئے حمص پہنچے اور اس کا محاصرہ کر لیا۔ حمص والوں نے ایک مدت تک مدافعت کرنے کے بعد مصالحت کر لی، سپہ سالار اعظم ابوعبیدہؓ نے عبادہؓ ابن صامت کو وہاں متعین کر کے لاذقیہ کا رخ کیا اور ایک خاص تدبیر سے اس کے مستحکم قلعوں پر قبضہ کر لیا۔

---

1 طبری ص ۲۱۵۸

marfat.com

حمص کی فتح کے بعد اسلامی فوجوں نے ہرقل کے پایہ تخت انطاکیہ کا رخ کیا لیکن بارگاہِ خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے اس لیے فوجیں واپس آ گئیں۔[1]

میدانِ یرموک اور شام کی قسمت کا فیصلہ:

دمشق، حمص اور لاذقیہ کی پیہم اور متواتر ہزیمتوں نے قیصر کو سخت برہم کر دیا اور وہ نہایت جوش و خروش کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلہ کے لیے اپنی شہنشاہی کا پورا زور صرف کرنے پر آمادہ ہو گیا' اور انطاکیہ میں فوجوں کا ایک طوفان امنڈ آیا' حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے اس طوفان کو روکنے کے لیے افسروں کے مشورہ سے تمام ممالک مفتوحہ کو خالی کر کے دمشق میں اپنی قوت مجتمع کی اور ذمیوں سے جو کچھ جزیہ وصول کیا گیا تھا' سب واپس کر دیا گیا،[2] کیونکہ اب مسلمان ان کی حفاظت کرنے سے مجبور تھے' اس واقعہ کا عیسائیوں اور یہودیوں پر اس قدر اثر ہوا کہ وہ روتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے تھے کہ خدا تم کو جلد واپس لائے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مفتوحہ مقامات سے مسلمانوں کے ہٹ آنے کی خبر ملی تو پہلے وہ بہت رنجیدہ ہوئے لیکن جب معلوم ہوا کہ تمام افسروں کی یہی رائے تھی تو فی الجملہ تسلی ہو گئی اور فرمایا خدا کی اسی میں مصلحت ہو گی' سعید بن عامر کو ایک ہزار کی جمعیت کے ساتھ مدد کے لیے روانہ کیا اور قاصد کو ہدایت کی کہ خود ایک ایک صف میں جا کر زبانی یہ پیغام پہنچانا:

الا عمر یقرئک الاسلام و یقول لکم یا اھل السلام اصدقوا اللقاء و شدوا علیھم شد اللیوث و لیکونوا اھون علیکم من الذر فانا قد علمنا انکم علیھم منصورون.[3]

اردن کی حدود میں یرموک کا میدان ضروریات جنگ کے لحاظ سے نہایت باموقع تھا'

---

[1] فتوح الشام ازدی ص ۱۳۱۔ [2] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف ص ۲۱۔

[3] ترجمہ: ''اے برادرانِ اسلام! عمرؓ نے بعد سلام کے تم کو یہ پیغام دیا ہے کہ پوری سرگرمی کے ساتھ جنگ کرو اور دشمنوں پر شیروں کی طرح اس طرح حملہ آور ہو کہ وہ تم کو چیونٹیوں سے زیادہ حقیر معلوم ہوں' ہم کو یقین کامل ہے کہ خدا کی نصرت تمہارے ساتھ ہے اور آخر فتح تمہارے ہاتھ ہے''۔

marfat.com

اس لیے اس اہم معرکہ کے لیے اسی میدان کو منتخب کیا گیا' رومیوں کی تعداد دو لاکھ تھی' اس کے مقابلہ میں مسلمانوں کی تعداد صرف تیس بتیس ہزار تھی' لیکن سب کے سب یگانہ روزگار تھے' اس فوج کی اہمیت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ تقریباً ایک ہزار ایسے بزرگ تھے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا جمال مبارک دیکھا تھا' سو وہ تھے جو غزوہ بدر میں حضور خیر الانام ﷺ کے ہمرکاب رہ چکے تھے' عام مجاہدین بھی ایسے قبائل سے تعلق رکھتے تھے جو اپنی شجاعت اور سپہ گری میں نظیر نہیں رکھتے تھے۔

یرموک کا پہلا معرکہ بے نتیجہ رہا' پانچویں رجب ۱۵ھ کو دوسرا معرکہ پیش آیا' رومیوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تیس ہزار آدمیوں نے پاؤں میں بیڑیاں پہن لی تھیں کہ بھاگنے کا خیال تک نہ آئے' ہزاروں پادری اور بشپ ہاتھوں میں صلیب لیے آگے آگے تھے' اور حضرت عیسیٰ کا نام لے کر جوش دلاتے تھے' اس جوش واہتمام کے ساتھ رومیوں نے حملہ کیا' فریقین میں بڑی خونریز جنگ ہوئی' لیکن انجام کار مسلمانوں کی ثابت قدمی اور پامردی کے آگے ان کے پاؤں اکھڑ گئے' تقریباً ایک لاکھ عیسائی کھیت رہے اور مسلمان کل تین ہزار کام آئے قیصر کو اس ہزیمت کی خبر ملی تو حسرت و افسوس کے ساتھ شام کو الوداع کہہ کر قسطنطنیہ کی طرف روانہ ہوگیا۔[1] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے مژدۂ فتح سنا تو اسی وقت سجدہ میں گر کر خدا کا شکر ادا کیا۔

فتح یرموک کے بعد اسلامی فوجیں تمام اطراف ملک میں پھیل گئیں اور قنسرین' انطاکیہ' جومہ' سرمین' توزی' قورس' تل عزاز' دلوک' رعیان وغیرہ چھوٹے چھوٹے مقامات نہایت آسانی کے ساتھ فتح ہوگئے۔

بیت المقدس:

فلسطین کی مہم پر حضرت عمرو بن العاص مامور ہوئے تھے' انہوں نے نابلس' لد' عمواس' بیت جبرین وغیرہ پر قبضہ کر کے ۱۶ھ میں بیت المقدس کا محاصرہ کیا' اس اثناء میں حضرت ابوعبیدہ بھی اس مہم سے فارغ ہوکر ان سے مل گئے' بیت المقدس کے عیسائیوں نے کچھ دنوں کی مدافعت کے

[1] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۳' واقعات کی تفصیل ازدی سے ماخوذ ہے۔

mafat.com

بعد مصالحت پر آمادگی ظاہر کی اور اپنے اطمینان کے لیے یہ خواہش ظاہر کی کہ امیر المومنین خود یہاں آ کر اپنے ہاتھ سے معاہدہ لکھیں' حضرت عمرؓ کو اس کی خبر دی گئی۔ انہوں نے اکابر صحابہ سے مشورہ کر کے حضرت علیؓ کو نائب مقرر کیا اور رجب ۱۶ھ میں مدینہ سے روانہ ہوئے۔[1]

بیت المقدس کا سفر:

حضرت عمرؓ کا یہ سفر نہایت سادگی سے ہوا' مقام جابیہ میں افسروں نے استقبال کیا اور دیر تک قیام کر کے بیت المقدس کا معاہدۂ صلح ترتیب دیا' پھر وہاں سے روانہ ہو کر بیت المقدس میں داخل ہوئے پہلے مسجد میں تشریف لے گئے' پھر عیسائیوں کے گرجا کی سیر کی' نماز کا وقت ہوا تو عیسائیوں نے گرجا میں نماز پڑھنے کی اجازت دی' لیکن حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ آئندہ نسلیں اس کو حجت قرار دے کر مسیحی معبدوں میں دست اندازی نہ کریں' باہر نکل کر نماز پڑھی۔[2] بیت المقدس سے واپسی کے وقت حضرت عمرؓ نے تمام ملک کا دورہ کیا' سرحدوں کا معائنہ کر کے ملک کی حفاظت کا انتظام کیا اور بخیر وخوبی مدینہ واپس تشریف لائے۔

متفرق معرکے اور فتوحات:

بیت المقدس کی فتح کے بعد بھی متفرق معرکے پیش آئے' اہل جزیرہ کی مستعدی اور ہرقل کی اعانت سے عیسائیوں نے دوبارہ حمص پر قبضہ کی کوشش کی لیکن ناکام رہے' فلسطین کے اضلاع میں قیساریہ نہایت آباد اور پر رونق شہر تھا ۱۳ھ میں عمرو بن العاص نے اس پر چڑھائی کی' ۱۸ھ تک متواتر حملوں کے باوجود فتح نہ ہو سکا' آخر ۱۸ھ کے اخیر میں امیر معاویہؓ نے ایک یہودی کی مدد سے قلعہ پر قبضہ کر لیا اور شہر پر اسلامی پرچم لہرانے لگا' جزیرہ پر ۱۶ھ میں عبداللہ بن المغنم نے فوج کشی کی' تکریت کا ایک مہینہ تک محاصرہ رہا اور چوبیس دفعہ حملے ہوئے' آخر میں حسن تدبیر سے مسخر ہوا' باقی علاقوں کو عیاض بن غنم نے فتح کیا' اسی طرح ۱۶ھ میں مغیرہ بن شعبہ نے خوزستان پر حملہ کیا' ۱۷ھ میں وہ معزول ہوئے اور ان کی جگہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ مقرر ہوئے' انہوں نے نئے سروسامان سے حملہ کیا' اور اہواز' مناذر' سوس' رامہرز کو فتح کرتے ہوئے خوزستان کے صدر مقام شوستر کا رخ کیا۔ یہ نہایت مستحکم اور

---

[1] طبری ص ۲۴۰۴ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۱۴۷

marfat.com

قلعہ بند مقام تھا' لیکن ایک شخص کی راہنمائی سے مسلمانوں نے تہ خانہ کی راہ سے گھس کر اس کو مسخر کر لیا' یہاں کا سردار ہرمزان گرفتار کر کے مدینہ بھیجا گیا' وہاں پہنچ کر اس نے اسلام قبول کر لیا[1]، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نہایت خوش ہوئے' خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی اور دو ہزار سالانہ مقرر کر دیا۔

فتوحات مصر:

حضرت عمروؓ بن العاص نے بہ اصرار فاروق اعظمؓ سے اجازت لے کر چار ہزار فوج کے ساتھ مصر پر حملہ کیا اور فرما' بلبیس' اورام دنین وغیرہ کو فتح کرتے ہوئے فسطاط کے قلعہ کا محاصرہ کر لیا' اور حضرت عمرؓ کو امدادی فوج کے لیے لکھا' انہوں نے دس ہزار فوج اور چار افسر بھیجے' زبیرؓ بن العوام' عبادہؓ بن الصامت' مقدادؓ بن عمرؓ' سلمہؓ بن مخلد' حضرت عمرو بن العاصؓ نے حضرت زبیرؓ کو ان کے رتبہ کے لحاظ سے افسر بنایا' سات مہینے کے بعد حضرت زبیر کی غیر معمولی شجاعت سے قلعہ مسخر ہوا اور وہاں سے فوجیں اسکندریہ کی طرف بڑھیں' مقام کریوں میں ایک سخت جنگ ہوئی' یہاں بھی عیسائیوں کو شکست ہوئی اور مسلمانوں نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا اور چند دنوں کے محاصرہ کے بعد اس کو بھی فتح کر لیا' حضرت عمرؓ نے مژدہ فتح سنا تو سجدہ میں گر پڑے اور خدا کا شکر ادا کیا۔[2]

فتح اسکندریہ کے بعد تمام مصر پر اسلام کا سکہ بیٹھ گیا اور بہت سے قبطی برضا و رغبت حلقہ بگوش اسلام ہوئے۔

شہادت:

مغیرہ بن شعبہ کے ایک پارسی غلام فیروز نامی نے جس کی کنیت ابولولوتھی' حضرت عمرؓ سے اپنے آقا کے بھاری محصول مقرر کرنے کی شکایت کی' شکایت بے جا تھی اس لیے حضرت عمرؓ نے توجہ نہ کی' اس پر وہ اتنا ناراض ہوا کہ صبح کی نماز میں خنجر لے کر اچانک حملہ کر دیا اور متواتر چھ وار کیے' حضرت عمرؓ زخم کے صدمے سے گر پڑے' اور حضرت عبدالرحمٰن بن

---

[1] عقد الفرید ابن عبد ربہ باب المکایدہ فی الحرب۔

[2] مقریزی ص ۲۶۷

عوفؓ نے نماز پڑھائی۔[1]

یہ ایسا زخم کاری تھا کہ اس سے آپ جانبر نہ ہو سکے لوگوں کے اصرار سے چھ اشخاص کو منصب خلافت کے لیے نامزد کیا کہ ان میں سے کسی ایک کو جس پر باقی پانچوں کا اتفاق ہو جائے اس منصب کے لیے منتخب کر لیا جائے ان لوگوں کے نام یہ ہیں علیؓ، عثمانؓ، زبیرؓ، طلحہؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، اس مرحلہ سے فارغ ہونے کے بعد حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے پہلو میں دفن ہونے کی اجازت لی۔[2]

اس کے بعد مہاجرین انصار اعراب اور اہل ذمہ کے حقوق کی طرف توجہ دلائی اور اپنے صاحبزادے عبداللہ کو وصیت کی کہ مجھ پر جس قدر قرض ہو اگر وہ میرے متروکہ مال سے ادا ہو سکے تو بہتر ہے ورنہ خاندانِ عدی سے درخواست کرنا اور اگر ان سے نہ ہو سکے تو کل قریش سے لیکن قریش کے سوا اور کسی کو تکلیف نہ دینا غرض اسلام کا سب سے بڑا ہیرو ہر قسم کی ضروری وصیتوں کے بعد تین دن بیمار رہ کر محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن ۲۴ھ میں واصل بحق ہوا اور اپنے محبوب آقا کے پہلو میں ہمیشہ کے لیے میٹھی نیند سو رہا۔

ازواج و اولاد:

حضرت عمرؓ نے مختلف اوقات میں متعدد نکاح کیے ان کی ازواج کی تفصیل یہ ہے:

زینب ہمشیرہ عثمانؓ بن مظعون: مکہ میں مسلمان ہو کر مریں۔

قریبہ بنت امیۃ المخزومی: مشرکہ ہونے کے باعث انہیں طلاق دے دی تھی۔

ملیکہ بنت جرول: مشرکہ ہونے کی وجہ سے ان کو بھی طلاق دے دی۔

عاتکہ بنت زید: ان کو بھی طلاق دے دی۔

عاتکہ بنت زید: ان کا نکاح پہلے عبداللہ بن ابی بکرؓ سے ہوا تھا پھر حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں۔

ام کلثومؓ: رسول اللہ ﷺ کی نواسی اور حضرت فاطمہؓ کی نور دیدہ تھیں حضرت عمرؓ نے خاندان نبوت سے تعلق پیدا کرنے کے لیے ۱۷ھ میں چالیس ہزار مہر پر نکاح کیا۔

---

[1] مستدرک ج ۱ ص ۹۱۔ [2] ایضاً ص ۹۱، ۹۳

marfat.com

حضرت عمرؓ کی اولاد میں حضرت حفصہؓ اس لحاظ سے سب سے ممتاز ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ازواج مطہرات میں داخل تھیں' حضرت عمرؓ نے اپنی کنیت بھی ان ہی کے نام پر رکھی تھی۔

اولاد مذکور کے نام یہ ہیں: عبداللہ' عاصمؓ' ابوشحمہ' عبدالرحمٰن' زید' مجیر' ان سب میں عبداللہ' عبیداللہ اور عاصم اپنے علم و فضل اور مخصوص اوصاف کے لحاظ سے نہایت مشہور ہیں۔[1]

فاروقی کارنامے

فتوحات پر اجمالی نظر:

فتوحات کی جو تفصیل اوپر گذر چکی ہے اس سے تم کو معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمانوں نے اپنے جوش' ثبات اور استقلال کے باعث حضرت عمرؓ کے دس سالہ عہد خلافت میں روم و ایران کی عظیم الشان حکومتوں کا تختہ الٹ دیا' لیکن کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ چند صحرا نشینوں نے اس قدر قلیل مدت میں ایسا عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیا ہو؟ بے شبہ سکندر' چنگیز اور تیمور نے تمام عالم کو تہ و بالا کر دیا لیکن ان کے فتوحات کو فاروقِ اعظم کی کشورستانی سے کوئی مناسبت نہیں' وہ لوگ ایک طوفان کی طرح اٹھے اور ظلم و خونریزی کے مناظر دکھاتے ہوئے ایک طرف سے دوسری طرف کو گزر گئے' چنگیز اور تیمور کا حال تو سب کو معلوم ہے' سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ اس نے ملک شام میں شہر صور فتح کیا تو ایک ہزار شہریوں کے سر کاٹ کر شہر پناہ کی دیوار پر لٹکا دیئے اور تیس ہزار بے گناہ مخلوق کو لونڈی غلام بنا کر بیچ ڈالا' اسی طرح ایران میں اصطخر کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کرا دیا' برخلاف اس کے حضرت عمرؓ کے فتوحات میں ایک واقعہ بھی ظلم و تعدی کا نہیں ملتا' فوج کو خاص طور پر ہدایت تھی کہ بچوں' بوڑھوں' عورتوں سے مطلق تعرض نہ کیا جائے' قتل عام تو ایک طرف' ہرے بھرے درختوں تک کاٹنے کی اجازت نہ تھی' مسلمان حکام مفتوحہ اقوام کے ساتھ ایسا عدل و انصاف کرتے تھے اور اس طرح اخلاق سے پیش آتے تھے کہ تمام رعایا ان کی گرویدہ ہو جاتی اور اسلامی حکومت کو خدا کی رحمت تصور کرتی تھی' صرف یہی نہیں بلکہ وہ لوگ جوشِ امتنان میں مسلمانوں کی

[1] طبقات ابن سعد تذکرہ عمر بن الخطابؓ۔

marfat.com

اعانت و مساعدت سے دریغ نہیں کرتے تھے' فتوحاتِ شام میں خود شامیوں نے جاسوسی اور خبر رسانی کی خدمات انجام دیں[1] حملہ مصر میں قبطیوں نے سفر مینا کا کام کیا[2] اسی طرح عراق میں عجمیوں نے اسلامی لشکر کے لیے پل بندھوائے اور غنیم کے راز سے مطلع کر کے نہایت گرانقدر خدمات انجام دیں۔ ان حالات کی موجودگی میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں سکندر اور چنگیز جیسے سفاکوں کا نام لینا کس قدر بے موقع ہے' سکندر اور چنگیز کی سفاکیاں فوری فتوحات کے لیے مفید ثابت ہوئیں' لیکن جس سلطنت کی بنیاد ظلم و تعدی پر ہوتی ہے وہ کبھی دیرپا نہیں ہو سکتی' چنانچہ ان لوگوں کی سلطنتیں بھی نقش بر آب ثابت ہوئیں' اس کے برخلاف فاروق اعظمؓ نے جو وسیع سلطنت قائم کی اس کی بنیاد عدل و انصاف اور مسالمت پر قائم ہوئی تھی اس لیے وہ آج تیرہ سو برس کے بعد بھی اسی طرح ان کے جانشینوں کے قبضہ اقتدار میں موجود ہے۔

یورپین مؤرخین عہد فاروقی کے اس بدیع المثال کارنامے کی اہمیت کم کرنے کے لیے بیان کرتے ہیں کہ اس وقت فارس و روم کی دونوں سلطنتیں طوائف الملوکی اور مسلسل بدنظمیوں کے باعث اوجِ اقبال سے گزر چکی تھیں' لیکن سوال یہ ہے کہ کیا دنیا کی ایسی زبردست سلطنتیں بادشاہوں کے ادل بدل اور معمولی اختلاف سے اس درجہ کمزور ہوگئی تھیں کہ روم و ایران میں قسطنطین اعظم خسرو پرویز کا جاہ و جلال نہ تھا' تاہم ان سلطنتوں کا عرب جیسی بے سروسامان قوم سے ٹکرا کر پرزے پرزے ہو جانا دنیا کا عجیب و غریب واقعہ ہے اور ہم کو اس کا راز ان سلطنتوں کی کمزوری میں نہیں بلکہ اسلامی نظام خلافت اور خلیفہ وقت کے طرزِ عمل میں تلاش کرنا چاہیے۔

نظام خلافت

اسلام میں خلافت کا سلسلہ گو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے عہد سے شروع ہوا اور ان کے قلیل زمانہ خلافت میں بھی بڑے بڑے کام انجام پائے لیکن منظم اور باقاعدہ حکومت کا آغاز حضرت عمرؓ کے عہد سے ہوا' انہوں نے نہ صرف قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتوں کو اسلام کے

---

[1] بلاذری ص ۱۲۸ [2] ایضاً

marfat.com

ممالک محروسہ میں شامل کیا' بلکہ حکومت و سلطنت کا باقاعدہ نظام بھی قائم کیا اور اس کو اس قدر ترقی دی کہ حکومت کے جس قدر ضروری شعبے ہیں سب ان کے عہد میں وجود پذیر ہو چکے تھے' لیکن قبل اس کے کہ ہم نظام حکومت کی تفصیل بیان کریں یہ بتانا ضروری ہے کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟۔

حضرت عمرؓ کی خلافت جمہوری طرزِ حکومت سے مشابہ تھی یعنی تمام ملکی و قومی مسائل مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پاتے تھے' اس مجلس میں مہاجرینؓ و انصارؓ کے منتخب اور اکابر اہل الرائے شریک ہوتے تھے اور بحث و مباحثہ کے بعد اتفاق آراء یا کثرتِ رائے سے تمام امور کا فیصلہ کرتے تھے' مجلس کے ممتاز اور مشہور ارکان یہ ہیں:

حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت معاذؓ بن جبل' حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت۔[1] (رضی اللہ عنہم اجمعین)

مجلس شوریٰ کے علاوہ ایک مجلس عام بھی تھی جس میں مہاجرین و انصار کے علاوہ تمام سرداران قبائل شریک ہوتے تھے' یہ مجلس نہایت اہم امور کے پیش آنے پر طلب کی جاتی تھی' ورنہ روز مرہ کے کاروبار میں مجلس شوریٰ کا فیصلہ کافی ہوتا تھا' ان دونوں مجلسوں کے سوا ایک تیسری مجلس بھی تھی' جس کو ہم مجلس خاص کہتے ہیں اس میں صرف مہاجرین صحابہؓ شریک ہوتے تھے۔[2]

مجلس شوریٰ کے انعقاد کا عام طریقہ یہ تھا کہ منادی ''الصلوٰۃ الجامعۃ'' کا اعلان کرتا تھا' لوگ مسجد میں جمع ہو جاتے تھے' تو حضرت عمرؓ دو رکعت نماز پڑھ کر مسئلہ بحث طلب کے متعلق مفصل خطبہ دیتے تھے' اس کے بعد ہر ایک کی رائے دریافت کرتے تھے۔[3]

جمہوری حکومت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور اپنی رائے کے اعلانیہ اظہار کا موقع دیا جائے حاکم کے اختیارات محدود ہوں اور اس کے طریق عمل پر ہر شخص کو نکتہ چینی کا حق ہو' حضرت عمرؓ کی خلافت ان تمام امور کی جامع تھی' ہر شخص آزادی کے ساتھ

---

[1] کنز العمال ج ۳ ص ۱۳۴ [2] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۶
[3] تاریخ طبری ص ۲۵۷۴

marfat.com

اپنے حقوق کا مطالبہ کرتا تھا' اور خلیفہ وقت کے اختیارات کے متعلق خود حضرت عمرؓ نے متعدد موقعوں پر تصریح کر دی تھی کہ حکومت کے لحاظ سے ان کی کیا حیثیت ہے' نمونہ کے لیے ایک تقریر کے چند فقرے درج ذیل ہیں:

انما انا و لكم كولي اليتيم ان استغيث استعففت و ان افتقرت اكلت بالمعروف لكم علي ايها الناس خصال فخذوني بها لكم علي ان لا اجتبي شيئًا من خراجكم و مما افاء الله عليكم الا من وجهه لكم علي اذا وقع في يدي ان لا يخرج مني الا في حقه و ما لكم ان اريد في اعطياتكم و اسد ثغوركم و لكم علي ان لا القيكم في المهالك[1]

''مجھ کو تمہارے مال میں اسی طرح حق ہے جس طرح یتیم کے مال میں اس کے مربی کا ہوتا ہے' اگر میں دولت مند ہوں گا تو کچھ نہ لوں گا اور اگر صاحب حاجت ہوں گا تو اندازہ سے کھانے کے لیے لوں گا' صاحبو! میرے اوپر تمہارے متعدد حقوق ہیں جن کا تم کو مجھ سے مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا خراج اور مال غنیمت بے جا طور پر صرف نہ ہونے پائے' ایک یہ کہ تمہارے روزینے بڑھاؤں اور تمہاری سرحدوں کو محفوظ رکھوں اور یہ کہ تم کو خطروں میں نہ ڈالوں''۔

مذکورہ بالا تقریر صرف دلفریب خیالات کی نمائش نہ تھی بلکہ حضرت عمرؓ نہایت سختی کے ساتھ اس پر عامل بھی تھے' واقعات اس کی حرف بحرف تصدیق کرتے ہیں' ایک دفعہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا آپ کی صاحبزادی اور رسول اللہ ﷺ کی زوجہ مطہرہ یہ خبر سن کر کہ مال غنیمت آیا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور کہا امیر المومنین! میں ذوالقربیٰ میں سے ہوں اس لئے اس مال میں سے مجھ کو بھی عنایت کیجئے' حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ بیشک تم میرے خاص مال میں حق رکھتی ہو لیکن یہ تو عام مسلمانوں کا مال ہے' افسوس ہے کہ تم نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا' وہ بیچاری خفیف ہو کر چلی گئیں۔[2]

ایک دفعہ خود بیمار پڑے' لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا' بیت المال میں شہد موجود

---

[1] کتاب الخراج ص ۶۷۔ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰

marfat.com

تھا، لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے' مسجد نبوی میں جا کر لوگوں سے کہا کہ "اگر آپ اجازت دیں تو تھوڑا سا شہد لے لوں"۔[1]

ان چھوٹی چھوٹی باتوں میں جب حضرت عمرؓ کی احتیاط کا یہ حال تھا تو ظاہر ہے کہ مہمات امور میں وہ کس قدر محتاط ہوں گے۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کو احکام پر نکتہ چینی کرنے کی ایسی عام آزادی دی تھی کہ معمولی سے معمولی آدمیوں کو خود خلیفۂ وقت پر اعتراض کرنے میں باک نہیں ہوتا تھا' ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے کہا "اتق اللہ یا عمر"[2] اے عمرؓ! خدا سے ڈر' حاضرین میں سے ایک شخص نے اس کو روکنا چاہا' حضرت عمرؓ نے فرمایا "نہیں کہنے دو' اگر یہ لوگ نہ کہیں گے تو یہ بے مصرف ہیں اور ہم نہ مانیں تو ہم"۔ یہ آزادی صرف مردوں تک محدود نہ تھی' بلکہ عورتیں بھی مردوں کے قدم بہ قدم تھیں۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ مہر کی مقدار کے متعلق تقریر فرما رہے تھے' ایک عورت نے اثنائے تقریر ٹوک دیا اور کہا "اتق اللہ یا عمر" یعنی اے عمر! خدا سے ڈر! اس کا اعتراض صحیح تھا' حضرت عمرؓ نے اعتراف کے طور پر کہا کہ ایک عورت بھی عمرؓ سے زیادہ جانتی ہے' حقیقت یہ ہے کہ آزادی اور مساوات کی یہی عام ہوا تھی' جس نے حضرت عمرؓ کی خلافت کو اس درجہ کامیاب کیا اور مسلمانوں کو جوش استقلال اور عزم و ثبات کا مجسم پتلا بنا دیا۔

خلافتِ فاروقی کی ترکیب اور ساخت بیان کرنے کے بعد اب ہم انتظامات ملکی کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور دکھانا چاہتے ہیں کہ فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد مبارک میں خلافت اسلامیہ کو کس درجہ منتظم اور باقاعدہ بنا دیا تھا اور کس طرح حکومت کی ہر شاخ کو مستقل محکمہ کی صورت میں قائم کر دیا تھا۔

نظامِ حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلا کام ملک کا صوبوں اور ضلعوں میں تقسیم ہے' اسلام میں سب سے پہلے حضرت عمرؓ نے اس کی ابتداء کی اور تمام ممالک مفتوحہ کو آٹھ صوبوں پر تقسیم کیا' مکہ' مدینہ' شام' جزیرہ' بصرہ' کوفہ' مصر' فلسطین' ان صوبوں کے علاوہ تین

---

[1] ایضاً ص ۳۵۳۔ [2] کتاب الخراج ص ۷

marfat.com

صوبے اور تھے' خراسان' آذربائیجان' فارس' ہر صوبہ میں درج ذیل بڑے بڑے عہدہ دار رہتے تھے' والی یعنی حاکم صوبہ' کاتب یعنی میر منشی' کاتب دیوان' یعنی فوجی محکمہ کا میر منشی' صاحب الخراج یعنی کلکٹر' صاحب احداث یعنی افسر پولیس' صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ' قاضی یعنی جج' چنانچہ کوفہ میں عمار بن یاسرؓ والی' عثمان بن حنیف کلکٹر عبداللہ ابن مسعودؓ افسر خزانہ' شریح' قاضی' اور عبداللہ بن خزاعی کاتب دیوان تھے۔[1]

بڑے بڑے عہدہ داروں کا انتخاب عموماً مجلس شوریٰ میں ہوتا تھا' حضرت عمرؓ کسی لائق راست باز اور متدین شخص کا نام پیش کرتے تھے اور چونکہ حضرت عمرؓ میں جوہر شناسی کا مادہ فطرتاً تھا اس لیے ارباب مجلس عموماً ان کے حسن انتخاب کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے تھے اور اس شخص کے تقرر پر اتفاق رائے کر لیتے تھے' چنانچہ نہاوند کی عظیم الشان مہم کے لیے نعمان ابن مقرن کا اسی طریقہ سے انتخاب ہوا تھا۔[2]

احتساب:

خلیفہ وقت کا سب سے بڑا فرض حکام کی نگرانی اور قوم کے اخلاق و عادات کی حفاظت ہے' حضرت عمرؓ اس فرض کو نہایت اہتمام کے ساتھ انجام دیتے تھے' وہ اپنے ہر عامل سے عہد لیتے تھے کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا' باریک کپڑے نہ پہنے گا' چھنا ہوا آٹا نہ کھائے گا' دروازہ پر دربان نہ رکھے گا' اہل حاجت کے لیے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا'[3] اسی کے ساتھ اس کے مال و اسباب کی فہرست تیار کرا کے محفوظ رکھتے تھے' اور جب کسی عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی اضافہ کا علم ہوتا تھا' تو جائزہ لے کر آدھا مال بٹا لیتے تھے'[4] اور بیت المال میں داخل کر دیتے تھے' ایک دفعہ بہت سے عمال اس بلا میں مبتلا ہوئے' خالد بن صعق نے اشعار کے ذریعہ سے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی' انہوں نے سب کی املاک کا جائزہ لے کر آدھا آدھا مال بٹا لیا اور بیت المال میں داخل کر لیا۔

موسم حج میں اعلان عام تھا کہ جس عامل سے کسی کو شکایت ہو وہ فوراً بارگاہِ خلافت

---

[1] طبری ص ۲۶۴۱۔ [2] استیعاب تذکرہ نعمان۔ [3] طبری ص ۲۷۴۷

[4] فتوح البلدان ص ۲۱۹

marfat.com

میں پیش کرے[1] چنانچہ ذرا ذرا سی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات کے بعد اس کا تدارک کیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ ایک شخص نے شکایت کی کہ آپ کے فلاں عامل نے مجھ کو بے قصور کوڑے مارے ہیں' حضرت عمرؓ نے مستغیث کو حکم دیا کہ وہ مجمع عام میں اس عامل کو کوڑے لگائے۔ حضرت عمروؓ بن العاص نے التجا کی کہ عمال پر یہ امر گراں ہوگا' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ نہیں ہوسکتا ہے کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں' عمروؓ بن العاص نے منت سماجت کر کے مستغیث کو راضی کیا کہ ایک ایک تازیانے کے عوض دو دو اشرفیاں لے کر اپنے حق سے باز آئے۔[2]

حضرت خالد سیف اللہ جو اپنی جانبازی اور شجاعت کے لحاظ سے تاجِ اسلام کے گوہر شاہوار اور اپنے زمانہ کے نہایت ذی عزت اور صاحب اثر بزرگ تھے محض اس لیے معزول کر دیئے گئے کہ انہوں نے ایک شخص کو انعام دیا تھا' حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی' تو انہوں نے حضرت ابوعبیدہ سپہ سالارِ اعظم کو لکھا کہ خالد نے یہ انعام اپنی گرہ سے دیا تو اسراف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی' دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔[3]

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ جو بصرہ کے گورنر تھے' شکایتیں گذریں کہ انہوں نے اسیران جنگ میں سے ساٹھ رئیس زادے منتخب کر کے اپنے لیے رکھ چھوڑے ہیں' اور کاروبارِ حکومت زیاد بن سفیان کے سپرد کر رکھا ہے اور یہ کہ ان کے پاس ایک لونڈی ہے جس کو نہایت اعلیٰ درجہ کی غذا بہم پہنچائی جاتی ہے' جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں آ سکتی' حضرت عمرؓ نے ابوموسیٰ اشعری سے مؤاخذہ کیا تو انہوں نے دو اعتراضوں کا جواب تشفی بخش دیا' لیکن تیسری شکایت کا کچھ جواب نہ دے سکے چنانچہ لونڈی ان کے پاس سے لے لی گئی۔[4]

حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں ایک محل تعمیر کرایا جس میں ڈیوڑھی بھی تھی' حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگا' محمدؓ بن مسلمہ کو حکم دیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں' چنانچہ اس حکم کی تعمیل ہوئی اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ خاموشی سے

---

[1] تاریخ طبری ص ۲۶۸۔ [2] کتاب الخراج ص ۶۶

[3] ابن اثیر ج ۲ ص ۴۱۸ [4] طبری ص ۲۷۱،۱۲

marfat.com

دیکھتے رہے۔[1]

عیاض بن غنم عامل مصر کی نسبت شکایت پہنچی کہ وہ باریک کپڑے پہنتے ہیں اور ان کے دروازہ پر دربان مقرر ہے' حضرت عمرؓ نے محمد بن مسلمہ ؓ کو تحقیقات پر مامور کیا' محمد بن مسلمہؓ نے مصر پہنچ کر دیکھا تو واقعی دروازہ پر دربان تھا اور عیاضؓ باریک کپڑے پہنے ہوئے تھے' اسی ہیئت اور لباس کے ساتھ لے کر مدینہ آئے' حضرت عمرؓ نے ان کا باریک کپڑا اتروادیا اور بالوں کا کرتہ پہنا کر جنگل میں بکریاں چرانے کا حکم دیا' عیاض ؓ کو انکار کی مجال نہ تھی' مگر بار بار کہتے تھے اس سے مرجانا بہتر ہے' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ تو تمہارا آبائی پیشہ ہے' اس میں عار کیوں ہے؟ عیاضؓ نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ رہے اپنے فرائض نہایت خوش اسلوبی سے انجام دیتے رہے۔[2]

حکام کے علاوہ عام مسلمانوں کی اخلاقی اور مذہبی نگرانی کا خاص اہتمام تھا' حضرت عمرؓ جس طرح خود اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھے' چاہتے تھے کہ اسی طرح تمام قوم مکارم اخلاق سے آراستہ ہو جائے' انہوں نے عرب جیسی فخار قوم سے فخر و غرور کی تمام علامتیں مٹا دیں' یہاں تک کہ آقا اور نوکر کی تمیز باقی نہ رہنے دی' ایک دن صفوان بن امیہ نے ان کے سامنے ایک خوان پیش کیا' حضرت عمرؓ نے فقیروں اور غلاموں کو ساتھ بٹھا کر کھانا کھلایا اور فرمایا کہ خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جن کو غلاموں کے ساتھ کھانے میں عار آتا ہے۔[3]

ایک دفعہ حضرت ابی بن کعبؓ جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے مجلس سے اٹھے تو لوگ ادب اور تعظیم کے خیال سے ساتھ ساتھ چلے' اتفاق سے حضرت عمرؓ آنکلے' یہ حالت دیکھ کر ابی بن کعب ؓ کو ایک کوڑا لگایا' ان کو نہایت تعجب ہوا' اور کہا خیر تو ہے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا:

اما تری فتنة للمتبوع و مذلة للتابع۔[4]

''تمہیں معلوم نہیں ہے کہ یہ امر متبوع کے لیے فتنہ اور تابع کے لیے ذلت ہے''۔

شعر و شاعری کے ذریعہ ہجو و بدگوئی عرب کا عام مذاق تھا' حضرت عمرؓ نے نہایت سختی

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۵۔ [2] کتاب الخراج ص ۶۶۱

[3] ادب المفرد باب ہل یجلس خادمہ معہ اذا اکل [4] مسند دارمی ص ۷۰

marfat.com

سے اس کو بند کر دیا' حطیہ اس زمانہ کا مشہور ہجو گو شاعر تھا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو قید کر دیا اور آخر اس شرط پر رہا کیا کہ پھر کسی کی ہجو نہیں لکھے گا،[1] ہوا پرستی' رندی اور آوارگی کی نہایت شدت سے روک تھام کی' شعراء کو عشقیہ اشعار میں عورتوں کا نام لینے سے قطعی طور پر منع کر دیا' شراب خوری کی سزا سخت کر دی' چالیس درے سے اسی درے کر دیئے۔

حضرت عمرؓ کو اس کا بڑا خیال تھا کہ لوگ عیش پرستی اور تنعم کی زندگی میں مبتلا ہو کر سادگی کے جوہر سے معرانہ ہو جائیں' افسروں کو خاص طور پر عیسائیوں اور پارسیوں کے لباس اور طرزِ معاشرت کے اختیار کرنے پر چشم نمائی فرمایا کرتے تھے' سفر شام میں مسلمان افسروں کے بدن پر حریر یا دیبا کے حلے اور پرتکلف قبائیں دیکھ کر اس قدر خفا ہوئے کہ ان کو سنگریزے مارے اور فرمایا تم اس وضع میں میرا استقبال کرتے ہو۔[2]

مسلمانوں کو اخلاقِ ذمیمہ سے باز رکھنے کے ساتھ ساتھ مکارم اخلاق کی بھی خاص طور پر تعلیم دی' مساوات اور عزت نفس کا خاص خیال رکھتے تھے اور تمام عمال کو ہدایت تھی کہ مسلمانوں کو مارا نہ کریں اس سے وہ ذلیل ہو جائیں گے۔[3]

ملکی نظم ونسق:

شام و ایران فتح ہوا تو لوگوں کی رائے ہوئی کہ مفتوحہ علاقے امرائے فوج کی جاگیر میں دے دیئے جائیں' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کہتے ہیں کہ جن کی تلواروں نے ملک فتح کیا ہے ان ہی کا قبضہ بھی حق ہے' حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو اس قدر اصرار تھا کہ حضرت عمرؓ نے دق ہو کر فرمایا ''اللھم اکفنی بلالا'' لیکن خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے تھی کہ زمین حکومت کی ملک اور باشندوں کے قبضہ میں رہنے دی جائے' حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ اور حضرت طلحہؓ بھی حضرت عمرؓ کے ہم آہنگ تھے۔ غرض مجلس عام میں مسئلہ پیش ہوا اور بحث و مباحثہ کے بعد فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی رائے پر فیصلہ ہوا۔[4]

عراق کی پیمائش کرائی' قابل زراعت اراضی کا بندوبست کیا' عشر و خراج کا طریقہ

---

1 اسد الغابہ تذکرہ زبرقان۔ 2 طبری ص ۲۴۰۳۔ 3 ابن سعد قسم اول جزو ۳ ص ۲۰۱
4 کتاب الخراج ص ۱۴'۱۵

marfat.com

قائم کیا' عشر کا طریقہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں جاری ہو چکا تھا' لیکن خراج کا طریقہ اس قدر منضبط نہیں ہوا تھا' اسی طرح شام و مصر میں بھی لگان تشخیص کیا' لیکن وہاں کا قانون ملکی حالات کے لحاظ سے عراق سے مختلف تھا' تجارت پر عشر یعنی چنگی لگائی گئی' اسلام میں یہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے اور اس کی ابتداء یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ممالک میں تجارت کے لیے جاتے تھے ان کو دس فیصدی ٹیکس دینا پڑتا تھا' حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے بھی غیر ملکی مال پر ٹیکس لگا دیا' اسی طرح تجارتی گھوڑوں پر بھی زکوٰۃ خاص حضرت عمرؓ کے حکم سے قائم کی ورنہ گھوڑے مستثنیٰ تھے' اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ نعوذ باللہ حضرت عمرؓ نے رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی بلکہ حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جو الفاظ فرمائے تھے اس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں اس لیے تجارت کے گھوڑے مستثنیٰ کرنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔[1]

حضرت عمرؓ نے تمام ملک میں مردم شماری کرائی' اضلاع میں باقاعدہ عدالتیں قائم کیں' محکمہ قضا کے لیے اصول و قوانین بنائے' قاضیوں کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کیں تا کہ یہ لوگ رشوت ستانی سے محفوظ رہیں' چنانچہ سلمانؓ، ربیعہؓ اور قاضی شریح کی تنخواہیں پانچ پانچ سو درہم ماہانہ تھیں[1] اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی تنخواہ ایک ہزار دینار تھی[2]، حل طلب مسائل کے لیے شعبہ افتاء قائم کیا' حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، حضرت معاذ بن جبلؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت زیدؓ بن ثابت اور حضرت ابو الدرداءؓ اس شعبے کے ممتاز رکن تھے۔

ملک میں امن و امان قائم رکھنے کے لیے حضرت عمرؓ نے احداث یعنی پولیس کا محکمہ قائم کیا' اس کے افسر کا نام ''صاحب الاحداث'' تھا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کو بحرین کا ''صاحب الاحداث'' بنا دیا تو ان کو خاص طور پر ہدایت کی کہ امن و امان قائم رکھنے کے علاوہ احتساب کی خدمت بھی انجام دیں' احتساب کے متعلق جو کام ہیں' مثلاً دوکاندار ناپ تول میں کمی نہ کریں' کوئی شخص شاہراہ پر مکان نہ بنائے' جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لادا جائے' شراب

---

[1] فتح القدیر حاشیہ ہدایہ ج ۲ ص ۲۴۷ [2] استیعاب تذکرہ امیر معاویہؓ

marfat.com

اعلانیہ نہ بکنے پائے' اس قبیل کے اور بہت سے امور کی نگرانی کا جن کا تعلق پبلک مفاد اور احترام شریعت سے تھا' پورا انتظام تھا اور صاحبانِ احداث (افسرانِ پولیس) اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔

عہد فاروقیؓ سے پہلے عرب میں جیل خانوں کا نام ونشان نہ تھا' حضرت عمرؓ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خرید کر اس کو جیل خانہ بنایا[1] پھر اور اضلاع میں بھی جیل خانہ بنوائے' جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ ہی کی ایجاد ہے' چنانچہ ابومحجن ثقفی کو بار بار شراب پینے کے جرم میں ایک جزیرہ میں جلاوطن کر دیا تھا[2]

بیت المال:

خلافت فاروقی سے پہلے مستقل خزانہ کا وجود نہ تھا' بلکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا' ابن سعد کی ایک روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے ایک مکان بیت المال کے لیے خاص کر لیا تھا' لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا اور اس میں کچھ داخل کرنے کی نوبت ہی نہیں آتی تھی' چنانچہ ان کی وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

حضرت عمرؓ نے تقریباً ۱۵ھ میں ایک مستقل خزانہ کی ضرورت محسوس کی اور مجلس شوریٰ کی منظوری کے بعد مدینہ منورہ میں بہت بڑا خزانہ قائم کیا' دارالخلافہ کے علاوہ تمام اضلاع اور صوبہ جات میں بھی اس کی شاخیں قائم کی گئیں اور ہر جگہ اس محکمہ کے جداگانہ افسر مقرر ہوئے' مثلاً اصفہان میں خالدؓ بن حارث اور کوفہ میں عبداللہؓ بن مسعود خزانہ کے افسر تھے' صوبہ جات اور اضلاع کے بیت المال میں مختلف آمدنیوں کی جو رقم آتی تھی وہ وہاں کے سالانہ مصارف کے بعد اختتام سال پر صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں منتقل کر دی جاتی تھی' صدر بیت المال کی وسعت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ دارالخلافہ کے باشندوں کی جو تنخواہیں اور وظائف مقرر تھے صرف اس کی تعداد تین کروڑ درہم تھی' بیت المال کے حساب کتاب کے لیے مختلف رجسٹر بنوائے' اس وقت تک کسی مستقل سنہ کا عرب میں رواج نہ تھا' حضرت عمرؓ نے ۱۶ھ میں سنہ ہجری ایجاد کر کے یہ کمی بھی پوری کر دی۔

---

[1] مقریزی ج ۲ ص ۱۸۷۔ [2] اسد الغابہ

marfat.com

تعمیرات:

اسلام کا دائرہ حکومت جس قدر وسیع ہوتا گیا اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا' حضرت عمرؓ کے عہد میں اس کے لیے کوئی مستقل صیغہ نہ تھا تاہم صوبہ جات کے عمال اور حکام کی نگرانی میں تعمیرات کا کام نہایت منتظم اور وسیع طور پر جاری تھا' ہر جگہ حکام کے بود و باش کے لیے سرکاری عمارتیں تیار ہوئیں' رفاہِ عام کے لیے سڑک' پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں' فوجی ضروریات کے لحاظ سے قلعے' چھاؤنیاں اور بارکیں تعمیر ہوئیں' مسافروں کے لیے مہمان خانے بنائے گئے' خزانہ کی حفاظت کے لیے بیت المال کی عمارتیں تیار ہوئیں' حضرت عمرؓ تعمیرات کے باب میں نہایت کفایت شعار تھے' لیکن بیت المال کی عمارتیں عموماً شاندار اور مستحکم بنواتے تھے' چنانچہ کوفہ کے بیت المال کو روز بہ نامی ایک مشہور مجوسی معمار نے بنایا تھا' اور اس میں خسروانِ فارس کی عمارات کا مسالہ استعمال کیا گیا تھا۔[1]

مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں جو خاص تعلق ہے اس کے لحاظ سے ضروری تھا کہ ان دونوں شہروں کے درمیان راستہ کو سہل اور آرام دہ بنایا جائے' حضرت عمرؓ نے ۱۷ھ میں اس کی طرف توجہ کی اور مدینہ سے لے کر مکہ معظمہ تک ہر ہر منزل پر چوکیاں' سرائیں اور چشمے تیار کرائے۔[2]

ترقی زراعت کے لیے تمام ملک میں نہریں کھدوائی گئیں' بعض نہریں ایسی تھیں جن کا تعلق محکمہ زراعت سے نہ تھا' مثلاً نہر ابی موسیٰ جو محض بصرہ والوں کے لیے شریں پانی بہم پہنچانے کے خیال سے دجلہ کو کاٹ کر لائی گئی تھی' یہ نہر نو میل لمبی تھی۔[3] اسی طرح نہر معقل جس کی نسبت عربی ضرب المثال ہے اذا جاء نہر اللہ بطل نہر المعقل۔[4]

حضرت سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے بھی ایک نہر تیار کرائی جو سعد بن عمرو بن حرام کے نام سے مشہور ہوئی۔[5] اس سلسلہ میں سب سے بڑی اور فائدہ رساں وہ نہر تھی جو نہر امیر المومنین کے نام سے مشہور ہوئی جس کے ذریعہ سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔[6]

---

۱ طبری' ذکر آبادی کوفہ ۲ ایضاً ص ۵۲۹
۳ فتوح البلدان ص ۳۶۵ ۴ ایضاً ص ۳۶۶
۵ ایضاً ص ۳۸۳ ۶ حسن المحاضرہ سیوطی ص ۶۸

marfat.com

مستعمرات:

مسلمان جب عرب کی گھاٹیوں سے نکل کر شام و ایران کے چمن زار میں پہنچے تو ان کو یہ ممالک ایسے خوش آئند نظر آئے کہ انہوں نے وطن کو خیر باد کہہ کر یہیں طرح اقامت ڈال دی اور نہایت کثرت سے نو آبادیاں قائم کیں، حضرت عمرؓ کے عہد میں جو جو شہر آباد ہوئے ان کی ایک اجمالی فہرست درج ذیل ہے۔

بصرہ:

۱۴ھ میں عتبہ بن غزوان نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اس شہر کو بسایا تھا، ابتداء میں صرف آٹھ سو آدمیوں نے یہاں سکونت اختیار کی، لیکن اس کی آبادی بہت جلد ترقی کر گئی، یہاں تک کہ زیاد بن ابی سفیان کے عہد امارت میں صرف ان لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی رجسٹر میں درج تھے اسی ہزار اور ان کی آل و اولاد کی ایک لاکھ بیس ہزار تھی، بصرہ اپنی علمی خصوصیات کے لحاظ سے مدتوں مسلمانوں کا مایہ ناز شہر رہا ہے۔

کوفہ:

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے حکم سے عراق کے قدیم عرب فرمان روا نعمان بن منذر کے پایہ تخت کو آباد کیا، اور اس میں چالیس ہزار آدمیوں کی آبادی کے لائق مکانات بنوائے گئے، حضرت عمرؓ کو اس شہر کے بسانے میں غیر معمولی دلچسپی تھی، شہر کے نقشہ کے متعلق خود ایک یادداشت لکھ بھیجی، اس میں حکم تھا کہ شارع ہائے عام چالیس چالیس ہاتھ چوڑی رکھی جائیں، اس سے کم مقدار ۳۰، ۳۰ ہاتھ اور ۲۰، ۲۰ ہاتھ سے کم نہ ہو، جامع مسجد کی عمارت اس قدر وسیع بنائی گئی تھی کہ اس میں چالیس ہزار آدمی آسانی سے نماز ادا کر سکتے تھے۔[1] مسجد کے سامنے دو سو ہاتھ لمبا ایک وسیع سائبان تھا، جو سنگ رخام کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا، یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے عہد میں اس عظمت و شان کو پہنچ چکا تھا کہ وہ اس کو رأس اسلام فرمایا کرتے تھے، علمی حیثیت سے بھی ہمیشہ ممتاز رہا ہے، امام نخعیؒ، حمادؒ، امام ابو حنیفہؒ اور امام شعبیؒ اسی معدن کے لعل و گوہر تھے۔

---

1. معجم البلدان ج ۷ کوفہ

marfat.com

فسطاط:

دریائے نیل اور جبل مقطم کے درمیان ایک کف دست میدان تھا' حضرت عمروؓ بن العاص فاتح مصر نے اثنائے جنگ میں یہاں پڑاؤ کیا۔ اتفاق سے ایک کبوتر نے ان کے خیمہ میں گھونسلا بنالیا' عمروؓ بن العاص نے کوچ کے وقت قصداً اس خیمہ کو چھوڑ دیا کہ اس مہمان کو تکلیف نہ ہو' مصر کی تسخیر کے بعد انہوں نے حضرت عمرؓ کے حکم سے اسی میدان میں ایک شہر آباد کیا۔ چونکہ خیمہ کو عربی میں فسطاط کہتے ہیں اس لیے اس شہر کا نام فسطاط قرار پایا[1] فسطاط نے بہت جلد ترقی کر لی اور پورے مصر کا صدر مقام ہو گیا' چوتھی صدی کا ایک سیاح ان الفاظ میں اس شہر کے عروج و کمال کا نقشہ کھینچتا ہے:

''یہ شہر بغداد کا ناسخ' مغرب کا خزانہ اور اسلام کا فخر ہے' دنیائے اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتی ہیں' نہ یہاں سے زیادہ کسی ساحل پر جہاز لنگر انداز ہوتے ہیں''۔

موصل:

یہ پہلے ایک گاؤں کی حیثیت رکھتا تھا' حضرت عمرؓ نے اس کو عظیم الشان شہر بنا دیا' ہرثمہ بن عرفجہ نے بنیاد رکھی اور ایک جامع مسجد تیار کرائی اور چونکہ یہ مشرق و مغرب کو آپس میں ملاتا ہے اس لیے اس کا نام موصل رکھا گیا۔

جیزہ:

فتح اسکندریہ کے بعد عمرو بن العاصؓ اس خیال سے کہ رومی دریا کی سمت سے حملہ نہ کرنے پائیں' تھوڑی سی فوج لب ساحل مقرر کر دی تھی' ان لوگوں کو دریا کا منظر ایسا پسند آ گیا کہ وہاں سے ہٹنا پسند نہ کیا' حضرت عمرؓ نے ان لوگوں کی حفاظت کے لیے ۲۱ھ میں ایک قلعہ تعمیر کرا دیا اور اس وقت سے یہاں ایک مستقل نو آبادی کی صورت پیدا ہو گئی۔[2]

فوجی انتظامات:

اسلام جب رومن امپائر سے بھی زیادہ وسیع سلطنت کا مالک ہو گیا اور قیصر و کسریٰ

---

[1] ایضاً ذکر فسطاط۔ [2] جیزہ کے تفصیلی حالات مقریزی میں مذکور ہیں

marfat.com

کے عظیم الشان ممالک اس کا ورثہ بن گئے' تو اس کو ایک منتظم اور فوجی سسٹم کی ضرورت محسوس ہوئی' ۱۵ھ میں حضرت عمرؓ نے اس کی طرف توجہ کی اور تمام ملک کو فوجی بنانا چاہا لیکن ابتداء میں ایسی تعلیم ممکن نہ تھی' اس لیے پہلے قریش وانصار سے آغاز کیا اور مخرمہ بن نوفلؓ، جبیر بن مطعمؓ، عقیلؓ بن ابی طالب کے متعلق یہ خدمت سپرد کی کہ وہ قریش وانصار کا ایک رجسٹر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام ونسب تفصیل سے درج ہو' اس ہدایت کے مطابق رجسٹر تیار ہوا اور حسب حیثیت تنخواہیں اور ان کی بیوی بچوں کے گزارے کے لیے وظائف مقرر ہوئے' مہاجرین اور انصار کی بیویوں کی تنخواہ ۲۰۰ سے ۴۰۰ درہم تک اور اہل بدر کی اولاد ذکور کی تنخواہ دو دو ہزار درہم سالانہ مقرر ہوئی' اس موقع پر یہ امر خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ جن لوگوں کی تنخواہیں مقرر ہوئیں اتنی ہی ان کے غلاموں کی بھی مقرر ہوئیں،[1] اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ فاروق اعظمؓ نے مساوات کا کیسا سبق سکھایا تھا۔

کچھ دنوں کے بعد اس نظام کو قریش وانصار سے وسعت دے کر تمام قبائل عرب میں عام کر دیا' پورے ملک کی مردم شماری کی گئی اور ہر ایک عربی نسل کی علیٰ قدر مراتب تنخواہ مقرر ہوئی یہاں تک کہ شیر خوار بچوں کے لیے وظائف کا قاعدہ جاری کیا گیا[2] گویا عرب کا ہر ایک بچہ اپنے یوم ولادت ہی سے اسلامی فوج کا ایک سپاہی تصور کر لیا جاتا تھا۔ ہر سپاہی کو تنخواہ کے علاوہ کھانا اور کپڑا بھی ملتا تھا' تنخواہ کی تقسیم کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قبیلہ میں ایک عریف ہوتا تھا اسی طرح ہر دس سپاہی پر ایک افسر ہوتا تھا' جن کو امراء الاعشار کہتے ہیں' تنخواہیں عریف کو دی جاتی تھیں وہ امرائے عشار کی معرفت فوج میں تقسیم کرتا تھا' ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی' کوفہ اور بصرہ میں سو عریف تھے جن کے ذریعہ سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی' حسن خدمت اور کارگزاری کے لحاظ سے سپاہیوں اور افسروں کی تنخواہوں میں وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا' چنانچہ زہرہ' عصمہ اور ضبی وغیرہ نے قادسیہ میں غیر معمولی جانبازی کا اظہار کیا تھا' اس صلہ میں ان کی تنخواہیں دو دو ہزار سے اڑھائی اڑھائی ہزار کر دی گئیں۔

---

1 تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف روایتیں ہیں' دیکھو کتاب الخراج ص ۲۴ و مقریزی ج ۱ ص ۹۲ و بلاذری ص ۴۵۳۔ 2 فتوح البلدان ص ۴۶۴

marfat.com

حضرت عمرؓ کو فوج کی تربیت کا بہت خیال تھا' انہوں نے نہایت تاکیدی احکام جاری کیے تھے کہ ممالک مفتوحہ میں کوئی شخص زراعت یا تجارت کا شغل اختیار نہ کرنے پائے کیونکہ اس سے ان کے سپاہیانہ جوہر کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ تھا' سرد اور گرم ممالک پر حملہ کرتے وقت موسم کا بھی خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ فوج کی صحت اور تندرستی کو نقصان نہ پہنچے۔

قواعد کے متعلق چار چیزوں کے سیکھنے کی سخت تاکید تھی' تیرنا' گھوڑے دوڑانا' تیر لگانا اور ننگے پاؤں چلنا' ہر چار مہینے کے بعد سپاہیوں کو وطن جا کر اپنے اہل و عیال سے ملنے کے لیے رخصت دی جاتی تھی[1] جفاکشی کے خیال سے حکم تھا کہ اہل فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں' نرم کپڑے نہ پہنیں' دھوپ سے بچیں حماموں میں نہ نہائیں۔

موسم بہار میں فوجیں عموماً سرسبز و شاداب مقامات میں بھیج دی جاتی تھیں' بارکوں اور چھاؤنیوں کے بنانے میں آب و ہوا کی خوبی کا لحاظ رکھا جاتا تھا' کوچ کی حالت میں حکم تھا کہ فوج جمعہ کے دن مقام کرے اور ایک شب و روز قیام رکھے کہ لوگ دم لیں' غرض حضرت عمرؓ نے تیرہ سو برس پیشتر فوجی تربیت کے لیے اعلیٰ اصول وضع کر دیئے تھے' کہ آج بھی اصولی حیثیت سے اس پر کچھ اضافہ نہیں کیا جا سکتا۔

حسب ذیل مقامات کو فوجی مرکز قرار دیا تھا' مدینہ' کوفہ' بصرہ' موصل' فسطاط' دمشق' حمص' اردن' فلسطین ان مقامات کے علاوہ تمام اضلاع میں فوجی بارکیں اور چھاؤنیاں تھیں' جہاں تھوڑی تھوڑی فوج ہمیشہ متعین رہتی تھی۔

فوج میں حسب ذیل عہدیدار لازمی طور پر رہتے تھے' خزانچی' محاسب' مترجم' طبیب' جراح اور جاسوس' جو غنیم کی نقل و حرکت کی خبریں بہم پہنچایا کرتے تھے' یہ خدمت زیادہ تر ذمیوں سے لی جاتی تھی' چنانچہ قیساریہ کے محاصرہ میں یوسف نامی یہودی نے جاسوسی کی خدمت انجام دی تھی[2] اسی طرح عراق میں بعض وفادار مجوسی اپنی خوشی سے اس خدمت کو انجام دیتے تھے۔ تاریخ طبری میں ہے:

وکانت تکون لعمر العیون فی کل جیش.

---

[1] فتوح البلدان ص ۱۴۸۔ [2] ایضاً

marfat.com

''ہر فوج میں حضرت عمرؓ کے جاسوس رہتے تھے''۔

آلات جنگ میں تیغ وسنان کے علاوہ قلعہ شکنی کے لیے منجنیق اور دبابہ بھی ساتھ رہتا تھا' چنانچہ دمشق کے محاصروں میں منجنیقوں کا استعمال ہوا تھا۔[1]

فوج حسب معمول شعبوں میں منقسم تھی' مقدمہ' قلب' میمنہ' میسرہ' ساقہ' طلیعہ' سفرینا' روا یعنی عقبی گارڈ' شتر سوار' سوار' پیادہ' تیرانداز۔

گھوڑوں کی پرورش و پرداخت کا بھی نہایت اہتمام تھا' ہر مرکز میں چار ہزار گھوڑے ہر وقت ساز وسامان سے لیس رہتے تھے' موسم بہار میں تمام گھوڑے سرسبز وشاداب مقامات پر بھیج دیئے جاتے تھے۔ خود مدینہ کے قریب ایک چراگاہ تیار کرائی اور اپنے ایک غلام کو اس کی حفاظت اور نگرانی کے لیے مقرر کیا تھا' گھوڑوں کی رانوں پر داغ سے ''جیش فی سبیل اللہ'' نقش کیا جاتا تھا۔

عرب کی تلوار اپنی فتوحات میں کبھی غیروں کی ممنون احسان نہیں ہوئی' لیکن حریف اقوام کو خود ان ہی کے ہم قوموں سے لڑانا فن جنگ کا ایک بڑا اصول ہے' حضرت عمرؓ نے اس کو نہایت خوبی سے برتا' صدہا عجمی یونانی اور رومی بہادروں نے اسلامی فوج میں داخل ہو کر مسلمانوں کے دوش بدوش نہایت وفاداری کے ساتھ خود اپنی قوموں سے جنگ کی' قادسیہ کے معرکہ میں دوران جنگ ہی میں ایرانیوں کی چار ہزار افواج حلقہ اسلام میں آ گئی اور سعد بن ابی وقاصؓ نے ان کو اسلامی فوج میں شامل کر لیا اور ان کی تنخواہیں مقرر کر دیں' یرموک کے معرکہ میں رومیوں کے لشکر کا مشہور سپاہی عین حالت جنگ میں مسلمان ہو گیا اور مسلمانوں کے دوش بدوش لڑ کر شہید ہوا۔

مذہبی خدمات:

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں سب سے بڑا کام اشاعت اسلام ہے' حضرت عمرؓ کو اس میں بہت انہماک تھا لیکن تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاق کی قوت سے' انہوں نے اپنے غلام کو اسلام کی دعوت دی' اس نے باوجود ترغیب وہدایت کے انکار کیا تو فرمایا **لا اکراہ فی**

[1] طبری ص ۲۱۵۲

marfat.com

الدین[1] یعنی مذہب میں جبر نہیں' حکام کو ہدایت دی کہ جنگ سے پہلے لوگوں کے سامنے محاسن اسلام پیش کر کے ان کو شریعت غرا کی دعوت دی جائے' اس کے علاوہ انہوں نے تمام مسلمانوں کو اپنی تربیت اور ارشاد سے اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ بنا دیا تھا' وہ جس طرف گذر جاتے تھے لوگ ان کے اخلاقی تفوق کو دیکھ کر خود بخود اسلام کے گرویدہ ہو جاتے تھے' رومی سفیر اسلامی کیمپ میں آیا تو سالارِ فوج کی سادگی اور بے تکلفی دیکھ کر خود بخود اس کا دل اسلام کی طرف کھنچ گیا اور وہ مسلمان ہو گیا' مصر کا ایک رئیس مسلمانوں کے حالات ہی سن کر اسلام کا گرویدہ ہو گیا اور دو ہزار کی جمعیت کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔[2]

وہ عربی قبائل جو عراق و شام میں آباد ہو گئے تھے' نسبتاً آسانی کے ساتھ اسلام کی جانب مائل کیے جا سکتے تھے' حضرت عمرؓ کو ان لوگوں میں تبلیغ کا خاص خیال تھا' چنانچہ اکثر قبائل معمولی کوشش سے حلقہ بگوش اسلام ہو گئے' مسلمانوں کے فتوحات کی بوالعجبی نے بھی بہت سے لوگوں کو اسلام کی صداقت کا یقین دلا دیا' چنانچہ معرکہ قادسیہ کے بعد دیلم کی چار ہزار عجمی فوج نے خوشی سے اسلام قبول کر لیا۔[3] اسی طرح فتح جلولا کے بعد بہت سے روسا برضا و رغبت مسلمان ہو گئے جن میں بعض کے نام یہ ہیں' جمیل بن بصبہری' بسطام بن نرسی رفیل' فیروزان'[4] عراق کی طرح شام و مصر میں بھی کثرت سے لوگ مسلمان ہوئے' چنانچہ شہر فسطاط میں ایک بڑا محلہ نومسلموں کا تھا' غرض حضرت عمرؓ کے عہد میں نہایت کثرت سے اسلام پھیلا' اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ دین حنیف کی اشاعت کیلئے آئندہ کے لیے راستہ صاف کر گئے۔

اشاعتِ اسلام کے بعد سب سے بڑا کام خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین اور شعارِ اسلامی کی ترویج تھی' اس کے متعلق حضرت عمرؓ کے مساعی کا سلسلہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ ہی کے عہد سے شروع ہوتا ہے' قرآن مجید جو اساس اسلام ہے حضرت عمرؓ ہی کے اصرار سے کتابی صورت میں عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں مرتب کیا گیا تھا' اس کے بعد انہوں نے اپنے عہد میں اس کے درس و تدریس کو رواج دیا' معلمین اور حفاظ اور مؤذنوں کی تنخواہیں مقرر کیں،[5]

[1] کنز العمال ج ۵ ص ۴۹۔ [2] مقریزی ص ۲۴۶۔ [3] فتوح البلدان ص ۲۰۹۔ [4] ایضاً فتح جلولا۔
[5] سیرۃ العمر میں مذکور ہے ان عمر بن الخطاب و عثمان کانا یرزقان المؤذنین و الائمۃ و المعلمین

marfat.com

حضرت عبادہ بن الصامتؓ، حضرت معاذؓ ابن جبل اور حضرت ابو الدرداءؓ کو جو حفاظ قرآن اور صحابہ کبارؓ میں سے تھے' قرآن مجید کی تعلیم دینے کے لیے ملک شام میں روانہ کیا[1] قرآن مجید کو صحت کے ساتھ پڑھنے اور پڑھانے کے لیے تاکیدی احکام روانہ کیے' ابن الانباری کی روایت کے مطابق ایک حکم نامہ کے الفاظ یہ ہیں **تعلموا اعراب القران کما تعلمون حفظه**' غرض حضرت عمرؓ کی مساعی جمیلہ سے قرآن کی تعلیم ایسی عام ہوگئی تھی کہ ناظرہ خوانوں کا تو شمار ہی نہیں' حافظوں کی تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی تھی' حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا کہ صرف میری فوج میں تین سو حفاظ ہیں۔[2]

اصول اسلام میں قرآن کے بعد حدیث کا رتبہ ہے' حضرت عمرؓ نے اس کے متعلق جو خدمات انجام دیں ان کی تفصیل یہ ہے:

احادیث نبویؐ کو نقل کرا کے حکام کے پاس روانہ کیا کہ عام طور پر اس کی اشاعت ہو' مشاہیر صحابہؓ کو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا' چنانچہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو ایک جماعت کے ساتھ کوفہ روانہ کیا' عبداللہ بن مغفلؓ، عمران بن حصین اور معقل بن یسارؓ کو بصرہ بھیجا' حضرت عبادہ بن الصامتؓ اور حضرت ابو الدرداءؓ کو شام روانہ کیا[3] اگرچہ محدثین کے نزدیک تمام صحابہ عدول ہیں' لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں ان سے کوئی زمانہ مستثنیٰ نہیں ہو سکتا' چنانچہ انہوں نے روایت قبول کرنے میں نہایت چھان بین اور احتیاط سے کام لیا' ایک دفعہ آپ کسی کام میں مشغول تھے' حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ آئے اور تین دفعہ سلام کر کے واپس چلے گئے۔ حضرت عمرؓ کام سے فارغ ہوئے تو ابو موسیٰ کو بلا کر دریافت کیا کہ تم واپس کیوں چلے گئے تھے؟ انہوں نے جواب دیا کہ رسول اللہؐ نے فرمایا ہے کہ تین دفعہ اجازت مانگو' اگر اس پر بھی نہ ملے تو واپس چلے جاؤ' حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں تم کو سزا دوں گا'[4] حضرت ابو موسیٰؓ نے حضرت سعیدؓ کو شہادت میں پیش کیا۔ اسی طرح سقط یعنی کسی عورت کا حمل ضائع کر دینے کے

---

[1] کنز العمال ج ۱ ص ۲۸۱۔ [2] ایضاً ص ۲۱۷۔ [3] ازالۃ الخلفاء ج ۲ ص ۶

[4] مسلم باب الاستیذان

marfat.com

مسئلہ میں مغیرہؓ نے حدیث روایت کی تو حضرت عمرؓ نے شہادت طلب کی؛ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تو انہوں نے تسلیم کیا،[1] حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی ثبوت طلب کیا' جب لوگوں نے تصدیق کی تو فرمایا مجھ کو تم سے بدگمانی نہ تھی بلکہ اپنا اطمینان مقصود تھا۔[2]

حضرت عمرؓ لوگوں کو کثرت روایت سے بھی نہایت سختی کے ساتھ منع فرماتے تھے' چنانچہ جب قرظہ بن کعبؓ کو عراق کی طرف روانہ کیا تو خود دور تک ساتھ گئے اور سمجھایا کہ دیکھو تم ایسے ملک میں جاتے ہو جہاں قرآن کی آواز گونج رہی ہے' ایسا نہ ہو کہ ان کی توجہ کو قرآن سے ہٹا کر احادیث کی طرف مبذول کر دو۔[3] حضرت ابو ہریرہؓ بڑے حافظ حدیث تھے اس لیے وہ روایتیں بھی کثرت سے بیان کرتے تھے' ایک دفعہ لوگوں نے ان سے پوچھا' کہ آپ حضرت عمرؓ کے عہد میں اس طرح روایت کرتے تھے؟ انہوں نے کہا کہ اگر اس زمانہ میں ایسا کرتا تو درے کھاتا۔[4] حدیث کے بعد فقہ کا درجہ ہے' حضرت عمرؓ خود بالمشافہ اپنے خطبوں اور تقریروں میں مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے اور دور دراز ممالک کے حکام کو فقہی مسائل لکھ کر بھیجتے تھے' مختلف فیہ مسائل کو صحابہؓ کے مجمع میں پیش کرا کے طے کراتے تھے' اضلاع میں عمال اور افسروں کی تقرری میں عالم اور فقیہ ہونے کا خاص خیال رکھا جاتا تھا' تمام ممالک محروسہ میں فقہاء مقرر کیے تھے جو احکام مذہبی کی تعلیم دیتے تھے' اور حسب بیان ابن جوزی حضرت عمرؓ نے فقہاء کی بیش قرار تنخواہیں مقرر کی تھیں' اس سے پہلے فقہاء اور معلمین کو تنخواہ دینے کا رواج نہ تھا' غرض یہ کہ فاروق اعظمؓ کے عہد میں مذہبی تعلیم کا ایک مرتب اور منظم سلسلہ قائم ہو گیا تھا' جس کی تفصیل کے لیے اس اجمال میں گنجائش نہیں۔

عملی انتظامات کی طرف بھی حضرت عمرؓ نے بڑی توجہ کی' تمام ممالک محروسہ میں کثرت سے مسجدیں تعمیر کرائیں' امام اور مؤذن مقرر کیے' حرم محترم کی عمارت ناکافی تھی ۱۷ھ میں اس کو وسیع کیا' غلاف کعبہ کے لیے نطع کے بجائے قباطی کا رواج دیا جو نہایت عمدہ کپڑا ہوتا ہے

---

[1] ابوداؤد کتاب الدیات باب دیۃ الجنین۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ تذکرہ عمر

[3] ایضاً ص ۶ [4] ایضاً ص ۷

marfat.com

اور مصر میں بنا جاتا ہے' مسجد نبوی ﷺ کو بھی نہایت وسعت دی' پہلے اس کا طول سو گز تھا انہوں نے بڑھا کر ۱۴۰ گز کر دیا' عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا' مسجد کے ساتھ ایک گوشہ میں چبوترا بنوا دیا کہ جس کو بات چیت کرنا یا شعر پڑھنا ہو تو یہاں چلا آئے' مسجدوں میں روشنی اور فرش کا انتظام بھی حضرت عمرؓ کے عہد ہی سے ہوا' حجاج کی راحت و آسائش کا بھی پورا انتظام تھا' ہر سال خود حج کے لیے جاتے تھے اور خبر گیری کی خدمت انجام دیتے تھے۔[1]

متفرق انتظامات:

ملکی' فوجی اور مذہبی انتظامات کا ایک اجمالی خاکہ درج کرنے کے بعد اب ہم ان متفرق انتظامات کا تذکرہ کرتے ہیں جو کسی خاص عنوان کے تحت نہیں آتے۔

۱۸ھ میں عرب میں قحط پڑا' حضرت عمرؓ نے اس مصیبت کو کم کرنے میں جو سرگرمی ظاہر کی وہ ہمیشہ یادگار زمانہ رہے گی' بیت المال کا تمام نقد و جنس صرف کر دیا۔ تمام صوبوں سے غلہ منگوایا اور انتظام کے ساتھ قحط زدوں میں تقسیم کیا'[2] لاوارث بچوں کے دودھ پلانے اور پرورش پرداخت کا انتظام کیا'[3] غرباء و مساکین کے روزینے مقرر کیے اور منبر پر اس کا اعلان فرمایا:

انی فرضت لکل نفس مسلمة فی شھر مدی حنطة و قسطی خل.

''میں نے ہر مسلمان کے لیے فی ماہ دو مد گیہوں اور دو قسط سرکہ مقرر کیا''۔

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لیے بھی؟ فرمایا ہاں غلام کے لیے بھی'[4] لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ حضرت عمر اس نکتہ سے بے خبر تھے کہ اس طرح مفت خوری سے لوگ کاہل ہو جائیں گے' درحقیقت انہوں نے ان ہی لوگوں کے روزینے مقرر کئے تھے جو یا تو فوجی خدمت کے لائق تھے یا ضعف کے باعث کسب معاش سے معذور تھے۔ ملکی حالات سے واقفیت کے لئے ملک کے ہر حصے میں پرچہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کئے تھے جن کے ذریعہ سے ہر جزئی واقعہ کی اطلاع ہو جاتی تھی' مؤرخ طبری لکھتے ہیں:

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ عمرؓ [2] یعقوبی ج ۲ ص ۱۷۷ میں اس کی پوری تفصیل ہے
[3] ایضاً ص ۱۷۱ [4] فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافۃ عمر بن الخطاب

marfat.com

و کان عمر لا یخفی علیه شی فی علمه کتب الیه من العراق یخرج من خروج و من الشام بجائزة من اجیز بها.

''عمرؓ پر کوئی بات مخفی نہیں رہتی تھی' عراق میں جن لوگوں نے خروج کیا اور شام میں جن لوگوں کو انعام دیئے گئے سب ہی ان کو لکھا جاتا تھا''۔

محکمۂ خبررسانی کی سرگرمی کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ نعمان بن عدی حاکم میسان نے عیش وعشرت میں مبتلا ہوکر اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔

لعل امیر المومنین یسوءه ؁ تنادمنا بالجوسق المتهدم

غالباً امیر المومنین برا مانیں گے کہ ہم لوگ محلوں میں رندانِ صحبت رکھتے ہیں۔

اس محکمہ کو میاں بیوی کے راز و نیاز کی بھی خبر ہوگئی' حضرت عمرؓ نے نعمان کو معزول کر کے لکھا کہ ''ہاتھ مجھ کو تمہاری یہ حرکت ناگوار ہوئی''۔[1]

عدل وانصاف:

خلافت فاروقی کا سب سے نمایاں وصف عدل وانصاف ہے' ان کے عہد میں کبھی سرمو بھی انصاف سے تجاوز نہیں ہوا' شاہ وگدا' شریف ورزیل' عزیز وبیگانہ' سب کے لیے ایک ہی قانون تھا' ایک دفعہ عمرو بن العاصؓ کے صاحبزادے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا' حضرت عمرؓ نے اسی مضروب سے ان کو کوڑے لگوائے' عمرو بن العاصؓ بھی موجود تھے' دونوں باپ بیٹا خاموشی سے عبرت کا تماشا دیکھتے گئے اور دم نہ مار سکے[2] جبلہ بن ایہم رئیس شام نے کعبہ کے طواف میں ایک شخص کو طمانچہ مارا' اس نے بھی برابر کا جواب دیا' جبلہ نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی تو انہوں نے جواب دیا کہ جیسا کیا ویسا پایا' جبلہ کو اس جواب سے حیرت ہوئی اور مرتد ہوکر قسطنطنیہ بھاگ گیا۔

حضرت عمرؓ نے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کیں تو اسامہؓ بن زید کی تنخواہ جو آنحضرتؐ کے محبوب غلام حضرت زید رضی اللہ عنہ کے فرزند تھے' اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی' عبداللہ نے عذر کیا کہ واللہ اسامہ کسی بات میں ہم سے فائق نہیں' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں! لیکن رسول

---

[1] استیعاب ج ۱ ص تذکرہ نعمان بن عدی۔ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۵

marfat.com

اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ رضی اللہ عنہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔[1]

فاروقی عدل و انصاف کا دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ ان کا دیوانِ عدل مسلمان، یہودی، عیسائی، سب کے لیے یکساں تھا، قبیلہ بکر بن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا، حضرت عمرؓ نے لکھا کہ قاتل مقتول کے ورثاء کے حوالہ کر دیا جائے چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حنین تھا سپرد کیا گیا اور اس نے اس کو مقتول عزیز کے بدلہ میں قتل کر دیا۔

حضرت عمرؓ نے ایک پیر کہن سال کو گداگری کرتے دیکھا، پوچھا ''تو بھیک مانگتا ہے؟ اس نے کہا مجھ پر جزیہ لگایا گیا ہے، حالانکہ میں بالکل مفلس ہوں''۔ حضرت عمرؓ اسے اپنے گھر لے آئے اور کچھ نقد دے کر مہتمم بیت المال کو لکھا کہ اس قسم کے ذمی مساکین کے لیے بھی وظیفہ مقرر کر دیا جائے، واللہ! یہ انصاف نہیں ہے کہ ان کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں ان کی خبر گیری نہ کریں''۔[2]

عربسوس کے عیسائیوں کو ان کی متواتر بغاوتوں کے باعث جلاوطن کیا گیا، مگر اس طرح کہ ان کی املاک کی دو چند قیمت دی گئی۔[3] نجران کے عیسائیوں کو جلاوطن کیا گیا تو ان کے ساتھ بھی اچھا سلوک کیا گیا۔[4]

علم وفضل

اسلام سے قبل عرب میں لکھنے پڑھنے کا چنداں رواج نہ تھا، چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے تو قبیلہ قریش میں صرف سترہ آدمی ایسے تھے جو لکھنا جانتے تھے، حضرت عمرؓ نے اسی زمانہ میں لکھنا اور پڑھنا سیکھ لیا تھا،[5] حضرت عمرؓ کے فرامین، خطوط توقیعات اور خطبے اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں، ان سے ان کی قوت تحریر، برجستگی کلام اور زور تحریر کا اندازہ ہو سکتا ہے، بیعت خلافت کے بعد جو خطبہ دیا اس کے چند فقرے یہ ہیں:

---

1. مستدرک حاکم جلد ۳ مناقب عبداللہ بن عمرؓ۔ 2. کتاب الخراج ص ۷۲ 3. فتوح البلدان ص ۱۶۳
4. طبری ص ۲۱۶۲۔ 5. بلاذری ص ۴۷۷

marfat.com

اللھم انی غلیظ فلینی، اللھم انی ضعیف فقونی الاوان العرب جمل انف و قد اعطیت خطامه الا و انی حامله علی المحجة.

''اے خدا میں سخت ہوں تو مجھ کو نرم کر، میں کمزور ہوں مجھ کو قوت دے ہاں عرب والے سرکش اونٹ ہیں، جن کی مہار میرے ہاتھ میں دے دی گئی ہے، لیکن میں ان کو راستہ پر چلا کر چھوڑوں گا''۔

قوت تحریر کا اندازہ اس خط سے ہو سکتا ہے جو حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے نام لکھا گیا تھا، اس کے چند فقرے یہ ہیں:

اما بعد فان القوة فی العمل ان لا تؤخر و اعمل الیوم لغد فانکم اذا فعلتم ذلک قدارکت علیکم اعمالکم فلم تدروا ایھا تاخذون فاضعتم.

''اما بعد! مضبوطی عمل کی یہ ہے کہ آج کا کام کل پر نہ اٹھا رکھو، ایسا کرو گے تو تمہارے بہت سے کام جمع ہو جائیں گے پھر پریشان ہو جاؤ گے کہ کس کو کریں اور کس کو چھوڑ دیں، اس طرح کچھ بھی نہ ہو سکے گا''۔

شاعری کا خاص ذوق تھا اور شعرائے عرب کے کلام پر تنقیدی نگاہ رکھتے تھے، مشاہیر میں سے زہیر کے کلام کو سب سے زیادہ پسند کرتے تھے، کبھی کبھی خود بھی شعر کہتے تھے[1] لیکن اس کی طرف زیادہ توغل نہ تھا۔

فصاحت و بلاغت کا یہ حال تھا کہ ان کے بہت سے مقولے ضرب المثل بن گئے جو آج بھی عربی ادب کی جان ہیں۔ علم الانساب میں بھی ید طولیٰ حاصل تھا، یہ علم کئی پشتوں سے ان کے خاندان میں چلا آتا تھا، ان کے والد خطاب مشہور نساب تھے۔ جاحظ نے لکھا ہے کہ جب وہ انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے، تو اپنے باپ کا حوالہ دیتے تھے،[2] معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر عبرانی زبان بھی انہوں نے سیکھ لی تھی، مسند دارمی میں ہے کہ ایک دفعہ

---

1. ابوعلی الحسن ابن رشیق نے کتاب العمدہ میں ان کے اشعار نقل کیے ہیں۔
2. کتاب البیان والتبیین ج ۱ ص ۱۱۷

marfat.com

حضرت عمرؓ توریت کا نسخہ آنحضرت ﷺ کے پاس لے گئے' اور پڑھنا شروع کیا وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرت ﷺ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔[1] اس سے قیاس ہوتا ہے کہ عبرانی زبان سے اس قدر واقف ہو گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

حضرت عمرؓ فطرۃً ذہین' طباع اور صائب الرائے تھے' اصابت رائے کی اس سے زیادہ اور کیا دلیل ہو سکتی ہے کہ ان کی بہت سی رائیں مذہبی احکام بن گئیں' اذان کا طریقہ ان کی رائے کے موافق ہوا' اسیران بدر کے متعلق جو رائے انہوں نے دی وحی الٰہی نے اسی کی تائید کی' شراب کی حرمت' ازواج مطہراتؓ کے پردہ اور مقام ابراہیم کو مصلی بنانے کے متعلق حضرت عمرؓ نے نزول وحی سے پہلے رسول مقبول ﷺ کو رائے دی تھی۔[2]

آپ کو بارگاہِ نبوت میں جو خاص تقرب حاصل تھا' اس کے لحاظ سے قدرۃً ان کو شرعی احکام اور عقائد سے واقف ہونے کا زیادہ موقع ملا' طبیعت نکتہ رس واقع ہوئی تھی اس لیے آئندہ نسلوں کے لیے اجتہاد اور استنباطِ مسائل کی وسیع شاہراہ قائم کر دی' وہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں بھی شرعی مسائل پر غور وفکر کیا کرتے تھے اور جب کوئی مسئلہ خلاف عقل معلوم ہوتا' تو اس کو آپ سے دریافت کیا کرتے تھے' سفر میں قصر کا حکم دے دیا گیا تھا' لیکن جب راستے مامون ہو گئے تو حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ اب سفر میں یہ حکم کیوں باقی ہے؟۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''یہ خدا کا انعام ہے''۔

مسائل دریافت کرنے میں مطلقاً پس و پیش نہیں کرتے تھے اور جب تک تشفی نہ ہو جاتی ایک ہی مسئلہ کو بار بار رسول اللہ ﷺ سے دریافت کرتے تھے' کلالہ کے مسئلہ کو جو نہایت دقیق اور مختلف فیہ مسئلہ ہے' بار بار آنحضرت ﷺ سے دریافت کیا آخر میں آپؐ نے فرمایا: سورۂ نساء کی آخری آیت تمہارے لیے کافی ہے''۔[3]

نہایت غور وتوجہ کے ساتھ قرآن پاک کی تلاوت کرتے تھے' ہر ایک آیت پر مجتہدانہ حیثیت سے نگاہ ڈالتے تھے' ایک دن صحابہؓ کے مجمع میں اس آیت کے معنی پوچھے اَیَوَدُّ اَحَدُکُمْ

---

[1] مسند دارمی ص ۶۲۔ [2] تاریخ الخلفاء ص ۱۲ بخاری کے مختلف ابواب میں یہ واقعات مذکور ہیں۔
[3] تفسیر ابن جریر ج ۶ ص ۲۵

marfat.com

اَنْ تَکُوْنَ لَہٗ جَنَّۃٌ، لوگوں نے کہا واللہ اعلم' حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے کہا کہ اس میں ایک کام کرنے والے کی تمثیل ہے' چونکہ جواب ناتمام تھا' حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہ کی' لیکن عبداللہ بن عباسؓ اس سے زیادہ نہ بتا سکے' حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ اس آدمی کی تمثیل ہے جس کو خدا نے دولت ونعمت دی کہ خدا کی بندگی بجالائے۔ لیکن اس نے نافرمانی کی تو اس کے اچھے اعمال بھی برباد کردیئے جائیں گے"۔[1]

قرآن مجید سے استدلال میں بڑی مہارت رکھتے تھے۔ عراق کی فتح کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ ممالک مفتوحہ مجاہدین کی ملکیت اور وہاں کے باشندے ان کے غلام ہیں' حضرت عمرؓ کا خیال تھا کہ ممالک مفتوحہ کسی شخص یا ایک بہت سے مخصوص اشخاص کی ملکیت نہیں ہیں' بلکہ وقف عام ہیں اور استدلال میں یہ آیت پیش کی۔ وَمَا اَفَآءَ اللّٰہُ عَلٰی رَسُوْلِہٖ مِنْ اَھْلِ الْقُرٰی۔

بالآخر سب نے اس کی تائید کی اور اسی پر فیصلہ ہوا' حضرت عمرؓ کی مرفوع روایات کی تعداد ستر سے زیادہ نہیں ہے لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ وہ صرف اسی قدر احادیث سے واقف تھے' درحقیقت انہوں نے اپنے عہد خلافت میں جس قدر احکام صادر فرمائے ہیں وہ سب احادیث ہی سے ماخوذ ہیں' یہ دوسری بات ہے کہ اس میں رسول اللہ ﷺ کا نام نہیں لیا ہے' اور نام نہ لینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف کسی قول کو منسوب کرتے میں نہایت محتاط تھے۔ جب تک اس کے ہر لفظ پر یقین نہ ہوتا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے اسی طرح بیان فرمایا ہے' اس وقت تک ہرگز ہرگز زبان سے قال رسول اللہ ﷺ کا لفظ نہیں نکالتے تھے' یہی وجہ تھی کہ وہ خود بھی بہت کم احادیث روایت کرتے تھے اور دوسروں کو بھی کثرتِ روایت سے روکتے تھے' علامہ ذہبیؒ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حالات میں لکھتے ہیں:[2]

و قد کان عمر من دجله یخطئ الصاحب علی رسول الله صلی الله علیه وسلم یا مرهم ان یقلوا الروایة عن نبیهم.

"اور حضرت عمرؓ اس ڈر سے کہ صحابہؓ آنحضرت ﷺ سے روایت کرنے میں غلطی نہ

---

[1] بخاری ج ۲ ص ۶۵۱۔ [2] تذکرۃ الحفاظ ج ۱ تذکرہ عمرؓ

کریں ان کو حکم دیتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ سے کم روایت کریں"۔

محدث کا سب سے بڑا فرض روایات کی تحقیق و تنقید اور جرح و تعدیل ہے' اگرچہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی اپنے عہد میں روایت کے قبول کرنے میں ثبوت اور شہادت کا لحاظ رکھا' لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس میں بہت زیادہ غلو تھا' اور جب تک روایت و درایت دونوں حیثیت سے اس کا ثبوت نہ پہنچتا' قبول نہ کرتے' اس کی مثالیں تفصیل کے ساتھ مذہبی خدمات کے سلسلہ میں مذکور ہو چکی ہیں' اس لیے یہاں اس کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔

فقہ کا سلسلہ بھی درحقیقت حضرت عمرؓ کا ہی ساختہ پرداختہ ہے ان سے اس قدر فقہی مسائل منقول ہیں کہ اگر جمع کیے جائیں تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو سکتی ہے' استنباطِ احکام اور تفریع مسائل کے لیے بھی انہوں نے ایک شاہراہ قائم کر دی تھی' مختلف فیہ مسائل طے کرنے کے لیے اجماع صحابہؓ جس کثرت سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد میں ہوا پھر نہیں ہوا۔

اخلاق و عادات

حضرت سرورِ کائناتؐ کی بعثت کا حقیقی مقصد دنیا کو برگزیدہ اور پسندیدہ اخلاق کی تعلیم دینا تھا' جیسا کہ خود ارشاد فرمایا **بعثت لاتمم مکارم الاخلاق** صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو براہ راست اس سرچشمہ اخلاق سے سیراب ہونے کا موقع ملا تھا اس لیے اس مقدس جماعت کا ہر فرد اسلامی اخلاق کا مجسم نمونہ تھا' لیکن حضرت عمرؓ کو بارگاہ نبویؐ میں جو تقرب حاصل تھا اس کے لحاظ سے ان کو زیادہ حصہ ملا - وہ محاسن و محامد کی مجسم تصویر تھے' ان کے آئینہ اخلاق میں خلوص انقطاع الی اللہ' لذائذ دنیا سے اجتناب' حفظ لسان' حق پرستی' راست گوئی' تواضع اور سادگی کا عکس سب سے زیادہ نمایاں نظر آتا ہے' یہ اوصاف آپ میں ایسے راسخ تھے کہ جو شخص آپ کی صحبت میں رہتا تھا' وہ بھی کم و بیش متاثر ہو کر اسی قالب میں ڈھل جاتا تھا' مسور بن مخرمہؓ کا بیان ہے کہ ہم اس غرض سے حضرت عمرؓ کے ساتھ رہتے تھے کہ ان سے پرہیزگاری و تقویٰ سیکھیں' عہد فاروقی کے افسروں اور عہدیداروں کے حالات کا بغور مطالعہ

marfat.com

کرو، تم کو معلوم ہو گا کہ وہ سب ایک ہی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

خوف خدا:

اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سر چشمہ خشیتِ الٰہی اور خداوند جل و علا کے جبروت و عظمت کا غیر متزلزل تیقن ہے، جو دل خشوع و خضوع اور خوف خداوندی سے خالی ہے اس کی حقیقت ایک مضغہ گوشت سے زیادہ نہیں، حضرت عمرؓ خشوع و خضوع کے ساتھ رات رات بھر نمازیں پڑھتے، صبح ہونے کے قریب گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھتے: وَاْمُرْ اَهْلَكَ بِالصَّلٰوةِ[1] نماز میں عموماً ایسی سورتیں پڑھتے جن میں قیامت کا ذکر یا خدا کی عظمت کے جلال کا بیان ہوتا اور اس قدر متاثر ہوتے کہ روتے روتے ہچکی بندھ جاتی، حضرت عبداللہ بن شداد کا بیان ہے کہ میں باوجودیکہ پچھلی صف میں رہتا تھا، لیکن حضرت عمرؓ یہ آیت اِنَّمَا اَشْكُوْبَثِّیْ وَحُزْنِیْ پڑھ کر اس زور سے روتے تھے کہ میں رونے کی آواز سنتا تھا۔[2]

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نماز پڑھ رہے تھے جب اس پر پہنچے:

﴿اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ لَوَاقِعٌ مَّالَهٗ مِنْ دَافِعٍ﴾

''تیرے رب کا عذاب یقینی ہو کر رہنے والا ہے اس کو کوئی دفع کرنے والا نہیں''۔

تو بہت متاثر ہوئے اور روتے روتے آنکھیں سوج گئیں، اسی طرح ایک دفعہ اس آیت پر واذا القوا منها مكانا ضيقا مقرنين دعوا هنالك ثبورًا اس قدر خضوع و خشوع طاری ہوا کہ اگر کوئی ان کے حال سے ناواقف شخص دیکھ لیتا تو یہ سمجھتا کہ اسی حالت میں روح پرواز کر جائے گی، رقت قلب اور عبرت پذیری کا یہ عالم تھا کہ ایک روز صبح کی نماز میں سورۂ یوسف شروع کی اور جب اس آیت پر پہنچے وَابْيَضَّتْ عَيْنَاهُ مِنَ الْحُزْنِ فَهُوَ كَظِيْمٌ تو زار و قطار رونے لگے، یہاں تک کہ قرآن مجید ختم کر کے رکوع پر مجبور ہو گئے۔[3]

قیامت کے مؤاخذہ سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اس کا خیال رہتا تھا، صحیح

---

[1] مؤطا امام مالک باب ماجاء فی صلوٰۃ اللیل۔ [2] بخاری کتاب الصلوٰۃ باب اذابکی الامام فی الصلوٰۃ۔ [3] کنز العمال ج ۶ ص ۳۲۷

marfat.com

بخاری میں ہے کہ ایک دفعہ ایک صحابی سے کہا کہ ''تم کو یہ پسند ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اسلام لائے' ہجرت کی' جہاد اور نیک اعمال کیے' اس کے بدلہ دوزخ سے بچ جائیں اور عذاب و ثواب برابر ہو جائے' بولے خدا کی قسم نہیں' ہم نے آپ کے بعد بھی روزے رکھے' نمازیں پڑھیں' بہت سے نیک کام کیے اور ہمارے ہاتھ پر بہت سے لوگ اسلام لائے' ہم کو ان اعمال سے بڑی بڑی توقعات ہیں' حضرت عمرؓ نے فرمایا اس ذات کی قسم! جس کے ہاتھ میں میری جان ہے مجھے تو یہی غنیمت معلوم ہوتا ہے کہ آپ عذاب سے بچ جائیں اور نیکی اور بدی برابر ہو جائیں۔[1]

ایک بار راہ میں پڑا ایک تنکا اٹھالیا اور کہا ''کاش میں بھی خس و خاشاک ہوتا' کاش! کاش! میں پیدا ہی نہ کیا جاتا' کاش میری ماں مجھے نہ جنتی''۔[2]

غرض حضرت عمرؓ کا دل ہر لمحہ خوف خداوندی سے لرزاں و ترساں رہتا تھا' آپ فرماتے کہ اگر آسمان سے ندا آئے کہ ایک آدمی کے سوا تمام دنیا کے لوگ جنتی ہیں' تب بھی مؤاخذہ کا خوف زائل نہ ہوگا کہ شاید وہ بدقسمت انسان میں ہی ہوں۔[3]

حُبّ رسول اور اتباعِ سنت:

تہذیب نفس اور اخلاقِ حمیدہ سے مزین ہونے کے لیے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اپنے دل میں مبداء خلق عظیم یعنی رسول اکرم ﷺ کی خالص محبت اور اتباع سنت کا صحیح جذبہ پیدا کرے' جو دل رسول اللہ ﷺ کی محبت سے خالی اور جو قدم اسوۂ حسنہ کے جادۂ مستقیم سے منحرف ہے وہ کبھی سعادتِ کونین کی نعمت سے متمتع نہیں ہو سکتا' ایک دفعہ حضرت عمرؓ نے بارگاہ نبوت میں عرض کیا کہ اپنی جان کے سوا حضور ﷺ تمام دنیا سے زیادہ محبوب ہیں' ارشاد ہوا عمر! میری محبت اپنی جان سے بھی زیادہ ہونی چاہیے' حضرت عمرؓ نے کہا: اب حضورؐ اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہیں۔

آپ جمال نبوت کے سچے شیدائی تھے' ان کو اس راہ میں جان و مال' اولاد اور عزیز و اقارب کی قربانی سے بھی دریغ نہ تھا' عاصی بن ہشام جو حضرت عمرؓ کا ماموں تھا' معرکہ بدر میں

[1] بخاری باب ایام الجاہلیۃ۔ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۵ [3] ایضاً

marfat.com

خود ان کے ہاتھ سے مارا گیا' اسی طرح جب آنحضرت ﷺ نے ازواج مطہراتؓ سے ناراض ہو کر علیحدگی اختیار کر لی تو حضرت عمرؓ نے یہ خبر سن کر حاضر خدمت ہونا چاہا' جب بار بار اذن طلب کرنے پر بھی اجازت نہ ملی تو پکار کر کہا" خدا کی قسم! میں حفصہؓ کی سفارش کے لیے نہیں آیا ہوں اگر رسول اللہ ﷺ حکم دیں تو اس کی گردن مار دوں۔[1]

آنحضرت ﷺ کے ساتھ حضرت عمرؓ کی محبت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضور ﷺ نے وفات پائی تو ان کو کسی طرح اس کا یقین نہیں آتا تھا' مسجد نبویؐ میں حالت وارفتگی میں قسمیں کھا کر اعلان کرتے تھے کہ جس کی زبان سے نکلے گا کہ میرا محبوب آقا دنیا سے اٹھ گیا' اس کا سر توڑ دوں گا' آپؐ کے وصال کے بعد جب کبھی عہد مبارک یاد آ جاتا تو رقت طاری ہو جاتی اور روتے روتے' بے تاب ہو جاتے' ایک دفعہ سفر شام کے موقع پر حضرت بلالؓ نے مسجد اقصیٰ میں اذان دی تو رسول اللہ ﷺ کی یاد تازہ ہو گئی اور اس قدر روئے کہ ہچکی بندھ گئی۔[2]

یہ فطری امر ہے کہ محبوب کا عزیز بھی عزیز ہوتا ہے اس بنا پر جن لوگوں کو آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں عزیز رکھتے تھے' حضرت عمرؓ نے اپنے ایام خلافت میں ان کا خاص خیال رکھا' چنانچہ جب آپ نے صحابہ ؓ کے وظائف مقرر کیے تو آنحضرت ﷺ کے محبوب غلام زید بنؓ حارثہ کے فرزند اسامہؓ بن زید کی تنخواہ اپنے بیٹے عبداللہؓ سے زیادہ مقرر کی' عبداللہؓ نے عذر کیا تو آپ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ اسامہ کو تجھ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے'[3] اسی طرح جب فتح مدائن کے بعد مال غنیمت آیا تو حضرت عمرؓ نے حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین کو ہزار ہزار درہم مرحمت فرمائے اور اپنے صاحبزادے عبداللہ کو صرف پانچ سو دیئے' حضرت عبداللہؓ نے عذر کیا اور کہا کہ جب یہ دونوں بچے تھے' اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ معرکوں میں پیش پیش رہا ہوں' حضرت عمرؓ نے کہا ہاں' لیکن ان کے بزرگوں کا جو رتبہ ہے وہ تیرے باپ دادا کا نہیں ہے۔

---

1. فتح الباری ج ۹ ص ۲۵۱ 2. فتوح الشام ازدی فتح بیت المقدس
3. مستدرک ج ۳ مناقب عبداللہ بن عمرؓ

marfat.com

ازواجِ مطہراتؓ کے مرتبہ ان کے احترام اور آرام و آسائش کا خاص لحاظ رکھتے تھے' چنانچہ ان کی تنخواہیں سب سے زیادہ بارہ ہزار مقرر کیں[1] ۲۳ھ میں جب امیر الحاج بن کر گئے تو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہم کو بھی نہایت ادب و احترام کے ساتھ ہمراہ لے گئے' حضرت عثمان اور حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہم کو سواریوں کے ساتھ کر دیا تھا' یہ لوگ آگے پیچھے چلتے تھے' اور کسی کو سواریوں کے قریب نہیں آنے دیتے تھے' ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن منزل پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ قیام کرتی تھیں اور حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف کسی کو قیام گاہ کے متصل آنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔[2]

حضرت عمرؓ کے دستورِ عمل کا سب سے زرین صفحہ اتباعِ سنت تھا' وہ خورد و نوش لباس و وضع' نشست و برخاست غرض ہر چیز میں اسوۂ حسنہ کو پیش نظر رکھتے تھے رسول اللہ ﷺ نے ہمیشہ فقر و فاقہ سے زندگی بسر کی تھی' اس لیے حضرت عمرؓ نے روم و ایران کی شہنشاہی ملنے کے بعد بھی فقر و فاقہ کی زندگی کا ساتھ نہ چھوڑا' ایک دفعہ حضرت حفصہؓ نے کہا کہ اب خدا نے مرفہ الحالی عطا فرمائی ہے' اس لیے آپ کو نرم لباس اور نفیس غذا سے پرہیز نہ کرنا چاہیے۔ حضرت عمرؓ نے کہا' جان پدر! تم رسول اللہ ﷺ کی عسرت اور تنگ حالی کو بھول گئیں' خدا کی قسم! میں اپنے آقا کے نقش قدم پر چلوں گا کہ آخرت کی فراغت اور خوش حالی نصیب ہو' اس کے بعد دیر تک رسول اللہ ﷺ کی عسرت کا تذکرہ کرتے رہے یہاں تک کہ حضرت حفصہؓ بے تاب ہو کر رونے لگیں۔[3]

ایک دفعہ یزید بن ابی سفیان کے ساتھ شریک طعام ہوئے' معمولی کھانے کے بعد دستر خوان پر جب عمدہ کھانے لائے گئے' تو حضرت عمرؓ نے ہاتھ کھینچ لیا اور کہا قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں عمرؓ کی جان ہے' اگر تم رسول اللہ ﷺ کی روش سے ہٹ جاؤ گے تو خدا تم کو جادۂ مستقیم سے منحرف کر دے گا۔[4]

اسلام میں شعائر اللہ کی تعظیم کا حکم ہے اس لیے آنحضرت ﷺ نے حجر اسود کو بوسہ دیا

---

[1] کتاب الخراج ص ۲۴ [2] ابن سعد تذکرہ عبدالرحمٰن بن عوفؓ

[3] کنز العمال ج ۶ ص ۳۳۹ [4] ایضاً ص ۳۴۵

marfat.com

ہے' حضرت عمرؓ کو اپنے زمانہ خلافت میں جب اس کا موقع پیش آیا تو اس خیال سے کہ ایسا نہ ہو کہ پتھر کو بوسہ دینے سے کبھی مسلمانوں کو یہ دھوکہ ہو کہ اس میں بھی الٰہی شان ہے' حجر اسود کو بوسہ تو دیا لیکن اس کے سامنے کھڑے ہو کر کہا:

انی اعلم انک حجر و انک لا تضر و لا تنفع و لو لا انی رأیت رسول اللہ یقبلک ما قبلتک۔

''میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے' نہ نقصان پہنچا سکتا ہے نہ نفع اگر میں رسول اللہ ﷺ کو بوسہ دیتے نہ دیکھتا تو تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا''۔

اسی طرح طواف میں رمل کا حکم مشرکین عرب کے دلوں پر رعب ڈالنے کی مصلحت پر مبنی تھا' اس لیے جب خدا نے ان کو ہلاک کر دیا تو حضرت عمرؓ کو خیال ہوا کہ اب رمل سے کیا فائدہ ہے مگر پھر آنحضرت ﷺ کی یادگار کو ترک کرنے پر جرأت نہ ہوئی [1]۔

ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہتی تھی کہ رسول اللہ ﷺ کو جو کام جس طرح کرتے دیکھا اسی طرح وہ بھی عمل پیرا ہوں' ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نے ذوالحلیفہ میں دو رکعت نماز پڑھی تھی' حضرت عمرؓ جب اس طرف سے گذرتے تو اس جگہ دو رکعت نماز ادا کر لیتے تھے' ایک شخص نے پوچھا' یہ نماز کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ میں نے یہاں رسول اللہ ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے' یہ کوشش صرف اپنی ذات تک محدود نہ تھی بلکہ وہ چاہتے تھے کہ ہر شخص کا دل اتباع سنت کے جذبہ سے معمور ہو جائے۔

ایک دفعہ جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے کہ ایک شخص مسجد میں داخل ہوا' حضرت عمرؓ نے عین خطبہ کی حالت میں اس طرف دیکھا اور کہا ''آنے کا یہ کیا وقت ہے''؟ انہوں نے کہا کہ بازار سے آ رہا تھا کہ اذان سنی' وضو کر کے فوراً حاضر ہوا' حضرت عمرؓ نے فرمایا ''وضو پر کیوں اکتفاء کیا' رسول اللہ (جمعہ کو) غسل کا حکم دیا کرتے تھے'' [2]۔

زہد و قناعت:

دنیا طلبی اور حرص تمام بداخلاقیوں کی بنیاد ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو اس سے طبعی نفرت تھی

[1] بخاری کتاب الحج [2] بخاری کتاب الجمعہ باب فضل الغسل یوم الجمعہ

marfat.com

یہاں تک کہ خود ان کے ہم مرتبہ معاصرین کو اعتراف تھا کہ وہ زہد وقناعت کے میدان میں سب سے آگے ہیں، حضرت طلحہؓ کا بیان ہے، قدامت اسلام اور ہجرت کے لحاظ سے بہت سے لوگوں کو عمر بن الخطابؓ پر فوقیت حاصل ہے لیکن زہد وقناعت میں وہ سب سے بڑھے ہوئے ہیں۔ صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب حضرت عمرؓ کو کچھ دینا چاہتے تو وہ عرض کرتے کہ مجھ سے زیادہ حاجت مند لوگ موجود ہیں جو اس عطیہ کے زیادہ مستحق ہیں، آنحضرت ﷺ ارشاد فرماتے کہ اس کو لے لو، پھر تمہیں اختیار ہے کہ اپنے پاس رکھو یا صدقہ کر دو، انسان کو اگر بے طلب مل جائے تو لے لینا چاہیے۔[1]

حضرت عمرؓ کا جسم کبھی نرم اور ملائم کپڑے سے مس نہیں ہوا، بدن پر بارہ بارہ پیوند کا کرتہ، سر پر پھٹا ہوا عمامہ اور پاؤں میں پھٹی ہوئی جوتیاں ہوتی تھیں، اسی حالت میں وہ قیصر و کسریٰ کے سفیروں سے ملتے تھے، اور وفود کو باریاب کرتے تھے، مسلمانوں کو شرم آتی تھی، مگر اقلیم زہد کے شہنشاہ کے آگے کون زبان کھولتا، ایک دفعہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے کہا: امیر المومنین! اب خدا نے مرفہ الحال کیا ہے، بادشاہوں کے سفراء اور عرب کے وفود آتے رہتے ہیں اس لیے آپ کو اپنے طرز معاشرت میں تغیر کرنا چاہیے، حضرت عمرؓ نے کہا، افسوس تم دونوں امہات المومنین ہو کر دنیا طلبی کی ترغیب دیتی ہو، عائشہؓ! تم رسول اللہ ﷺ کی اس حالت کو بھول گئیں کہ تمہارے گھر میں صرف ایک کپڑا تھا، جس کو دن میں بچھاتے تھے اور رات کو اوڑھتے تھے، حفصہؓ! تم کو یاد نہیں ہے کہ ایک دفعہ تم نے فرش کو دوہرا کر کے بچھا دیا تھا، اس کی نرمی کے باعث رسول اللہ ﷺ رات بھر سوتے رہے، بلال رضی اللہ عنہ نے اذان دی تو آنکھ کھلی، اس وقت آپ ﷺ نے فرمایا:

یا حفصة ماذا صنعت ثنیت المهاد حتی ذهب بی النوم الی الصباح مالی و للدنیا و مالی شغلتمونی بین الفراش۔[2]

''حفصہ! تم نے یہ کیا کیا کہ فرش کو دوہرا کر دیا کہ میں صبح تک سوتا رہا مجھے دنیاوی راحت سے کیا تعلق ہے؟ اور فرش کی نرمی کی وجہ سے تو نے مجھے غافل کر دیا''۔

---

[1] ابوداؤد کتاب الزکوۃ باب فی الاستعفاف [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰

marfat.com

ایک دفعہ گزی کا کرتہ ایک شخص کو دھونے اور پیوند لگانے کے لیے دیا' اس نے اس کے ساتھ ایک نرم کپڑے کا کرتہ پیش کیا' حضرت عمرؓ نے اس کو واپس کر دیا اور اپنا کرتہ لے کر کہا' اس میں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔[1]

کپڑا عموماً گزی میں بنواتے تھے' اور پھٹ جاتا تو پیوند لگاتے چلے جاتے' حضرت حفصہؓ نے اس کے متعلق گفتگو کی تو فرمایا' مسلمانوں کے مال میں اس سے زیادہ تصرف نہیں کر سکتا۔[2] ایک دفعہ دیر تک گھر میں رہے' باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے' معلوم ہوا کہ پہننے کو کپڑے نہ تھے اس لیے ان ہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے کو ڈال دیا تھا' خشک ہوئے تو وہی پہن کر باہر نکلے۔

غذا بھی عموماً نہایت سادہ ہوتی تھی' معمولاً روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا' روٹی اگر چہ گیہوں کی ہوتی تھی لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا' مہمان یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی ان کو تکلیف ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادی اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے' حفص بن ابی العاص رضی اللہ عنہ اکثر کھانے کے وقت موجود ہوتے تھے' لیکن شریک نہیں ہوتے تھے' ایک دفعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وجہ پوچھی تو کہا کہ آپ کے دسترخوان پر ایسی سادہ اور معمولی غذا ہوتی ہے کہ ہم لوگ اپنے لذیذ اور نفیس کھانوں پر اس کو ترجیح نہیں دے سکتے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ میں قیمتی اور لذیذ کھانا کھانے کی مقدرت نہیں رکھتا؟ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے' اگر قیامت کا خوف نہ ہوتا تو میں بھی تم لوگوں کی طرح دنیاوی عیش وعشرت کا دلدادہ ہوتا۔[3]

حضرت عمرؓ ہر شخص کو اپنی طرح زاہد اور سادگی کی حالت میں دیکھنا چاہتے تھے' وقتاً فوقتاً اپنے عمال اور احکام کو ہدایت کرتے رہتے تھے' کہ رومیوں اور عجمیوں کی طرز معاشرت نہ اختیار کریں سفر شام میں جب انہوں نے افسروں کو اس وضع میں دیکھا کہ بدن پر حریر و دیبا کے حلے اور پر تکلف قبائیں ہیں اور وہ اپنی زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے ہیں' تو آپ کو اس قدر غصہ آیا کہ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر

1 کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۶ 2 ایضاً ص ۳۴۲ 3 ایضاً ص ۳۴۶

marfat.com

ان پر پھینکے اور فرمایا کہ اس قدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں' اسی طرح ایک دفعہ ایک شخص جس کو انہوں نے یمن کا عامل مقرر کیا تھا' اس صورت میں ملنے آیا کہ لباس فاخرہ زیب تن کیے ہوئے تھے اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا' اس وضع کو دیکھ کر حضرت عمرؓ نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر موٹا جھوٹا کپڑا پہنایا۔

احنف بن قیس ایک جماعت کے ساتھ عراق کی ایک مہم پر روانہ کیے گئے وہ وہاں سے کامیاب ہو کر تزک و احتشام کے ساتھ واپس آئے تو حضرت عمرؓ نے ان کی زرق برق پوشاک دیکھ کر منہ پھیر لیا' وہ لوگ امیر المومنین کو برہم دیکھ کر دربار سے اٹھ آئے اور عرب کی سادہ پوشاک زیب تن کر کے پھر حاضر خدمت ہوئے' حضرت عمرؓ اس لباس میں دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور فرداً فرداً ہر ایک سے بغلگیر ہوئے۔

قناعت کا یہ حال تھا کہ اپنے زمانہ خلافت میں چند برس تک مسلمانوں کے مال سے ایک خرمہرہ نہیں لیا' حالانکہ فقر و فاقہ سے حالت تباہ تھی' صحابہؓ نے ان کی عسرت اور تنگدستی کو دیکھ کر اس قدر تنخواہ مقرر کر دی جو معمولی خوارک اور لباس کے لیے کافی ہو لیکن شہنشاہ قناعت نے اس شرط پر قبول کیا کہ جب تک ضرورت ہے لوں گا اور جب میری مالی حالت درست ہو جائے گی' کچھ نہ لوں گا' فرمایا کرتے تھے کہ میرا حق مسلمانوں کے مال میں اسی قدر ہے جس قدر یتیم کے مال میں ولی کا ہوتا ہے[1] میں اپنی ذات پر اس سے زیادہ نہیں صرف کر سکتا جس قدر خلافت سے پہلے اپنے مال میں سے صرف کرتا تھا' ایک دفعہ ربیع بن زیاد حارثی نے کہا' امیر المومنین! آپ کو خدا نے جو مرتبہ بخشا ہے اس کے لحاظ سے آپ دنیا میں سب سے زیادہ عیش و نشاط کی زندگی کے مستحق ہیں' حضرت عمرؓ نہایت خفا ہوئے اور فرمایا میں قوم کا امین ہوں' امانت میں خیانت کب جائز ہے[2]، ایک دفعہ عتبہ بن فرقد شریک طعام تھے اور ابلا ہوا گوشت اور سوکھی روٹی کے ٹکڑے زبردستی حلق سے فرو کر رہے تھے' حضرت عمرؓ نے کہا اگر تم سے نہیں کھایا جاتا تو نہ کھاؤ' عتبہؓ سے نہ رہا گیا' کہنے لگے امیر المومنین! اگر آپ اپنے کھانے پہننے میں کچھ زیادہ صرف کریں گے تو اس سے مسلمانوں کا مال کم نہ ہو جائے گا حضرت عمرؓ نے کہا'

---

1 کنز العمال ج ۶ ص ۳۳۰ 2 کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۶

marfat.com

افسوس تم مجھے دنیاوی عیش و تنعم کی ترغیب دیتے ہو۔[1]

اپنے وسیع کنبہ کے لیے بیت المال سے صرف دو درہم روزانہ لیتے تھے اور تکلیف و عسرت کے ساتھ بسر کرتے تھے' ایک دفعہ حج میں اسی درہم صرف ہو گئے' تو اس کا افسوس ہوا اور اسے اسراف تصور کیا[2] کپڑے پھٹ جاتے تھے' لیکن اس خیال سے کہ بیت المال پر بار نہ پڑے' اسی میں پیوند پر پیوند لگاتے جاتے تھے' حضرت امام حسنؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمرؓ جمعہ کے روز خطبہ دے رہے تھے' میں نے شمار کیا تو ان کے تہبند پر بارہ پیوند لگے ہوئے تھے' [3] انسؓ بن مالک کا بیان ہے کہ میں نے زمانہ خلافت میں دیکھا کہ ان کے کرتہ کے مونڈھے پر تہ بہ تہ پیوند لگے ہوئے ہیں' [4] غرض فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے زہد و قناعت کا جو نمونہ پیش کیا' دنیا کی تاریخ اس کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے' اور حقیقت یہ ہے کہ ان کی عظمت و شان کے تاج پر زہد و قناعت ہی کا طرہ زیب دیتا ہے۔

خلافت کے بار گراں نے حضرت عمرؓ کو بہت زیادہ محتاط بنا دیا تھا' کیونکہ اس وقت ان کی معمولی بے احتیاطی اور فروگذاشت قوم کے لیے صدہا خرابیوں کا باعث ہو سکتی تھی اور مشکوک طبائع ان کی ذرا سی لغزش سے طرح طرح کے افسانے اختراع کر سکتے تھے' حضرت عمرؓ نے اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیئے کہ اس میں جانبداری پائی جاتی تھی' عمال و حکام کے تحائف واپس کر دیتے' اور اس سختی سے چشم نمائی کرتے کہ پھر کسی کو جرأت نہ ہوتی' ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے آپ کی زوجہ عاتکہ بنت زید کے پاس ہدیۃً ایک نفیس چادر بھیجی' حضرت عمرؓ نے دیکھا تو ابوموسیٰ اشعریؓ کو بلا کر کہا مجھے اس کی ضرورت نہیں[5] اسی طرح ایک دفعہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے بیت المال کا جائزہ لیا تو وہاں صرف ایک درہم موجود تھا' انہوں نے اس خیال سے کہ یہ یہاں کیوں پڑا رہے' اٹھا کر حضرت عمرؓ کے صاحبزادے کو دے دیا' حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو انہوں نے درہم واپس لے کر بیت المال میں داخل کر دیا اور ابوموسیٰ اشعریؓ کو بلا کر فرمایا کہ افسوس تم کو مدینہ میں آل عمرؓ کے سوا کوئی

---

[1] ایضاً ص ۳۴۸ [2] اسد الغابہ ج ۴ ص ۷۲ [3] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۷

[4] مؤطا امام مالک باب ماجاء فی لبس الثیاب۔ [5] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰

marfat.com

کمزور نظر نہ آیا' تم چاہتے ہو کہ قیامت کے دن تمام امت محمدیہ ﷺ کا مطالبہ میری گردن پر ہو۔[1]

فتح شام کے بعد قیصر روم سے دوستانہ مراسم ہو گئے تھے' اور خط و کتابت رہتی تھی' ایک دفعہ ام کلثومؓ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کے طور پر عطر کی چند شیشیاں بھیجیں' اس نے اس کے جواب میں شیشیوں کو جواہرات سے بھر کر بھیجا' حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تمہارا تھا' لیکن قاصد جو لے کر گیا وہ سرکاری تھا اور اس کے مصارف عام آمدنی سے ادا کیے گئے تھے' چنانچہ جواہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے اور ان کو کچھ معاوضہ دے دیا' اسی طرح ایک بازار میں ایک فربہ اونٹ فروخت ہوتے دیکھا' دریافت سے معلوم ہوا کہ آپ کے صاحبزادے عبداللہؓ کا ہے' ان سے پوچھا کہ یہ اونٹ کیسا ہے؟ انہوں نے کہا کہ میں نے اس کو خرید کر سرکاری چراگاہ میں بھیج دیا تھا اور اب کچھ فربہ ہو گیا ہے تو بیچنا چاہتا ہوں' حضرت عمرؓ نے فرمایا چونکہ یہ سرکاری چراگاہ میں فربہ ہوا ہے اس لیے تم صرف راس المال کے مستحق ہو اور بقیہ قیمت لے کر بیت المال میں داخل کر دی۔[2]

خلافت سے پہلے آپ تجارت کرتے تھے' بیت المال سے وظیفہ مقرر ہونے سے پیشتر تک کچھ دنوں زمانہ خلافت میں بھی یہ مشغلہ جاری تھا' ایک دفعہ شام کی طرف مال بھیجنا چاہا روپیہ کی ضرورت ہوئی تو حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ سے قرض طلب کیا' انہوں نے کہا آپ امیر المومنین ہیں' بیت المال سے اس قدر رقم قرض لے سکتے ہیں' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ بیت المال سے نہیں لوں گا' کیونکہ اگر ادا کرنے سے پہلے مر جاؤں گا تو تم لوگ میرے ورثاء سے مطالبہ نہ کرو گے اور یہ بار میرے سر رہ جائے گا' اس لیے چاہتا ہوں کہ کسی ایسے شخص سے لوں جو میرے متروکہ سے وصول کرنے پر مجبور ہو۔[3]

ایک دفعہ بیمار ہوئے طبیبوں نے شہد تجویز کیا' بیت المال میں شہد موجود تھا' لیکن قلب متقی بغیر مسلمانوں کی اجازت کے لینے پر راضی نہ تھا' چنانچہ اسی حالت میں مسجد میں تشریف لائے اور مسلمانوں کو جمع کر کے اجازت طلب کی' جب لوگوں نے اجازت دے دی

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰۔ [2] ایضاً ص ۳۵۷

[3] طبقات ابن سعد جلد ثالث قسم اول ص ۱۹۹

marfat.com

تو استعمال فرمایا[1] بحرین سے مال غنیمت میں مشک و عنبر آیا اس کو مسلمانوں میں تقسیم کرنے کے لیے کسی ایسے شخص کی تلاش ہوئی جس کو عطریات کے وزن میں دست گاہ ہو' حضرت عمرؓ کی بیوی عاتکہ بنت زیدؓ نے کہا کہ میں اس کام کو کر سکتی ہوں' حضرت عمرؓ نے کہا تم سے یہ کام نہیں لوں گا' کیونکہ مجھے خوف ہے کہ تمہاری انگلیوں میں جو کچھ لگ جائے گا اسے اپنے جسم پر لگاؤ گی اور اس طرح عام مسلمانوں سے زیادہ میرے حصہ میں آ جائے گا[2]

ابو موسیٰ اشعریؓ نے عراق سے زیورات بھیجے' اس وقت آپ کی گود میں آپ کی سب سے محبوب یتیم بھتیجی اسماء بنت زیدؓ کھیل رہی تھی اس نے ایک انگوٹھی ہاتھ میں لے لی' حضرت عمرؓ نے بلطائف الحیل اس سے لے کر زیورات میں ملا دی اور لوگوں سے کہا کہ اس لڑکی کو میرے پاس سے لے جاؤ' اسی طرح عبداللہ بن ارقم نے معرکہ جلولا کے بعد زیورات بھیجے تو آپ کے ایک صاحبزادے نے ایک انگوٹھی کی درخواست کی' حضرت عمرؓ اس سوال پر خفا ہوئے اور کچھ نہ دیا[3]

ایک دفعہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا یہ سن کر کہ مال غنیمت آیا ہوا ہے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور کہا امیر المومنین! اس میں میرا حق مجھ کو عنایت کیجئے' میں ذوی القربیٰ میں سے ہوں' حضرت عمرؓ نے کہا نورِ نظر! تیرا حق میرے خاص مال میں ہے' یہ تو غنیمت کا مال ہے افسوس ہے کہ تو نے اپنے باپ کو دھوکہ دینا چاہا' وہ بیچاری خفیف ہو کر چلی گئیں۔

حضرت عمرؓ کی تمنا تھی کہ اپنے محبوب آقا حضرت سرور کائنات ﷺ کے پہلو میں مدفون ہوں' حضرت عائشہؓ نے اجازت دے دی تھی' مگر خیال یہ تھا کہ شاید خلافت کے رعب نے انہیں مجبور کیا ہو' اس لیے اپنے صاحبزادے کو وصیت فرمائی کہ مرنے کے بعد ایک مرتبہ پھر اجازت لی جائے' اگر اذن ہو تو خیر ورنہ عام مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کر دینا' اس طرح وفات کے بعد بھی فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ورع و تقویٰ کا بدیع المثال نمونہ پیش کیا رضی اللہ عنہ

تواضع:

حضرت عمرؓ کی عظمت و شان اور رعب و داب کا ایک طرف تو یہ حال تھا کہ محض نام

---

1 ایضاً ص ۱۹۸ 2 کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰ ـ 3 کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۰

marfat.com

سے قیصر وکسریٰ کے ایوان حکومت میں لرزہ پیدا ہو جاتا تھا' دوسری طرف تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ کاندھے پر مشک رکھ کر بیوہ عورتوں کے لیے پانی بھرتے تھے' مجاہدین کی بیویوں کا بازار سے سودا سلف خرید کر لا دیتے تھے' پھر اس حالت میں تھک کر مسجد کے گوشہ میں فرش خاک پر لیٹ جاتے تھے۔

ایک دفعہ اپنے ایام خلافت میں سر پر چادر ڈال کر باہر نکلے ایک غلام کو گدھے پر سوار جاتے دیکھا' چونکہ تھک گئے تھے' اس لیے اپنے ساتھ بٹھا لینے کی درخواست کی' اس کے لیے اس سے زیادہ شرف کیا ہوسکتا تھا' فوراً اتر پڑا اور سواری کے لیے اپنا گدھا پیش کیا' حضرت عمرؓ نے کہا میں اپنی وجہ سے تمہیں تکلیف نہیں دے سکتا' تم جس طرح سوار تھے سوار رہو' میں تمہارے پیچھے بیٹھ لوں گا' غرض اسی حالت میں مدینہ کی گلیوں میں داخل ہوئے' لوگ امیر المومنینؓ کو ایک غلام کے پیچھے دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔[1]

آپ کو بارہا سفر کا اتفاق ہوا لیکن خیمہ وخرگاہ کبھی ساتھ نہیں رہا' درخت کا سایہ شامیانہ اور فرش خاک بستر تھا' سفر شام کے موقع پر مسلمانوں نے اس خیال سے کہ عیسائی امیر المومنین کے معمولی لباس اور بے سرو سامانی کو دیکھ کر اپنے دل میں کیا کہیں گے؟ سواری کے لیے ترکی گھوڑا اور پہننے کے لیے قیمتی لباس پیش کیا' حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدا نے ہم کو جو عزت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لیے یہی بس ہے۔

ایک دن صدقہ کے اونٹوں کے بدن پر تیل مل رہے تھے' ایک شخص نے کہا امیر المومنین! یہ کام کسی غلام سے لیا ہوتا؟ بولے مجھ سے بڑھ کر کون غلام ہوسکتا ہے؟ جو شخص مسلمانوں کا والی ہے وہ ان کا غلام بھی ہے۔[2]

تشدد وترحم:

حضرت عمرؓ کی تند مزاجی کے افسانے نہایت کثرت سے مشہور ہیں اور ایک حد تک وہ صحیح بھی ہیں' لیکن یہ قیاس صحیح نہیں ہے کہ قدرت نے ان کو لطف اور رحم دلی سے ناآشنا رکھا تھا' اصل یہ ہے کہ ان کا غیظ وغضب بھی خدا کے لیے تھا اور لطف ورحم بھی اسی کے لیے' جیسا

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب فقہ البیعہ۔ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۳

marfat.com

کہ ایک موقع پر خود ارشاد فرمایا تھا:

و اللہ لان قلبی فی اللہ حتی لھو الین من الزبد و لقد اشد قلبی فی اللہ لھو اشد من الحجر.

''واللہ! میرا دل خدا کے بارہ میں نرم ہوتا ہے تو جھاگ سے بھی نرم ہو جاتا ہے اور سخت ہوتا ہے تو پتھر سے بھی زیادہ سخت ہوتا ہے''۔

مثال کے طور پر چند واقعات درج ذیل ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ کا غصہ اور لطف و رحم محض خدا کے لیے تھا' ذاتیات کو مطلقاً دخل نہ تھا۔

غزوۂ بدر میں کافروں نے بنو ہاشم کو مسلمانوں سے لڑنے پر مجبور کیا تھا' اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ عباسؓ کہیں نظر آئیں تو ان کو قتل نہ کرنا' ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کی زبان سے نکل گیا کہ بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہے؟ اگر عباسؓ سے مقابلہ ہو گیا تو ضرور مزہ چکھاؤں گا' حضرت عمرؓ یہ گستاخی دیکھ کر آپے سے باہر ہو گئے' اور کہا اجازت دیجئے کہ میں اس کا سر اڑا دوں۔[1]

حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ بڑے رتبہ کے صحابی تھے' یہ خود ہجرت کر کے مدینہ چلے آئے تھے' لیکن ان کے اہل و عیال مکہ میں تھے' جب آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کا قصد فرمایا' تو حاطب نے اپنے اہل و عیال کی حفاظت کے خیال سے اپنے بعض دوستوں کو اس کی اطلاع دے دی۔ حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو برافروختہ ہو کر آنحضرت ﷺ سے عرض کیا کہ اجازت دیجئے کہ اس کو قتل کر دوں۔[2]

اسی طرح خویصرہ نے ایک دفعہ گستاخانہ کہا ''محمد (ﷺ)'' ''عدل کر'' حضرت عمرؓ غصے سے بے تاب ہو گئے اور اس کو قتل کر دینا چاہا لیکن رحمۃ للعالمین ﷺ نے منع کیا۔

غرض اسی قسم کے متعدد واقعات ہیں جن سے اگر تم مزاج کی سختی کا اندازہ کر سکتے ہو تو دوسری طرف للٰہیت کا بھی اعتراف کرنا پڑے گا۔

---

1. ابن سعد قسم اول جزو ۱۴ تذکرہ عباسؓ ص ۴
2. بخاری کتاب المغازی باب غزوہ فتح و مابعث بہ حاطب بن ابی بلتعہ

marfat.com

ایام خلافت میں جو سختیاں ظاہر ہوئیں وہ اصول سیاست کے لحاظ سے نہایت ضروری تھیں۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کی معزولی' حکام سے سختی کے ساتھ باز پرس' مذہبی پابندی کے لیے تنبیہ و تعزیر اور اسی قسم کے تمام امور حضرت عمرؓ کے فرائض منصبی میں داخل تھے' اس لیے انہوں نے جو کچھ کیا وہ منصب خلافت کی حیثیت سے ان پر واجب تھا' ورنہ ان کا دل لطف و محبت کے شریفانہ جذبات سے خالی نہ تھا' بلکہ وہ جس قدر مذہبی اور انتظامی معاملات میں سختی اور تشدد کرتے تھے' ہمدردی کے موقعوں پر اس سے زیادہ لطف و رحم کا برتاؤ کرتے تھے' خدا کی ذی عقل مخلوق میں غلاموں سے زیادہ قابل رحم حالت کسی کی نہیں ہوگی' حضرت عمرؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لینے کے ساتھ تمام عربی غلاموں کو آزاد کرادیا[1] اور یہ قانون بنادیا کہ اہل عرب کسی کے غلام نہیں ہوسکتے' کنز العمال میں بہ تصریح ان کا قول مذکور ہے کہ **لا تسترق عربی** یعنی عربی غلام نہیں ہوسکتا' عام غلاموں کا آزاد کرانا بہت مشکل تھا' تاہم ان کے حق میں بہت سی مراعات قائم کیں' مجاہدین کی تنخواہیں مقرر ہوئیں' تو آقا کے ساتھ اسی قدر ان کے غلام کی تنخواہ مقرر ہوئی[2] اکثر غلاموں کو بلا کر ساتھ کھانا کھلاتے' ایک شخص نے دعوت کی تو محض اس وجہ سے برافروختہ ہو کر اٹھ گئے کہ اس نے دسترخوان پر اپنے غلام کو نہیں بٹھایا تھا' آپ اکثر حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ جو لوگ غلاموں کو اپنے ساتھ کھانا کھلانا عار سمجھتے ہیں خدا ان پر لعنت بھیجتا ہے' غلاموں کے لیے سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے' حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ کوئی غلام اپنے اعزہ سے جدا نہ کیا جائے۔[3]

۱۸ھ میں جب عرب میں قحط پڑا اس وقت حضرت عمرؓ کی بیقراری قابل دید تھی' دور دراز ممالک سے غلہ منگوا کر تقسیم کیا' گوشت گھی اور دوسری مرغوب غذائیں ترک کردیں' اپنے لڑکے کے ہاتھ میں خربزہ دیکھ کر خفا ہوئے کہ قوم فاقہ مست ہے اور تو تفکہات سے لطف اٹھاتا ہے' غرض جب تک قحط رہا' حضرت عمرؓ نے ہر قسم کے عیش و لطف سے اجتناب رکھا۔[4]

عراق عجم کے معرکہ میں نعمان بن مقرن اور دوسرے بہت سے مسلمان شہید ہوئے

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۵۸۔ [2] فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافت عمر بن الخطابؓ
[3] کنز العمال ج ۲ ص ۲۲۶ [4] ایضاً ج ۶ وقائع الرمادہ ص ۳۴۳

marfat.com

حضرت عمر ؓ پر ان کی شہادت کا اتنا اثر تھا کہ زار و قطار روتے تھے مال غنیمت آیا تو غصہ سے واپس کر دیا کہ مجاہدین اور شہداء کے ورثاء میں تقسیم کر دیا جائے۔

تم نے انتظامات کے سلسلہ میں پڑھا ہو گا کہ حضرت عمرؓ نے اپنے عہد میں ہر جگہ لنگر خانے مسافر خانے اور یتیم خانے بنوائے تھے غرباء مساکین اور مجبور و لاچار آدمیوں کے روزینے مقرر کر دیئے تھے کیا یہ تمام امور لطف و ترحم کے دائرہ سے باہر ہیں۔

حضرت عمر ؓ نے ذمیوں اور کافروں کے ساتھ جس رحم دلی اور لطف کا سلوک کیا آج مسلمان' مسلمان سے نہیں کرتے' زندگی کے آخری لمحے تک ذمیوں کا خیال رہا' وفات کے وقت وصیت میں ذمیوں کے حقوق پر خاص زور دیا۔[1]

عفو:

اس لطف و ترحم کی بنا پر حضرت عمرؓ عفو اور درگذر سے بھی کام لیتے تھے' ایک دفعہ حر بن قیس اور عینیہ بن حصن حاضر خدمت ہوئے' عینیہ نے کہا آپ انصاف سے حکومت نہیں کرتے' حضرت عمرؓ اس گستاخی پر بہت غضب ناک ہوئے' حر بن قیس نے کہا امیر المومنین! قرآن مجید میں آیا ہے خذا لعفو و امر بالعرف و اعرض عن الجاهلين یہ شخص جاہل ہے اس کی بات کا خیال نہ کیجئے' اس گفتگو سے حضرت عمرؓ کا غصہ بالکل ٹھنڈا پڑ گیا۔[2]

رفاہِ عام:

حضرت عمرؓ نے فریضہ خلافت کی حیثیت سے رفاہ عام اور بنی نوع انسان کی بہبودی کے جو کام کیے اس کی تفصیل گذر چکی ہے ذاتی حیثیت سے بھی ان کا ہر لمحہ خلق اللہ کی نفع رسانی کے لیے وقف تھا' ان کا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور عورتوں سے پوچھ کر بازار سے سودا سلف لا دیتے' مقام جنگ سے قاصد آتا تو اہل فوج کے خطوط ان کے گھروں میں پہنچا آتے اور جس گھر میں کوئی پڑھا لکھا نہ ہوتا خود ہی چوکھٹ پر بیٹھ جاتے اور گھر والے جو کچھ لکھاتے لکھ دیتے' راتوں کو عموماً گشت کرتے کہ عام آبادی کا حال معلوم ہو' ایک دفعہ گشت کرتے ہوئے مدینہ سے تین میل کے فاصلہ پر مقام حرار پہنچے' دیکھا کہ ایک عورت پکار

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب قصہ البیعہ والاتفاق علی عثمانؓ۔ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۴

marfat.com

رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں' پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی' عورت نے کہا بچے بھوک سے تڑپ رہے ہیں' میں نے ان کے بہلانے کو خالی ہانڈی چڑھا دی ہے حضرت عمرؓ اسی وقت مدینہ آئے اور آٹا' گھی' گوشت اور کھجوریں لے چلے' حضرت عمرؓ کے غلام اسلم نے کہا میں لیے چلتا ہوں' فرمایا: ہاں قیامت میں تم میرا بار نہیں اٹھاؤ گے اور خود ہی سب سامان لے کر عورت کے پاس گئے' اس نے کھانا پکانے کا انتظام کیا' حضرت عمرؓ نے خود چولہا پھونکا' کھانا تیار ہوا تو بچے کھا کر خوشی خوشی اچھلنے کودنے لگے' حضرت عمرؓ دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے۔[1]

ایک دفعہ کچھ لوگ شہر کے باہر اترے' حضرت عمرؓ نے عبدالرحمٰنؓ بن عوف کو ساتھ لیا اور کہا مجھ کو ان کے متعلق مدینہ کے چوروں کا ڈر لگا ہوا ہے' چلو ہم دونوں چل کر پہرہ دیں' چنانچہ دونوں آدمی رات بھر پہرہ دیتے رہے۔[2]

ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے کہ ایک بدو کے خیمہ سے رونے کی آواز آئی دریافت سے معلوم ہوا کہ بدو کی عورت دردزہ میں مبتلا ہے' حضرت عمرؓ گھر آئے اور اپنی بیوی ام کلثومؓ کو ساتھ لے کر بدو کے خیمہ پر گئے' تھوڑی دیر کے بعد بچہ پیدا ہوا' ام کلثومؓ نے پکار کر کہا اے امیر المومنین! اپنے دوست کو مبارک باد دیجئے' بدو امیر المومنین کا لفظ سن کر چونک پڑا' حضرت عمرؓ نے کہا کچھ خیال نہ کرو' کل میرے پاس آنا بچہ کی تنخواہ مقرر کر دوں گا۔[3]

حضرت عمرؓ اپنی غیر معمولی مصروفیات میں سے بھی مجبور' بیکس اور اپاہج آدمیوں کی خدمت گذاری کے لیے وقت نکال لیتے تھے' مدینہ سے اکثر نابینا اور ضعیف اشخاص فاروق اعظمؓ کی خدمت گذاری کے ممنون تھے' خلوص کا یہ عالم تھا کہ خود ان لوگوں کو خبر بھی نہ تھی کہ یہ فرشتہ رحمت کون ہے؟ حضرت طلحہؓ کا بیان ہے کہ ایک روز علی الصبح امیر المومنین کو ایک جھونپڑے میں جاتے دیکھا' خیال ہوا کہ فاروق اعظمؓ کا کیا کام؟ دریافت سے معلوم ہوا کہ اس میں ایک نابینا ضعیفہ رہتی ہے اور وہ روزانہ اس کی خبر گیری کے لیے جایا کرتے ہیں۔

---

[1] کنز العمال ج ۶ ص ۳۵۲ [2] طبری ص ۲۷۴۳
[3] کنز العمال ج ۶ ص ۳۴۳

marfat.com

خدا کی راہ میں دینا:

حضرت عمرؓ بہت زیادہ دولت مند نہ تھے تاہم انہوں نے جو کچھ خداہ کی راہ میں صرف کیا وہ ان کی حیثیت سے بہت زیادہ تھا' ۹ ھ میں آنحضرت ﷺ نے غزوہ تبوک کی تیاری کی تو اکثر صحابہؓ نے ضروریات جنگ کے لیے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں حضرت عمرؓ نے اس موقعہ پر اپنے مال واسباب میں سے آدھا لے کر پیش کیا۔[1]

یہودی بنی حارثہ سے آپ کو ایک زمین ملی تھی اس کو خدا کی راہ میں وقف کر دیا' اسی طریقہ سے خیبر میں ایک بہترین سیر حاصل قطعہ اراضی ملا تو آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ مجھے ایک قطعہ زمین ملا ہے' جس سے بہتر میرے پاس کوئی جائیداد نہیں ہے' آپ کا کیا ارشاد ہے؟ آپ نے فرمایا وقف کر دو چنانچہ حسب ارشاد نبویؐ فقراء اعزہ' مسافر' غلام اور جہاد کے لیے وقف کر دیا۔[2]

ایک دفعہ ایک اعرابی نے نہایت رقت انگیز اشعار سنائے اور دستِ سوال دراز کیا' حضرت عمرؓ متاثر ہو کر بہت روئے اور کرتہ اتار کر دے دیا۔

مساوات کا خیال:

عہد فاروقی میں شاہ و گدا' امیر و غریب' مفلس و مالدار سب ایک حال میں نظر آتے تھے' عمال کو تاکیدی حکم تھا کہ کسی طرح کا امتیاز و نمود اختیار نہ کریں' حضرت عمرؓ نے خود ذاتی حیثیت سے بھی مساوات کو اپنا خاص شعار بنایا تھا' یہی وجہ تھی کہ انہوں نے اپنی معاشرت نہایت سادہ رکھی تھی' تعظیم و تکریم کو دل سے ناپسند کرتے تھے' ایک دفعہ کسی نے کہا' میں آپ پر قربان! فرمایا ایسا نہ کہو' اس سے تمہارا نفس ذلیل ہو جائے گا' اسی طرح زید بنؓ ثابت قاضی مدینہ کی عدالت میں مدعا علیہ کی حیثیت سے گئے تو انہوں نے تعظیم کے لیے جگہ خالی کر دی' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا ''تم نے اس مقدمہ میں یہ پہلی ناانصافی کی'' یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔[3]

---

[1] ترمذی فضائل ابی عمرؓ۔ [2] ابوداؤد کتاب الوصایا باب ما جاء فی الرجل یوقف الوقف

[3] کنز العمال ج ۳ ص ۱۷۴

marfat.com

آپ کا مقولہ تھا کہ میں اگر عیش و تنعم کی زندگی بسر کروں اور لوگ مصیبت و افلاس میں رہیں تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا' سفر شام میں نفیس و لذیذ کھانے پیش کیے گئے تو پوچھا کہ عام مسلمانوں کو بھی یہ الوان نعمت میسر ہیں؟ لوگوں نے کہا ہر شخص کے لیے کس طرح ممکن ہے؟ فرمایا' تو پھر مجھے بھی اس کی حاجت نہیں۔

خلافت کی حیثیت سے فاروق اعظمؓ کے جاہ و جلال کا سکہ تمام دنیا پر بیٹھا ہوا تھا لیکن مساوات کا یہ عالم تھا کہ قیصر و کسریٰ کے سفراء آتے تھے تو انہیں یہ پتہ نہیں چلتا تھا کہ شاہ کون ہے؟ درحقیقت حضرت عمرؓ نے خود نمونہ بن کر مسلمانوں کو مساوات کا ایسا درس دیا تھا کہ حاکم و محکوم اور آقا و غلام کے سارے امتیازات اٹھ گئے تھے۔

غیرت:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ بالطبع غیور واقع ہوئے تھے' یہاں تک کہ خود رسول اللہ ﷺ ان کی غیرت کا پاس و لحاظ کرتے تھے' صحیح مسلم' ترمذی اور صحاح کی تقریباً سب کتابوں میں باختلاف الفاظ مروی ہے کہ معراج کے موقعہ پر رسول اللہ ﷺ نے جنت میں ایک عالی شان طلائی قصر ملاحظہ فرمایا' جو فاروق اعظمؓ کے لیے مخصوص تھا' اس کے اندر صرف اس وجہ سے تشریف نہیں لے گئے' کہ آپ کو ان کی غیرت کا حال معلوم تھا۔ آپؐ نے حضرت عمرؓ سے اس کا ذکر فرمایا تو وہ رو کر کہنے لگے' بابی انت امی علیک اغار ۔ (یعنی میرے ماں باپ فدا ہوں کیا میں حضورؐ کے مقابلہ میں غیرت کروں گا؟[1]

آیت حجاب نازل ہونے سے پہلے عرب میں پردہ کا رواج نہ تھا' یہاں تک کہ خود ازواج مطہراتؓ پردہ نہیں کرتی تھیں' حضرت عمرؓ کی غیرت اس بے حجابی کو نہایت ناپسند کرتی تھی' بار بار رسول اللہ ﷺ سے ملتجی ہوئے کہ آپ ازواج مطہراتؓ کو پردہ کا حکم دیں' اس خواہش کے بعد ہی آیت حجاب نازل ہوئی۔

آپ کی غیرت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ جب آپ کو خبر ملی کہ مسلمان عورتیں حماموں میں عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں تو تحریری حکم جاری کیا کہ مسلمان

---

[1] بخاری مناقب عمرؓ

marfat.com

عورت کا غیر مذہب والی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں۔

خانگی زندگی:

حضرت عمرؓ کو اولاد و ازواج سے محبت تھی مگر اس قدر نہیں کہ خالق و مخلوق کے تعلقات میں فتنہ ثابت ہو' اہل خاندان سے بھی بہت زیادہ شغف نہ تھا' البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت رکھتے تھے' جب وہ یمامہ کی جنگ میں شہید ہوئے تو نہایت قلق ہوا' فرمایا کرتے تھے کہ جب یمامہ کی طرف سے ہوا چلتی ہے تو مجھ کو زید کی خوشبو آتی ہے[1] زید نے اسماء نامی ایک لڑکی چھوڑی تھی اس کو بہت پیار کرتے تھے۔

مکہ سے ہجرت کر کے آئے تو مدینہ سے دو میل کے فاصلہ پر عوالی میں رہتے تھے لیکن خلافت کے بعد خاص مدینہ میں مسجد نبویؐ کے متصل سکونت اختیار کی' چونکہ وفات کے وقت وصیت کر دی تھی کہ مکان بیچ کر قرض ادا کیا جائے اس لیے یہ مکان فروخت کر دیا گیا اور عرصہ دراز تک دار القضا کے نام سے مشہور رہا۔

حصول معاش کا اعلیٰ ذریعہ تجارت تھا' مدینہ پہنچ کر زراعت بھی شروع کی تھی لیکن خلافت کے بارگراں نے انہیں ذاتی مشاغل سے روک دیا تو ان کی عسرت کو دیکھ کر صحابہؓ نے اس قدر تنخواہ مقرر کر دی جو معمولی خوراک اور لباس کے لیے کافی ہو۔ ۱۵ھ میں لوگوں کے وظیفے مقرر ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ وظیفہ مقرر ہوا۔[2]

غذا نہایت سادہ تھی یعنی صرف روٹی اور روغن زیتون پر گذارہ تھا' کبھی کبھی گوشت دودھ' ترکاری اور سرکہ بھی دستر خوان پر ہوتا تھا' لباس بھی نہایت معمولی ہوتا تھا' بیشتر صرف قمیص پہنتے تھے' اکثر عمامہ باندھتے تھے' جوتی قدیم عربی وضع کی ہوتی تھی۔

حلیہ یہ تھا' رنگ گندم گوں' سر چندلا' رخسارے کم گوشت' داڑھی گھنی اور مونچھیں بڑی بڑی' قد نہایت طویل' یہاں تک کہ سینکڑوں کے مجمع میں کھڑے ہوں تو سب سے سر بلند نظر آئیں۔

---

1. مستدرک حاکم ج ۳ تذکرہ زیدؓ بن خطاب۔
2. یہ وظیفہ بھی خلافت کی خصوصیت کی وجہ سے نہ تھا' بلکہ تمام بدری صحابیوں کا وظیفہ پانچ پانچ ہزار تھا' دیکھو فتوح البلدان ذکر العطاء فی خلافۃ عمر بن الخطابؓ

marfat.com

امیر المومنین عثمانؓ بن عفان ذوالنورین

نام ونسب، خاندان:

عثمان نام، ابوعبداللہ اور ابوعمر کنیت، ذوالنورین لقب، والد کا نام عفان، والدہ کا نام اروی تھا، والد کی طرف سے پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ عثمان بن عفان بن ابی العاص ابن امیہ بن عبدشمس بن عبد مناف بن قصی القرشی، والدہ کی طرف سے سلسلہ نسب یہ ہے، اروی بنت کریز بن ربیعہ بن حبیب بن عبدشمس بن عبد مناف، اسی طرح حضرت عثمانؓ کا سلسلہ پانچویں پشت میں عبد مناف پر آنحضرت ﷺ سے مل جاتا ہے، حضرت عثمان کی نانی بیضاء ام الحکیم حضرت عبداللہ بن عبدالمطلب کی سگی بہن اور رسول اللہ ﷺ کی پھوپھی تھیں اس لیے وہ ماں کی طرف سے حضرت سرور کائناتؐ کے قریبی رشتہ دار ہیں[1] آپ کو ذوالنورین (دونوروں والا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ آنحضرت کی دو صاحبزادیاں یکے بعد دیگرے ان کے نکاح میں آئیں۔

حضرت عثمانؓ کا خاندان ایام جاہلیت میں غیر معمولی وقعت و اقتدار رکھتا تھا، آپ کے جداعلی امیہ بن شمس قریش کے رئیسوں میں تھے، خلفائے بنوامیہ اسی امیہ بن عبدشمس کی طرف سے منسوب ہوکر ''امویین'' کے نام سے مشہور ہیں، عقاب یعنی قریش کا قومی علم اسی خاندان کے قبضہ میں تھا، جنگ فجار میں اسی خاندان کا نامور سردار حرب بن امیہ سپہ سالار اعظم کی حیثیت رکھتا تھا، عقبہ بن معیط نے جو اپنے زور، اثر اور قوت کے لحاظ سے اسلام کا بہت بڑا دشمن تھا اموی تھا، اسی طرح ابوسفیان بن حرب جنہوں نے قبول اسلام سے پہلے غزوۂ بدر کے بعد تمام غزوات میں رئیس قریش کی حیثیت سے رسولؐ اللہ کا مقابلہ کیا تھا، اسی اموی خاندان کے ایک رکن تھے، غرض حضرت عثمانؓ کا خاندان شرافت، ریاست اور غزوات کے لحاظ سے عرب میں نہایت ممتاز تھا، اور بنو ہاشم کے سوا دوسرا کوئی خاندان اس کا ہمسر نہ تھا۔

---

1 فتح الباری کتاب المناقب

marfat.com

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ واقعہ فیل کے چھٹے سال یعنی ہجرت نبویؐ سے ۴۷ برس قبل پیدا ہوئے' بچپن اور سن رشد کے حالات پردۂ خفا میں ہیں' لیکن قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے عام اہل عرب کے خلاف اسی زمانہ میں لکھنا پڑھنا سیکھ لیا تھا' عہد شباب کا آغاز ہوا تو تجارتی کاروبار میں مشغول ہوئے اور اپنی صداقت' دیانت اور راست بازی کے باعث غیر معمولی فروغ حاصل کیا۔

قبولِ اسلام:

حضرت عثمانؓ کا چونتیسواں سال تھا کہ مکہ میں توحید کی صدائے غلغلہ انداز بلند ہوئی' گوملکی رسم ورواج اور عرب کے مذہبی تخیل کے لحاظ سے حضرت عثمانؓ کے لیے یہ آواز نامانوس تھی' تاہم وہ اپنی فطری عفت' پارسائی' دیانتداری اور راستبازی کے باعث اس داعی حق کو لبیک کہنے کے لیے بالکل تیار تھے۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایمان لائے تو انہوں نے دین مبین کی تبلیغ و اشاعت کو اپنا نصب العین قرار دیا اور اپنے حلقہ احباب میں تلقین و ہدایت کا کام شروع کیا' ایام جاہلیت میں ان سے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے ارتباط تھا' اور اکثر نہایت مخلصانہ صحبت رہتی تھی' ایک روز وہ حسب معمول حضرت ابوبکرؓ صدیق کے پاس آئے اور اسلام کے متعلق گفتگو شروع کی' حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی گفتگو سے آپ اتنے متاثر ہوئے کہ بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کرنے پر آمادہ ہو گئے' ابھی دونوں بزرگ جانے کا خیال ہی کر رہے تھے کہ خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے آئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر فرمایا ''عثمانؓ! خدا کی جنت قبول کر' میں تیری اور تمام خلق کی ہدایت کے لیے مبعوث ہوا ہوں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ زبان نبوت کے ان سادہ و صاف جملوں میں خدا جانے کیا تاثیر بھری تھی کہ میں بے اختیار کلمہ شہادت پڑھنے لگا اور دست مبارک میں ہاتھ دے کر حلقہ بگوش اسلام ہو گیا۔[1]

[1] اصابہ جلد ۸ تذکرہ سعدی بنت کریز

marfat.com

اس موقع پر یہ نکتہ بھی ذہن نشین رکھنا چاہیے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا تعلق اموی خاندان سے تھا' جو بنو ہاشم کا حریف تھا اور رسول اللہ ﷺ کی کامیابی کو اس لیے خوف وحسد کی نگاہ سے دیکھتا تھا کہ اس طریقہ سے عرب کی سیادت کی باگ بنو امیہ کے ہاتھ سے نکل کر بنو ہاشم کے دست اقتدار میں چلی جائے گی' یہی وجہ تھی کہ عقبہ بن ابی معیط اور ابو سفیان وغیرہ اس تحریک کے دبانے میں نہایت سرگرمی سے پیش پیش تھے' لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا آئینہ دل خاندانی تعصب کے گرد وغبار سے پاک تھا' اس لیے اس قسم کی کوئی پیش بینی ان کی صفائے باطن کو مکدر نہ کر سکی' انہوں نے نہایت آزادی کے ساتھ اپنے خاندان کے خلاف اس زمانہ میں حق کی آواز پر لبیک کہا' جب کہ صرف پینتیس یا چھتیس زن ومرد اس شرف سے مشرف ہوئے تھے۔[1]

شادی:

قبول اسلام کے بعد حضرت عثمانؓ کو وہ شرف حاصل ہوا جو ان کی کتاب منقبت کا سب سے درخشاں باب ہے' یعنی آنحضرت ﷺ نے اپنی فرزندی میں قبول فرمایا آپ کی منجھلی صاحبزادی رقیہؓ کا نکاح پہلے ابولہب کے بیٹے عتبہ سے ہوا تھا' مگر اسلام کے بعد عتبہ کے باپ ابولہب کو آنحضرت ﷺ سے اتنی عداوت ہوگئی تھی کہ اس نے اپنے بیٹے پر دباؤ ڈال کر طلاق دلوادی' آنحضرت نے صاحبزادی ممدوحہ کا دوسرا نکاح حضرت عثمانؓ سے کر دیا' حضرت عثمانؓ کی اس شادی کے متعلق بعض لغو اور بے ہودہ روایتیں کتابوں میں ہیں مگر وہ تمام تر جھوٹی اور جعلی ہیں اور محدثین نے موضوعات میں ان کا شمار کیا ہے۔[2]

حبشہ کی ہجرت:

مکہ میں اسلام کی روز افزوں ترقی سے مشرکین قریش کے غیظ وغضب کی آگ روز بروز زیادہ مشتعل ہوتی جاتی تھی' حضرت عثمانؓ بھی اپنی وجاہت اور خاندانی عزت کے باوجود عام بلاکشان اسلام کی طرح جفا کاروں کے ظلم وستم کا نشانہ تھے' ان کو خود ان کے چچا نے باندھ کر مارا' اعزہ واقارب نے سرد مہری شروع کی اور رفتہ رفتہ ان کی سخت گیری اور جفا کاری

---

[1] اصابہ ج ۸ تذکرہ سعدی بنت کریز [2] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۸

marfat.com

یہاں تک بڑھی کہ وہ ان کی برداشت سے باہر ہوگئی' اور بالآخر خود آنحضرت ﷺ کے اشارہ سے اپنی اہلیہ محترمہ حضرت رقیہؓ کو ساتھ لے کر ملک حبش کی طرف روانہ ہو گئے چنانچہ یہ پہلا قافلہ تھا جو حق و صداقت کی محبت میں وطن اور اہل وطن کو چھوڑ کر جلا وطن ہوا۔

ہجرت کے بعد رسول اللہ ﷺ کو ان کا کچھ حال معلوم نہ ہو سکا اس لیے پریشان خاطر تھے' ایک روز ایک عورت نے خبر دی کہ اس نے ان دونوں کو دیکھا تھا' اتنا معلوم ہونے کے بعد آپ ؐ نے فرمایا:

ان عثمان اول من هاجر باهله من هذه الامة[1]

''یعنی اس میری امت میں عثمانؓ پہلا شخص ہے جو اپنے اہل و عیال کو لے کر جلا وطن ہوا''۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس ملک میں چند سال رہے' اس کے بعد جب بعض اور صحابہ رضی اللہ عنہم قریش کے اسلام کی غلط خبر پا کر اپنے وطن واپس آئے تو حضرت عثمانؓ بھی آ گئے' یہاں آ کر معلوم ہوا کہ یہ خبر جھوٹی ہے' اس بنا پر بعض صحابہؓ پھر ملک حبش کی طرف لوٹ گئے' مگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پھر نہ گئے۔

مدینہ کی طرف:

اسی اثنا میں مدینہ کی ہجرت کا سامان پیدا ہو گیا' اور رسول اللہ ﷺ نے اپنے تمام اصحاب کو مدینہ کی طرف ہجرت کا ایماء فرمایا' تو حضرت عثمانؓ بھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ مدینہ تشریف لے گئے اور حضرت اوس بن ثابت کے مہمان ہوئے اور آپ ؐ نے ان میں اور حضرت اوسؓ بن ثابت میں برادری قائم کر دی۔ [2]

اس مؤاخات سے دونوں خاندانوں میں جس قدر محبت اور یگانگت پیدا ہو گئی تھی اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت پر حضرت حسان بن ثابتؓ تمام عمر سوگوار رہے اور ان کا نہایت پر درد مرثیہ لکھا۔

بیر رومہ کی خریداری:

مدینہ آنے کے بعد مہاجرین کو پانی کی سخت تکلیف تھی' تمام شہر میں صرف بیر رومہ ایک کنواں تھا جس کا پانی پینے کے لائق تھا' لیکن اس کا مالک ایک یہودی تھا اور اس نے اس

---

[1] اصابہ جلد ۸ تذکرہ رقیہؓ ۔ [2] طبقات قسم اول جز ۳ ص ۳۸

marfat.com

کو ذریعہ معاش بنا رکھا تھا' حضرت عثمانؓ نے اس عام مصیبت کو دفع کرنے کے لیے اس کنوئیں کو خرید کر وقف کر دینا چاہا' سعی بلیغ کے بعد یہودی صرف نصف حق فروخت کرنے پر راضی ہوا' حضرت عثمانؓ نے بارہ ہزار درہم میں نصف کنواں خرید لیا اور یہ شرط قرار پائی کہ ایک دن حضرت عثمانؓ کی باری ہوگی اور دوسرے دن اس یہودی کے لیے یہ کنواں مخصوص رہے گا۔

جس روز حضرت عثمانؓ کی باری ہوتی تھی اس روز مسلمان اس قدر پانی بھر کر رکھ لیتے تھے کہ دو دن تک کے لیے کافی ہوتا تھا' یہودی نے دیکھا کہ اب اس سے کچھ نفع نہیں ہوسکتا تو وہ بقیہ نصف بھی فروخت کرنے پر راضی ہو گیا' حضرت عثمانؓ نے آٹھ ہزار درہم میں اس کو خرید کر عام مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا' اس طرح اسلام میں حضرت عثمانؓ کے فیض کرم کا یہ پہلا ترشح تھا' جس نے توحید کے تشنہ لبوں کو سیراب کیا۔

فجزاه الله خير الجزاء

غزوات اور دیگر حالات

ہجرت مدینہ کے بعد بھی مشرکین نے مسلمانوں کو سکون و اطمینان سے بیٹھنے نہیں دیا۔ اور اب تحقیر و تذلیل کے بجائے اسلام کی روز افزوں ترقی سے خائف و ہراساں ہو کر تیر و تفنگ اور تیغ و سنان کی قوت سے اس کی بیخ کنی پر آمادہ ہوئے' چنانچہ ۲ھ سے فتح مکہ تک خونریز جنگوں کا سلسلہ قائم رہا' حضرت عثمانؓ اگرچہ فطرتاً سپاہیانہ کاموں کے لیے پیدا نہیں ہوئے تھے تاہم وہ اپنے محبوب ہادی طریقت ﷺ کے لیے جانثاری و فدا کاری میں کسی سے پیچھے نہیں رہے۔

غزوہ بدر اور حضرت رقیہؓ کی علالت:

کفر و اسلام کی سب سے پہلی جنگی آویزش جو بدر کی صورت میں ظاہر ہوئی' حضرت عثمانؓ اس میں ایک اتفاقی حادثہ کے باعث شریک ہونے سے مجبور رہے' آپؓ کی اہلیہ محترمہؓ اور رسول اللہ ﷺ کی نور نظر حضرت رقیہؓ بیمار ہو گئی تھیں اس لیے حضور انور ﷺ نے ان کو

marfat.com

مدینہ میں تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا اور فرمایا تم کو شرکت کا اجر اور مال غنیمت کا حصہ دونوں ملے گا،[1] اور خود تین سو ستر قدوسیوں کے ساتھ بدر کی طرف تشریف لے گئے۔

حضرت رقیہؓ کا یہ مرض درحقیقت پیام موت تھا' غمگسار شوہر کی جانفشانی وتندہی سب کچھ کرسکتی تھی لیکن قضائے الٰہی کو کیونکر رد کرتی' مرض روز بروز بڑھتا گیا یہاں تک کہ آپ کی غیر حاضری ہی میں چند روز بعد وفات پا گئیں۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیۡہِ رَاجِعُوۡنَ

حضرت عثمانؓ اور حضرت اسامہؓ بن زید اس ملکہ جنت کی تجہیز وتکفین میں مشغول تھے۔ کہ نعرہ تکبیر کی صدا آئی' دیکھا تو حضرت زید بن حارثہؓ سرور کائناتؐ کے ناقہ پر سوار فتح بدر کا مژدہ لے کر آ رہے تھے' محبوب بیوی اور وہ بھی رسول اللہ ﷺ کی نورنظر کی وفات کا سانحہ کوئی معمولی سانحہ نہ تھا' اس حادثہ کے بعد حضرت عثمانؓ ہمیشہ افسردہ خاطر رہتے تھے' کچھ اسلام کی پہلی امتحان گاہ (بدر) سے محرومی کا بھی افسوس تھا۔ حضرت عمرؓ نے ہمدردی کے طور پر کہا کہ جو ہونا تھا ہو گیا' اب اس قدر رنج وغم سے کیا فائدہ؟ حضرت عثمانؓ نے کہا افسوس! میں جس قدر اپنی محرومی قسمت پر ماتم کروں کم ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا کہ قیامت کے دن میری قرابت کے سوا تمام قرابت داریاں منقطع ہو جائیں گی' افسوس! کہ میرا رشتہ خاندان رسالت سے ٹوٹ گیا۔[2]

آنحضرت ﷺ نے ان کی دلدہی فرمائی اور چونکہ ان کو خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی کی تیمارداری کے لیے چھوڑ دیا تھا' جس کے باعث وہ بدر میں شریک نہ ہو سکے تھے اس لیے آپؐ نے ان کو بھی مجاہد قرار دیا اور بدر کے مال غنیمت میں سے ایک مجاہد کے برابر حصہ ان کو عنایت فرمایا اور بشارت دی کہ وہ اجر وثواب میں بھی کسی سے کم نہیں رہیں گے' اس سے بڑھ کر یہ کہ حضور انور ﷺ نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ان کا نکاح کر دیا اور خاندان رسالت سے دوبارہ ان کا تعلق قائم ہو گیا۔

غزوۂ بدر کے بعد اور جس قدر معرکے پیش آئے سب میں حضرت عثمانؓ، پامردی' استقلال اور مردانہ شجاعت کے ساتھ رسالت مآب ﷺ کے ہمرکاب رہے اور ہر موقع پر اپنی

---

[1] بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمانؓ۔ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۹

marfat.com

اصابت رائے اور جوش وثبات کے باعث آپؓ کے دست و بازو ثابت ہوئے۔

غزوۂ احد:

شوال ۳ھ میں جب غزوۂ احد پیش آیا تو پہلے غازیان دین کے غنیم کو شکست دے کر میدان سے بھگا دیا، لیکن وہ مسلمان تیرانداز جو عقب کی حفاظت کر رہے تھے اپنی جگہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے لگے، کفار نے اس جنگی غلطی سے فائدہ اٹھایا اور پیچھے سے اچانک حملہ کر دیا، مسلمان اس سے غافل تھے، اس لیے اس ناگہانی حملہ کو روک نہ سکے۔ اور بے ترتیبی سے منتشر ہو گئے، اسی اثنا میں مشہور ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ نے شہادت پائی، اس افواہ نے جان نثاروں کے حواس اور بھی گم کر دیئے، سوائے چند آدمیوں کے جو جہاں تھا وہیں متحیر ہو کر رہ گیا۔ حضرت عثمانؓ بھی ان ہی لوگوں میں تھے۔

جنگ احد میں صحابہ کا منتشر ہو جانا اگرچہ ایک اتفاقی سانحہ تھا جو مسلمان تیراندازوں کی غلطی کے باعث پیش آیا، تاہم لوگوں کو اس کا سخت ملال تھا، خصوصاً حضرت عثمانؓ نہایت پشیمان تھے، لیکن یہ اتفاقی غلطی تھی، اس لیے خدائے پاک نے وحی کے ذریعہ سے عفو عام کی بشارت دے دی۔

﴿اِنَّ الَّذِیۡنَ تَوَلَّوۡا مِنۡکُمۡ یَوۡمَ الۡتَقَی الۡجَمۡعٰنِ اِنَّمَا اسۡتَزَلَّہُمُ الشَّیۡطٰنُ بِبَعۡضِ مَا کَسَبُوۡا وَ لَقَدۡ عَفَا اللّٰہُ عَنۡہُمۡ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوۡرٌ حَلِیۡمٌ﴾

''اور تم سے وہ لوگ جنہوں نے جنگ کے موقع پر پشت دکھا دی، حقیقت میں شیطان نے ان کے بعض اعمال کے بدلہ میں پھسلا دیا ہے، اللہ نے ان کو معاف کر دیا، اور بے شک خدا بڑا حلم والا اور معاف کرنے والا ہے''۔

دیگر غزوات:

غزوۂ احد کے بعد ۴ھ غزوہ ذات الرقاع پیش آیا، آنحضرت ﷺ جب اس مہم میں تشریف لے گئے تو حضرت عثمانؓ کو مدینہ میں قائم مقامی کا شرف حاصل ہوا،[1] پھر بنو نضیر کی جلا وطنی عمل میں آئی، اس کے بعد ۵ھ میں غزوۂ خندق کا معرکہ پیش آیا، حضرت عثمانؓ ان تمام مہمات میں شریک تھے، ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے زیارت کعبہ کا قصد فرمایا، حدیبیہ پہنچ کر

---

[1] طبقات ابن سعد قسم اول جزو ثالث ص ۳۹

marfat.com

معلوم ہوا کہ مشرکین آمادہ پر خاش ہیں' چونکہ رسول اللہ ﷺ کو لڑنا مقصود نہیں تھا' اس لیے مصالحت کے خیال سے حضرت عثمانؓ کو سفیر بنا کر بھیجا۔

سفارت کی خدمات:

یہ مکہ پہنچے تو کفار قریش نے ان کو روک لیا اور سخت نگرانی قائم کر دی کہ وہ واپس نہ جانے پائیں' جب کئی دن گذر گئے اور حضرت عثمانؓ کا کچھ حال معلوم نہیں ہوا تو مسلمانوں کو سخت تردد ہوا اسی حالت میں افواہ پھیل گئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے' رسول اللہ ﷺ نے یہ خبر سن کر حضرت عثمانؓ کے خون کے انتقام کے لیے صحابہ ؓ سے جو تعداد میں چودہ سو تھے' ایک درخت کے نیچے بیعت لی اور حضرت عثمانؓ کی طرف سے خود اپنے دست مبارک پر دوسرا ہاتھ رکھ کر بیعت لی' یہ حضرت عثمان ؓ کے تاج فخر کا وہ طرۂ شرف ہے جو ان کے علاوہ اور کسی کے حصہ میں نہ آیا۔

ایک دفعہ ایک خارجی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دریافت کیا' کیا یہ سچ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے بیعت رضوان نہیں کی' آپ نے جواب دیا کہ ہاں عثمان اس وقت موجود نہ تھے مگر اس ہاتھ نے ان کی طرف سے قائم مقامی کی جس سے بہتر کوئی دوسرا ہاتھ نہیں[1] لیکن درحقیقت یہ بیعت تو حضرت عثمانؓ ہی کے خون کے انتقام کے لیے منعقد ہوئی تھی۔ اس سے بڑھ کر شرف اور کیا ہو سکتا ہے' آخر میں مشرکین قریش نے مسلمانوں کے جوش سے خائف ہو کر مصالحت کر لی اور حضرت عثمانؓ کو چھوڑ دیا اور رسول اللہ ﷺ اس سال بغیر عمرہ کیے اپنے فدائیوں کے ساتھ مدینہ واپس چلے آئے۔

۷ھ میں معرکہ خیبر پیش آیا' پھر ۸ھ میں مکہ فتح ہوا' اسی سال ہوازن کی جنگ ہوئی' جو غزوہ حنین کے نام سے مشہور ہے' حضرت عثمانؓ ان تمام معرکوں میں شریک رہے۔

غزوہ تبوک اور تجہیز جیش عسرۃ:

۹ھ میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم عرب پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے اس کا تدارک

---

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۱۶۶ آنحضرت ﷺ کے اس اعزاز عطا فرمانے کا ذکر بخاری کتاب المناقب باب مناقب عثمانؓ میں بھی ہے اور واقعات کی تفصیلات بخاری کتاب الشروط والمصالحہ مع اہل حرب میں ہے۔

marfat.com

ضروری تھا' لیکن یہ زمانہ نہایت عسرت اور تنگی کا تھا- اس لیے رسول اللہ ﷺ کو سخت تشویش ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو جنگی سامان کے لیے زر و مال سے اعانت کی ترغیب دلائی' اکثر لوگوں نے بڑی بڑی رقمیں پیش کیں' حضرت عثمانؓ ایک متمول تاجر تھے- اس زمانہ میں ان کا تجارتی قافلہ ملک شام سے نفع کثیر کے ساتھ واپس آیا تھا' اس لیے انہوں نے ایک تہائی فوج کے جملہ اخراجات تنہا اپنے ذمہ لے لیے' ابن سعد کی روایت کے مطابق غزوہ تبوک کی مہم میں تیس ہزار پیادے اور دس ہزار سوار شامل تھے' اس بنا پر گویا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دس ہزار سے زیادہ فوج کے لیے سامان مہیا کیا اور اس اہتمام کے ساتھ کہ اس کے لیے ایک ایک تسمہ تک ان کے روپے سے خریدا گیا تھا' اس کے علاوہ ایک ہزار اونٹ' ستر گھوڑے اور سامان رسد کے لیے ایک ہزار دینار پیش کیے' حضور انور ﷺ اس فیاضی سے اس قدر خوش تھے کہ اشرفیوں کو دست مبارک سے اچھالتے تھے اور فرماتے تھے-

ماضر عثمان ما عمل بعد هذا اليوم.

''آج کے بعد عثمانؓ کا کوئی کام اس کو نقصان نہیں پہنچائے گا''۔[1]

۱۰ھ میں سید البشر ﷺ نے آخری حج کیا جو حجۃ الوداع کے نام سے موسوم ہے' حضرت عثمانؓ بھی ہم رکاب تھے' حج سے واپس آنے کے بعد ماہ ربیع الاوّل ۱۱ھ کی ابتداء میں سرور کائنات ﷺ بیمار ہوئے اور بارہویں ربیع الاول دوشنبہ کے دن رہ گزیں عالم جاوداں ہوئے-

رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت ابوبکرؓ کے دست مبارک پر خلافت کی بیعت ہوئی' خلافت صدیقی میں حضرت عثمانؓ مجلس شوریٰ کے ایک معتمد رکن تھے' سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابوبکر صدیقؓ نے بھی رحلت فرمائی اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی وصیت اور عام مسلمانوں کی پسندیدگی سے حضرت فاروق اعظمؓ مسند آرائے خلافت ہوئے' حضرت عمرؓ کے استخلاف کا وصیت نامہ حضرت عثمانؓ ہی کے ہاتھ سے لکھا گیا تھا' اس سلسلہ میں یہ بات لحاظ رکھنے کے قابل ہے کہ وصیت نامہ کے دوران کتابت میں کسی خلیفہ کا نام لکھانے سے قبل حضرت ابوبکرؓ پر غشی طاری ہوگئی' حضرت عثمانؓ نے اپنی عقل وفراست

[1] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۲ و ترمذی ابواب المناقب باب مناقب عثمانؓ

marfat.com

سے سمجھ کر اپنی طرف سے حضرت عمر کا نام لکھ دیا' حضرت ابو بکر ؓ کو ہوش آیا تو پوچھا کہ پڑھو کیا لکھا؟ انہوں نے سنانا شروع کیا اور جب حضرت عمرؓ کا نام لیا تو حضرت ابو بکر صدیقؓ بے اختیار اللہ اکبر پکار اٹھے اور حضرت عثمانؓ کی اس فہم و فراست کی بہت تعریف و توصیف کی۔[1]

تقریباً دس برس خلافت کے بعد ۲۳ھ میں حضرت عمرؓ نے بھی سفر آخرت اختیار کیا' مرض الموت میں لوگوں کے اصرار سے عہدہ خلافت کے لیے چھ آدمیوں کا نام پیش کیا کہ ان میں سے کسی کو منتخب کر لیا جائے' علیؓ' عثمانؓ' زبیرؓ' طلحہؓ' سعدؓ بن ابی وقاصؓ' عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور تاکید کی کہ تین دن کے اندر انتخاب کا فیصلہ ہونا چاہیے۔[2]

فاروق اعظمؓ کی تجہیز و تکفین کے بعد انتخاب کا مسئلہ پیش ہوا اور دو دن تک اس پر بحث ہوتی رہی' لیکن کوئی فیصلہ نہ ہوا' آخر تیسرے دن حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف نے کہا کہ وصیت کے مطابق خلافت چھ آدمیوں میں دائر ہے' لیکن اس کو تین شخصوں تک محدود کر دینا چاہیے اور جو اپنے خیال میں جس کو مستحق سمجھتا ہو اس کا نام لے' حضرت زبیرؓ نے حضرت علی المرتضیٰ کی نسبت رائے دی' حضرت سعدؓ نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کا نام لیا' حضرت طلحہؓ نے حضرت عثمانؓ کو پیش کیا' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے کہا میں اپنے حق سے باز آتا ہوں اس لیے اب یہ معاملہ دو آدمیوں پر منحصر ہے اور ان دونوں میں سے جو کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ اور سنت شیخینؓ کی پابندی کا عہد کرے گا اس کے ہاتھ پر بیعت کی جائے گی' اس کے بعد علیحدہ علیحدہ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے کہا آپ دونوں اس کا فیصلہ میرے ہاتھ میں دے دیں' اس پر ان دونوں کی رضا مندی لینے کے بعد حضرت عبدالرحمٰنؓ بن عوف اور تمام صحابہ کرامؓ مسجد میں جمع ہوئے' حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے ایک مختصر لیکن مؤثر تقریر کے بعد حضرت عثمانؓ کے ہاتھ پر بیعت کی' اس کے بعد حضرت علیؓ نے بیعت کے لئے ہاتھ بڑھایا۔ حضرت علیؓ کا بیعت کرنا تھا کہ تمام حاضرین بیعت کے لیے ٹوٹ پڑے' غرض چوتھی محرم ۲۴ھ دوشنبہ کے دن حضرت عثمانؓ اتفاق عام کے ساتھ مسند نشین خلافت ہوئے اور دنیائے اسلام کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔

---

[1] ابن سعد جزو ۳ قسم اول تذکرہ ابوبکرؓ [2] ابن سعد تذکرہ عثمانؓ

marfat.com

خلافت اور فتوحات

فاروق اعظمؓ نے اپنے عہد میں شام، مصر اور ایران کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا تھا، نیز ملکی نظم ونسق اور طریقہ حکمرانی کا ایک مستقل دستور العمل بنا دیا تھا، اس لیے حضرت عثمانؓ کے لیے میدان صاف تھا، انہوں نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی نرمی و ملاطفت اور فاروق اعظمؓ کی سیاست کو اپنا شعار بنایا اور ایک سال تک قدیم طریق نظم ونسق میں کسی قسم کا تغیر نہیں کیا، البتہ خلیفہ سابق کی وصیت کے مطابق حضرت سعدؓ بن وقاص کو مغیرہ بن شعبہؓ کی جگہ کوفہ کا والی بنا کر بھیجا۔[1] یہ پہلی تقرری تھی جو حضرت عثمانؓ کے ہاتھ سے عمل میں آئی۔

۲۴ھ میں بعض چھوٹے چھوٹے واقعات پیش آئے، یعنی آذربائیجان اور آرمینیہ پر فوج کشی ہوئی، کیونکہ وہاں کے باشندوں نے حضرت عمرؓ کی وفات سے فائدہ اٹھا کر خراج دینا بند کر دیا۔ اسی طرح رومیوں کی چھیڑ چھاڑ کی خبر سن کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کوفہ سے سلمان بن ربیعہ کو چھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ امیر معاویہؓ کی مدد کے لیے شام روانہ کیا۔

عہد فاروقی میں مصر کے والی عمرو بن العاصؓ تھے اور تھوڑا سا علاقہ جو صعید کے نام سے مشہور ہے عبداللہ بن ابی سرح کے متعلق تھا، مصر کے خراج کی جو رقم دربار خلافت کو بھیجی جاتی تھی، حضرت عمرؓ ہی کے زمانہ سے اس کی کمی کے متعلق شکایت چلی آتی تھی، اس لیے حضرت عثمانؓ نے مصری خراج کے اضافہ کا مطالبہ کیا، عمرو بن العاصؓ نے کہلا بھیجا کہ اونٹنی اس سے زیادہ دودھ نہیں دے سکتی، اس پر حضرت عثمانؓ نے ان کو معزول کر کے عبداللہؓ بن ابی سرح کو پورے مصر کا گورنر بنا دیا، مصریوں پر عمرو بن العاصؓ کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی اس لیے ان کی برطرفی سے ان کے دلوں میں مصر پر دوبارہ قبضہ کا خیال پیدا ہوا، ۲۵ھ میں ان کی شہ پا کر اسکندریہ کے لوگوں نے بغاوت کر دی، حضرت عثمانؓ نے مصر والوں کے مشورہ سے اس فتنہ کو فرو کرنے کے لیے عمرو بنؓ العاص ہی کو متعین کیا، انہوں نے حسن تدبیر سے اس بغاوت کو فرو کیا، اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے چاہا کہ فوج کا صیغہ عمرو بن العاص

[1] ابن اثیر ۳ ص ۶۱

marfat.com

کے پاس رہے اور مال وخراج کے صیغے عبداللہ بن ؓ ابی سرح کے سپرد رہیں، مگر عمرو بن العاص ؓ نے اسے منظور نہ کیا، یعقوبی نے لکھا ہے کہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے باغیوں کے اہل وعیال کو لونڈی غلام بنا ڈالا تھا، حضرت عثمان ؓ نے اس پر ناراضی ظاہر فرمائی اور جو لوگ لونڈی غلام بنائے گئے تھے ان کو آزاد کرا دیا[1] اس کے بعد دو برس تک، عمرو بن العاص ؓ مصر کے مال وخراج کے افسر رہے، اسی سال عبداللہ بن ؓ ابی سرح نے دربار خلافت کے حکم سے طرابلس (ٹریپولی) کی مہم کا انتظام کیا، نیز امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایشیائے کوچک میں شامی سرحدوں کے قریب کے دو رومی قلعے فتح کر لیے۔

۲۶ھ میں سب سے اہم واقعہ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی معزولی ہے اس کا سبب یہ ہوا کہ انہوں نے بیت المال سے ایک لمبی رقم قرض لی تھی، حضرت عبداللہ ابن مسعود ؓ مہتمم بیت المال نے تقاضا کیا تو سعد نے ناداری کا عذر کیا اور یہ قضیہ دربارِ خلافت تک پہنچا، بیت المال میں اس قسم کا تصرف دیانت کے خلاف تھا، اس لیے حضرت عثمان ؓ حضرت سعد بن وقاص ؓ پر نہایت برہم ہوئے اور ان کو معزول کر کے ولید ؓ بن عقبہ کو والی کوفہ مقرر کیا، عبداللہ بن مسعود ؓ پر بھی خفگی ظاہر کی، لیکن چونکہ ان کی غلطی صرف بے احتیاطی تھی اس لیے ان کو ان کے عہدہ سے نہیں ہٹایا۔

۲۷ھ میں مصر کی دوعملی میں اختلاف شروع ہوا اور عبداللہ ؓ بن ابی سرح اور عمرو بن العاص ؓ نے جو فوجی اور مالی صیغوں کے افسر تھے، دربارِ خلافت میں ایک دوسرے کی شکایت کی، حضرت عثمان ؓ نے تحقیقات کر کے عمرو بن العاص ؓ کو معزول کر دیا اور عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو مصر کے تمام صیغوں کا تنہا مالک[2] بنا دیا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس فیصلہ سے نہایت کبیدہ ہوئے اور مدینہ چلے گئے، عمرو بن العاص ؓ کے زمانہ میں مصر کا خراج ۲۰ لاکھ تھا، عبداللہ بن ابی سرح ؓ نے کوشش کر کے چالیس لاکھ کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے فخر یہ عمرو بن العاص ؓ سے کہا دیکھو! آخر اونٹنی نے دودھ دیا، انہوں نے جواب دیا کہ ہاں دودھ تو دیا لیکن بچے بھوکے رہ گئے۔

---

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹ [2] ابن اثیر جلد ۳ ص ۶۸

marfat.com

فتح طرابلس:

مہم طرابلس کا اہتمام تو ۲۵ھ ہی میں ہوا تھا' لیکن باقاعدہ فوج کشی ۲۷ھ میں ہوئی' عبداللہ بن ابی سرحؓ گورنر مصر افسر عام تھے' حضرت عثمانؓ نے دارالخلافت سے بھی ایک لشکر جرار کمک کے لیے روانہ کیا جن میں عبداللہ بن زبیر' عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن ابی بکر رضی اللہ عنہم خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔

اسلامی فوجیں مدت تک طرابلس کے میدان میں معرکہ آراء رہیں' یہاں تک کہ مسلمانوں کی شجاعت' جان بازی اور ثبات و استقلال کے آگے اہل طرابلس کے پاؤں اکھڑ گئے' عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ نے فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے بنا کر تمام ممالک میں پھیلا دیئے' طرابلس کے امراء نے جب دیکھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ ممکن نہیں ہے تو عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر پچیس لاکھ دینار پر مصالحت کر لی۔[1]

فتح افریقیہ:

افریقیہ سے مراد وہ علاقے ہیں جن کو اب الجزائر اور مراکش کہا جاتا ہے یہ ممالک ۲۶ھ میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کی ہمت و شجاعت اور حسن تدبیر سے فتح ہوئے اس سلسلہ میں بڑے بڑے معرکے پیش آئے اور بالآخر کامیابی اسلامی فوج کو حاصل ہوئی اور یہ علاقے بھی ممالک محروسہ میں شامل ہوئے۔

اسپین پر حملہ:

افریقیہ کی فتح کے بعد اسپین کا دروازہ کھلا' چنانچہ ۲۷ھ میں حضرت عثمانؓ نے اسلامی فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا' اور عبداللہ بن نافع بن عبد قیس اور عبداللہ بن نافع بن حصین دو صاحبوں کو اس مہم کے لیے نامزد کیا' جنہوں نے کچھ فتوحات حاصل کیں لیکن پھر مستقل مہم روک دی گئی اور عبداللہ بن ابی سرح مصر واپس بھیجے گئے اور عبداللہ بن نافع بن عبد القیس افریقیہ کے حاکم مقرر کیے گئے۔

[1] یعقوبی ج ۲ ص ۱۸۹

marfat.com

عبداللہ بن ابی سرح کو انعام:

حضرت عثمانؓ نے عبداللہ بن ابی سرح سے وعدہ کیا کہ افریقیہ کی فتح کے صلہ میں مال غنیمت کا پانچواں حصہ ان کو انعام دیا جائے گا' اس لیے عبداللہ نے اس وعدہ کے مطابق اپنا حصہ لے لیا لیکن عام مسلمانوں نے حضرت عثمانؓ کی اس فیاضی پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا' حضرت عثمانؓ کو اس کا علم ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن ابی سرح سے اس رقم کو واپس کرا دیا اور فرمایا کہ میں نے بے شک وعدہ کیا تھا' لیکن مسلمان اس کو تسلیم نہیں کرتے اس لیے مجبوری ہے۔[1]

اور ایک روایت ہے کہ افریقیہ کا خمس مدینہ بھیجا گیا تھا جو مروان کے ہاتھ پانچ لاکھ دینار میں بیچا گیا تھا' ابن اثیر نے ان دونوں روایتوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ عبداللہ بن ابی سرحؓ کو افریقہ کے پہلے غزوہ (شاید طرابلس) کے مال غنیمت کا خمس دیا گیا تھا اور مروان کے ہاتھ پورے افریقہ کی غنیمت کا خمس بیچا گیا تھا۔

فتح قبرص:

قبرص جس کو اب سائپرس کہتے ہیں بحر روم میں شام کے قریب ایک نہایت زرخیز جزیرہ ہے اور یورپ اور روم کی طرف سے مصر و شام کی فتح کا دروازہ ہے اور مصر و شام کی حفاظت اس وقت تک نہیں ہو سکتی اور نہ رومیوں کا خطرہ اس وقت تک دور ہو سکتا تھا جب تک یہ بحری ناکہ بندی مسلمانوں کے قبضہ میں نہ ہو اس لیے امیر معاویہؓ نے عہد فاروقی ہی میں اس پر فوج کشی کی اجازت طلب کی تھی' مگر حضرت عمرؓ بحری جنگ کے خلاف تھے اس لیے انکار کر دیا اس کے بعد ۲۸ھ میں امیر معاویہؓ نے پھر حضرت عثمانؓ سے اصرار کے ساتھ قبرص پر لشکر کشی کی اجازت طلب کی اور اطمینان دلایا کہ بحری جنگ کو جس قدر خوفناک سمجھا جاتا ہے اس قدر خوفناک نہیں ہے' حضرت عثمانؓ نے لکھا کہ اگر تمہارا بیان صحیح ہے تو حملہ میں مضائقہ نہیں' لیکن اس مہم میں اسی کو شریک کیا جائے جو اپنی خوشی سے شرکت کرے۔ اس اجازت کے بعد عبداللہ بن قیس حارثی کی زیر قیادت اسلامی بحری بیڑہ قبرص پر حملہ کے لیے روانہ ہوا اور صحیح و سلامت قبرص پہنچ کر لنگر انداز ہوا' عبداللہ بن قیس امیر البحر ناگہانی طور پر شہید ہوئے'

---

[1] طبری ص ۲۸۱۵

marfat.com

لیکن سفیان بن عوف ازدی نے علم سنبھال کر اہل قبرص کو مغلوب کر لیا اور شرائط ذیل پر مصالحت ہوئی۔

(۱) اہل قبرص ۷۰۰۰ ہزار دینار سالانہ خراج ادا کریں گے۔

(۲) مسلمان قبرص کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہوں گے۔

(۳) بحری جنگوں میں اہل قبرص مسلمانوں کے دشمنوں کی نقل و حرکت کی ان کو اطلاع دیا کریں گے۔[1]

اہل قبرص کچھ دنوں تک اس معاہدہ پر قائم رہے' لیکن ۳۳ھ میں انہوں نے اس کے خلاف رومی جہازوں کو مدد دی' اس لیے امیر معاویہؓ نے دوبارہ قبرص پر فوج کشی کی اور اس کو فتح کر کے ممالک محروسہ میں شامل کر لیا[2] اور منادی کرا دی کہ آئندہ سے یہاں کے باشندے رومیوں کے ساتھ کسی قسم کے تعلقات نہ رکھیں۔

والی بصرہ کی معزولی:

حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ عہد فاروقی سے بصرہ کی ولایت پر مامور تھے' حضرت عثمانؓ نے بھی اپنے زمانہ میں چھ برس تک ان کو اس منصب پر برقرار رکھا' لیکن یہاں ایک بڑی جماعت ہمیشہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی مخالفت پر آمادہ رہتی تھی' چنانچہ حضرت عمرؓ کے عہد میں بارہا ان کی شکایتیں پہنچیں' مگر فاروقی رعب و داب نے مخالفین کو ہمیشہ دبائے رکھا' حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں ان کو آزادی کے ساتھ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے خلاف سازش پھیلانے کا موقع مل گیا' اسی اثناء میں کردوں نے بغاوت کر دی' حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے مسجد میں جہاد کا وعظ کیا اور اللہ کی راہ میں پیادہ پا چلنے کے فضائل بیان کیے۔ اس کا اثر یہ ہوا کہ بہت سے مجاہدین جن کے پاس گھوڑے موجود تھے' وہ بھی پیادہ پا چلنے پر تیار ہو گئے' لیکن چند آدمیوں نے کہا کہ ہم کو جلدی نہ کرنا چاہیے' دیکھیں ہمارا والی کس شان سے چلتا ہے؟ چنانچہ صبح کے وقت دارالامارۃ کے قریب مجاہدین کا مجمع ہوا' حضرت ابوموسیٰ اس شان سے نکلے کہ ایک ترکی نسل کے گھوڑے پر سوار تھے اور چالیس خچروں پر ان کا اسباب و سامان تھا'

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۷۴'۷۵ [2] ایضاً ج ۶ ص ۱۰۷

marfat.com

لوگوں نے بڑھ کر باگ پکڑ لی اور کہا "قول وفعل میں اختلاف کیسا؟ دوسروں کو جس چیز کی ترغیب دیتے ہو اس پر خود کیوں عمل نہیں کرتے؟ حضرت ابو موسیٰ اس کا کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے اور اسی وقت ایک جماعت شکایت لے کر مدینہ پہنچی اور ان کی معزولی کا مطالبہ کیا' حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ۲۹ھ میں ان کو معزول کر دیا اور عبداللہؓ بن عامر کو اس منصب پر مامور کیا۔[1]

فتح طبرستان:

۳۰ھ میں عبداللہ بن عامرؓ بصرہ کے نئے والی اور سعید بن عاصؓ نے دو مختلف راستوں سے خراسان اور طبرستان کا رُخ کیا' سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کے ساتھ حضرت امام حسنؓ، امام حسین رضی اللہ عنہ، عبداللہ بن عباسؓ، عبداللہ بن عمرؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور عبداللہ بن زبیرؓ جیسے اکابر شریک تھے' ان لوگوں نے پیش قدمی کر کے عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ کے پہنچنے سے پہلے جرجان' خراسان اور طبرستان کو فتح کر لیا'[2] اسی اثنا میں ولید بن عقبہ والی کوفہ کے خلاف ایک سازش ہوئی اور ان پر شراب خوری کا الزام لگایا گیا' یہ الزام ایسا تھا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو انہیں معزول کرنا پڑا اور ان کی جگہ سعید بن عاص رضی اللہ عنہ کوفہ کے والی مقرر ہوئے۔

عبداللہ رضی اللہ عنہ بن عامر نے اپنی مہم کو جاری رکھا اور ہرات' کابل اور بجستان کو فتح کر کے نیشاپور کا رخ کیا' بست' اشند ورخ' خواف' اسبرائن' ارغیان وغیرہ فتح کرتے ہوئے خاص شہر نیشاپور کا رخ کیا' اہل نیشاپور نے چند مہینوں تک مدافعت کی لیکن پھر مجبور ہو کر سات لاکھ درہم سالانہ پر مصالحت کر لی۔

عبداللہ بن عامرؓ نے نیشاپور کے بعد عبداللہ بن خازم کو سرخس کی طرف روانہ کیا اور خود ماوراء النہر کی طرف بڑھے' سرخس کے باشندوں نے اطاعت قبول کر لی' اہل ماوراء النہر نے بھی مصالحت پر آمادگی ظاہر کی اور بہت سے گھوڑے' ریشمی کپڑے اور مختلف قسم کے تحائف لے کر حاضر ہوئے۔ عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے صلح کر لی اور قیس بن الہیثم کو اپنا قائم مقام بنا کر خود اسباب وسامان کے ساتھ دار الخلافہ کا رخ کیا۔

1۔ طبری ص ۲۹۲۸ 2۔ ابن اثیر ج ۳ ص ۸۴

marfat.com

ایک عظیم الشان بحری جنگ:

۳۱ھ میں قیصر روم نے ایک عظیم الشان جنگی بیڑا جس میں تقریباً پانچ سو جہاز تھے۔ سواحل شام پر حملہ کے لیے بھیجا' مؤرخین کا بیان ہے کہ رومیوں نے مسلمانوں کے مقابلہ میں ایسی عظیم الشان قوت کا مظاہرہ اس سے پہلے کبھی نہیں کیا تھا' امیر البحر عبداللہ بن ابی سرح نے مدافعت کے لیے اسلامی بیڑے کو آگے بڑھایا اور سطح سمندر پر دونوں آپس میں مل گئے' دوسری صبح کو مسلمانوں نے اپنے کل جہاز ایک دوسرے سے باندھ دیئے اور فریقین میں نہایت خونریز جنگ ہوئی بے شمار رومی مارے گئے' مسلمان بھی بہت سے شہید ہوئے لیکن ان کے استقلال وشجاعت نے رومیوں کے پاؤں اکھاڑ دیئے اور ان کی بہت تھوڑی تعداد زندہ بچی' خود قسطنطین اس معرکہ میں زخمی ہوا اور اسلامی بیڑہ مظفر و منصور اپنی بندرگاہ میں واپس آیا۔[1]

متفرق فتوحات:

قبرص' طرابلس اور طبرستان کے علاوہ حضرت عثمانؓ کے عہد میں اور بھی فتوحات ہوئیں ۳۱ھ میں خبیب بن مسلمہ فہری نے آرمینیہ کو فتح کر کے اسلامی ممالک محروسہ میں شامل کرلیا۔[2]

۳۲ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ تنگنائے قسطنطنیہ تک بڑھتے چلے گئے' ۳۲ھ میں عبداللہ ابن عامر رضی اللہ عنہ نے مرورود' طالقان' فاریاب اور جوزجان کو فتح کیا۔ ۳۳ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ارض روم میں حصن المرأۃ پر حملہ کیا' اسی سال اہل خراسان نے بغاوت کی' عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ والی بصرہ نے احنف بن قیس کو بھیج کر اسے فرو کرایا' اسی طرح ۳۴ھ میں اہل طرابلس نے نقض امن کیا' عبداللہ بن ابی سرحؓ نے ایک لشکر جرار کے ساتھ چڑھائی کر کے انہیں قابو میں کیا۔

❀❀❀

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۹۱۔ [2] ایضاً

marfat.com

انقلاب کی کوشش اور

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت

حضرت عثمانؓ کے دوازدہ سالہ خلافت میں ابتدائی چھ سال کامل امن و امان سے گذرے۔ فتوحات کی وسعت' مال غنیمت کی فراوانی' وظائف کی زیادتی' زراعت کی ترقی اور حکومت کے عمدہ نظم ونسق نے تمام ملک میں تمول' فارغ البالی اور عیش و تنعم کو عام کر دیا' یہاں تک کہ بعض متقشف صحابہؓ ایام نبوت کی سادگی اور بے تکلفی کو یاد کر کے اس زمانہ کی ثروت اور سامانِ تعیش کو دیکھ کر حد درجہ غمگین تھے کہ اب مسلمانوں کے اس دنیاوی رشک وحسد کا وقت آ گیا جس کی آنحضرت ﷺ نے پیش گوئی فرمائی تھی۔ چنانچہ حضرت ابو ذر غفاریؓ جن کو آنحضرت ﷺ نے مسیح الاسلام کا خطاب دیا تھا' اعلانیہ اس کے خلاف وعظ کہتے تھے اور فرماتے تھے کہ ضرورت سے زیادہ جمع کرنا ایک مسلمان کے لیے ناجائز ہے۔ شام کا ملک جس کے حاکم امیر معاویہؓ تھے اور جو صدیوں تک رومی تعیش و تکلفات کا گہوارہ رہ چکا تھا وہاں کے مسلمانوں میں سب سے زیادہ یہ برائیاں پیدا ہو رہی تھیں۔ حضرت ابو ذرؓ برملا ان امراء اور دولت مندوں کے خلاف وعظ کہتے تھے جس سے نظام حکومت میں خلل پڑتا تھا' اس لیے امیر معاویہؓ کی استدعا پر حضرت عثمانؓ نے ان کو مدینہ بلوا لیا۔ مگر اب مدینہ بھی وہ اگلا مدینہ نہ رہا تھا۔ بیرونی لوگوں کے بڑے بڑے محل تیار ہو چکے تھے اس لیے حضرت ابو ذرؓ نے یہاں سے بھی دل برداشتہ ہو کر ربذہ نام کے ایک گاؤں میں اقامت اختیار کیا۔

حضرت عثمانؓ کے آخری زمانہ میں جو فتنہ و فساد برپا ہوا اس کی حقیقت یہی ہے کہ دولت مندی اور تمول کی کثرت نے مسلمانوں میں بھی اس کے وہ لوازم پیدا کر دیئے جو ہر قوم میں ایسی حالت میں پیدا ہو جاتے ہیں اور بالآخر ان کے ضعف اور انحطاط کا سبب بن جاتے ہیں۔ اسی لیے آنحضرتؐ مسلمانوں سے فرمایا کرتے تھے' کہ **لا اخاف علیکم الفقر بل اخاف علیکم الدنیا** - مجھے تمہارے فقر و فاقہ سے کوئی خوف نہیں ہے بلکہ

marfat.com

تمہاری دولت دنیاوی ہی کے خطرات سے ڈرتا ہوں- تمول اور دولت کی کثرت کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کل قوم کے فوائد کے مقابلہ میں ہر جماعت اور ہر فرد اپنے جماعتی اور شخصی فوائد کو ترجیح دینے لگتا ہے' جس سے بغض و عناد پیدا ہو جاتا ہے- قومی وحدت کا شیرازہ بکھر جاتا ہے اور انحطاط کا دور شروع ہو جاتا ہے- لیکن اس کے علاوہ اس فتنہ وفساد کی پیدائش کے بعض اور اسباب بھی تھے-

(۱) سب سے پہلی وجہ یہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی وہ نسل جو فیض نبوت سے براہِ راست مستفیض ہوئی تھی ختم ہو چکی تھی جو لوگ موجود تھے وہ اپنی کبرسنی کے سبب سے گوشہ نشین ہو رہے تھے اور ان کی اولاد ان کی جگہ لے رہی تھی- یہ نوجوان زہد و اتقاء عدل و انصاف حق پسندی و راست بازی میں اپنے بزرگوں سے کمتر تھے- اس بناء پر رعایا کے لیے ویسے فرشتہ رحمت ثابت نہ ہوئے جیسے ان کے اسلاف تھے-

(۲) حضرت ابوبکرؓ کے مشورہ اور مسلمانوں کی پسندیدگی سے امامت و خلافت کے لیے قریش کا خاندان مخصوص ہو گیا تھا اور بڑے بڑے عہدے بھی زیادہ تر ان ہی کو ملتے تھے' نوجوان قریشی اس کو اپنا حق سمجھ کر دوسرے عرب قبیلوں کو اپنا محکوم سمجھنے لگے- عام عرب قبائل کا دعویٰ تھا کہ ملک کی فتوحات میں ہماری تلواروں کی بھی کمائی ہے' اس لیے وظائف' منصب اور عہدوں میں قریش اور ہم میں مساوات چاہیے-

(۳) اس وقت کابل سے لے کر مراکش تک اسلام کے زیر نگین تھا جس میں سینکڑوں قومیں آباد تھیں' ان محکوم قوموں کے دلوں میں قدرتاً مسلمانوں کے خلاف انتقام کا جذبہ موجود تھا لیکن ان کی قوت کے مقابلہ میں بے بس تھے' اس لیے انہوں نے سازشوں کا جال بچھایا جن میں سب سے آگے مجوسی اور یہودی تھے-

(۴) حضرت عثمانؓ فطرتاً نیک' ذی مروّت اور نرم خو تھے' عموماً لوگوں سے سختی کا برتاؤ نہیں کرتے تھے' اکثر جرائم کو بردباری اور حلم سے ٹال دیا کرتے تھے- اس سے شریروں کے حوصلے بڑھ گئے-

(۵) حضرت عثمانؓ اموی تھے' اس لیے فطرتاً ان کے جذبات اپنے اہل خاندان کے

marfat.com

ساتھ خیر خواہانہ تھے اور آپ ان کو فائدہ پہنچانا چاہتے تھے اور اپنے ذاتی مال سے ان کی امداد فرمایا کرتے تھے' شریر لوگوں نے اس کو یوں ملک میں پھیلایا کہ حضرت عثمانؓ سرکاری بیت المال سے ان کے ساتھ داد و دہش کرتے ہیں۔

(۶) ہر امام کی کامیابی کے لیے ضروری ہے کہ اس کے کارکن اور عمال اس کے مطیع اور فرمانبردار ہوں' اسلام کی دوسری نسل میں جواب پہلی نسل کی جگہ لے رہی تھی' امام وقت کی اطاعت کا وہ مذہبی جذبہ نہ تھا جو اول الذکر میں موجود تھا۔ ایسی حالت میں حضرت عثمانؓ نظام خلافت کے قیام واستحکام کے لیے بنی امیہ میں سے زیادہ افراد لینے پر مجبور ہوئے۔

(۷) مختلف محکوم قوموں کے شورش پسند اشخاص اس لیے انقلاب کے خواہاں تھے کہ شاید اس سے ان کی حالت میں کوئی فرق پیدا ہو۔

(۸) غیر قوموں کے جو لوگ مسلمان ہو گئے تھے یا مسلمانوں نے غیر قوموں کی عورتوں سے جو شادیاں کر لی تھیں یا وہ باندیاں بنی تھیں ان کی اولادیں بہت کچھ فتنہ کا باعث بنیں۔

ان مختلف الخیال جماعتوں کے اغراض و مقاصد پر نظر ڈالنے سے یہ بالکل نمایاں ہو جاتا ہے کہ اس فتنہ وانقلاب کے حقیقی اسباب یہی تھے جو اوپر مذکور ہوئے۔ مثلاً

(۱) بنو ہاشم بنوامیہ کے عروج وترقی کو پسند نہیں کرتے تھے اور خلافت کے مناصب اور عہدوں کا سب سے زیادہ اپنے کو مستحق جانتے تھے۔

(۲) عام عرب قبائل مناصب اور عہدوں اور جاگیروں کے استحقاق میں اپنے کو قریشیوں سے کم نہیں سمجھتے تھے' اس لیے وہ قریشی افسروں کے غرور و تمکنت کو توڑنا اور اپنا جائز استحقاق اور مساوات حاصل کرنا چاہتے تھے۔

(۳) مجوسی چاہتے تھے کہ ایسا انقلاب پیدا کیا جائے جس میں ان کی مدد سے حکومت ایسے عام خاندان میں منتقل ہو جس سے وہ بہتر سے بہتر حقوق اور مراعات حاصل کر سکیں' اور عام عربوں کے مقابلہ میں ان کا استحقاق کم نہ سمجھا جائے۔

(۴) یہودی چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں ایسا افتراق پیدا کر دیا جائے' کہ ان کی قوت پاش پاش ہو جائے۔

marfat.com

یہ اغراض مختلف تھیں اور ہر جماعت اپنی غرض کے لیے کوشش میں مصروف تھی اس لیے خفیہ ریشہ دوانیاں شروع ہو گئیں- عمال کے خلاف سازشیں ہونے لگیں اور خود امیر المؤمنین کو بدنام کرنے کی کوشش شروع ہوئی- حضرت عثمانؓ نے ان فتنوں کو دبانا چاہا لیکن یہ آگ ایسی لگی تھی کہ جس کا بجھانا آسان نہ تھا' فتنہ پردازوں کا دائرہ عمل روز بروز وسیع ہوتا گیا' یہاں تک کہ تمام ملک میں ایک خفیہ جماعت پیدا ہو گئی تھی جس کا مقصد فتنہ و فساد تھا- کوفہ کی انقلاب پسند جماعتوں میں اشترنخعی' ابن ذی الحبکہ' جندب' صعصعہ 'ابن الکوار کمیل اور عمیر بن ضابی خاص طور پر قابل ذکر ہیں[1] ان لوگوں کا خیال تھا کہ امارت و ریاست قریش کے ساتھ مخصوص ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے' عام مسلمانوں نے ممالک فتح کیے ہیں اس لیے وہ سب اس کے مستحق ہیں- سعید بن عاص والی کوفہ سے اس جماعت کو خاص طور پر عداوت تھی' ان کو بدنام کرنے کے لیے روز ایک نئی تدبیر اختراع کی جاتی تھی اور قریش کے خلاف ملک کو تیار کرنے کے لیے طرح طرح کے وسائل کام میں لائے جاتے- اشراف کوفہ نے ان مفسدہ پردازیوں سے تنگ آ کر امیر المؤمنین سے التجا کی کہ خدا کے لیے جلد ان فتنہ جو اشخاص سے کوفہ کو نجات دلائیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تقریباً دس آدمیوں کو جو اس جماعت کے سرکردہ تھے' شام کی طرف جلاوطن کر دیا-[2]

اسی طرح بصرہ میں بھی ایک فتنہ پرداز جماعت پیدا ہو گئی تھی- حضرت عثمانؓ نے یہاں سے بھی کچھ آدمیوں کو ملک بدر کرا دیا- لیکن فتنہ کی آگ اس حد تک بھڑک چکی تھی کہ یہ معمولی چھینٹے اس کو بجھا نہ سکے بلکہ یہ انتقال مکانی اور بھی ان خیالات کی اشاعت کا سبب بن گئے اور پہلے جو آگ ایک جگہ سلگ رہی تھی وہ سارے ملک میں پھیل گئی-

مصر سازش کا سب سے بڑا مرکز تھا' مسلمانوں کے سب سے بڑے دشمن یہودی تھے' چنانچہ ایک یہودی النسل نومسلم عبداللہ بن سبا نے اپنی حیرت انگیز سازشانہ قوت سے مختلف الخیال مفسدوں کو ایک مرکز پر متحد کر دیا- اور اس کو زیادہ مؤثر بنانے کے لیے اس نے مذہب میں عجیب و غریب عقائد اختراع کیے اور خفیہ طور پر ہر ملک میں اس کی اشاعت کی- موجودہ

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۰۸ [2] ایضاً ص ۱۱۳

marfat.com

شیعی فرقہ دراصل انہی عقائد پر قائم ہوا۔

مفسدین کی جماعت تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھی اور ان میں سے ہر ایک کا مطمع نظر مختلف تھا اور آئندہ خلیفہ کے انتخاب کے بارے میں بھی ہر ایک کی نظر الگ الگ شخصیتوں پر تھی' اہل مصر حضرت علیؓ کے عقیدت کیش تھے۔ اہل بصرہ حضرت طلحہؓ کے طرف دار تھے' اہل کوفہ حضرت زبیرؓ کو پسند کرتے تھے۔ اہل عراق کی جماعت تمام قریش سے عداوت رکھتی تھی اور ایک جماعت سرے سے عربوں ہی کے خلاف تھی لیکن امیر المؤمنین حضرت عثمانؓ کی معزولی اور بنو امیہ کی بیخ کنی پر سب باہم متفق تھے۔ عبداللہ بن سبا نے حکمت عملی سے ان اختلافات سے قطع نظر کر کے سب کو ایک مقصد یعنی حضرت عثمانؓ کی مخالفت پر متحد کر دیا اور تمام ملک میں اپنے داعی اور سفیر پھیلا دیئے تاکہ ہر جگہ فتنہ کی آگ بھڑکا کر بدامنی پیدا کر دی جائے اور اس مقصد کے حصول کے لیے داعیوں کو حسب ذیل طریقوں پر عمل کی ہدایت کی۔

(۱) بظاہر متقی و پرہیزگار بننا اور لوگوں کو وعظ و پند سے اپنا معتقد بنانا۔

(۲) اعمال کو دق کرنا اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو بدنام کرنے کی کوشش کرنا۔

(۳) ہر جگہ امیر المومنین کی کنبہ پروری اور ناانصافی کی داستان مشتہر کرنا۔

ان طریقوں پر نہایت مستعدی کے ساتھ عمل کیا گیا۔ ولید بن عقبہ والی کوفہ پر شراب خوری کا الزام قائم کیا گیا اور حد بھی جاری کی گئی جو درحقیقت ایک بڑی سازش کا نتیجہ تھا' اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ والی بصرہ کی معزولی بھی جس کا ذکر آئندہ آئے گا ان ہی ریشہ دوانیوں کا نتیجہ تھی۔

۳۱ھ میں جب کہ قیصر روم نے پانچ سو جنگی جہازوں کے عظیم الشان بیڑے کے ساتھ اسلامی سواحل پر حملہ کیا اور مسلمان بڑے خوف و ہراس میں مبتلا ہو گئے اس وقت بھی یہ انقلاب پسند اپنی فتنہ انگیزی سے باز نہیں آئے اور محمد بن ابی حذیفہؓ اور محمد بن ابی بکرؓ نے جو مفسدین کے دام تزویر میں پھنس چکے تھے' اسلامی بیڑے کے امیر البحر عبداللہ بن ابی سرحؓ کو ہر طرح دق کیا' نماز میں بے موقع تکبیریں بلند کر کے برہمی پیدا کرتے' عبداللہ بن سعد کی اعلانیہ مذمت کرتے اور مجاہدین سے کہتے کہ تم رومیوں کے مقابلہ میں جہاد کرنے جاتے ہو' حالانکہ اسلام کو خود مدینہ

marfat.com

میں مجاہدین کی ضرورت ہے۔ لوگ تعجب سے کہتے کہ مدینہ میں کیا ضرورت ہے؟ تو وہ حضرت عثمانؓ کا نام لیتے اور کہتے کہ اس ظالم کو معزول کرنا اسلام کی سب سے بڑی خدمت ہے' اس نے سنت شیخین کو چھوڑ دیا ہے۔ کبار صحابہؓ کو معزول کر کے اپنے اعزہ و اقارب کو سیاہ وسپید کا مالک بنا دیا ہے۔

غرض ہر طرح کی فریب کاریوں سے لوگوں کو متاثر کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسلامی بیڑا رومیوں کے مقابلہ کے لیے روانہ ہوا تو محمد بن ابی حذیفہؓ اور محمد بن ابی بکرؓ نے ایک کشتی پر سوار ہو کر بیڑے کا تعاقب کیا اور جہاں جہاز لنگر انداز ہوتے وہ اپنی کشتی کو قریب لے جا کر اپنے خیالات کی اشاعت کرتے۔ مجاہدین رومی بیڑے کو شکست دے کر مظفر و منصور واپس آئے تو چند نے محمد بن ابی بکرؓ اور محمد بن ابی حذیفہ کو جہاد سے پہلو تہی کرنے پر ملامت کی۔ انہوں نے کہا کہ ہم اس جہاد میں کس طرح حصہ لے سکتے ہیں جس میں انتظام عثمانؓ کے ایماء سے ہوا ہو؟ اور جس کا امیر عبداللہ ابن سعد ہو' اس کے بعد حسب معمول حضرت عثمانؓ کے معائب اور برائیوں کی طویل داستان شروع کر دی[1] عبداللہ بن سعد نے جب دیکھا کہ یہ دونوں کسی طرح اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے اور ان کے مسموم خیالات آہستہ آہستہ اپنا اثر کر رہے ہیں تو نہایت سختی سے ان کو منع کیا اور کہا کہ خدا کی قسم! اگر امیر المومنین کا خیال نہ ہوتا تو تمہیں اس مفسدہ پردازی کا مزہ چکھا دیتا۔

مدینہ بھی مفسدین سے خالی نہ تھا' کبار صحابہؓ حضرت عثمانؓ کے ساتھ تھے اس لیے علانیہ اس جماعت کا کوئی اثر نہ ہوا۔ البتہ اخیر عہد یعنی ۳۵ھ میں جس سال حضرت عثمانؓ شہید ہوئے مفسدین مدینہ اس قدر بے باک ہو گئے کہ بیرونی مفسدوں کی مدد سے ان کو خود امیر المومنین پر بھی دست ستم دراز کرنے کی جرأت ہو گئی۔ چنانچہ ایک دفعہ جمعہ کے روز حضرت عثمانؓ منبر پر خطبہ دے رہے تھے' ابھی حمد و ثناء ہی شروع کی تھی کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا کہ "عثمان! کتاب اللہ کو اپنا طرز عمل بنا" لیکن صبر و تحمل کے اس پیکر نے نرمی سے کہا بیٹھ جاؤ۔ دوسری مرتبہ کھڑے ہو کر پھر اس نے اسی جملہ کا اعادہ کیا۔ حضرت عثمانؓ نے پھر بیٹھنے کو کہا۔

[1] ابن اثیر ص ۹۱' ۹۲

marfat.com

تین دفعہ اس نے اسی طرح خطبہ کے درمیان برہمی پیدا کی۔ حضرت عثمانؓ نے ہر بار نرمی سے بیٹھنے کو فرمایا' لیکن اس کی سازش پہلے سے ہو چکی تھی۔ ہر طرف سے مفسدین نے زغد کر لیا اور اس قدر سنگریزے اور پتھروں کی بارش کی کہ نائب رسولؐ زخموں سے چور چور ہو کر منبر سے فرش خاک پر گر پڑا' مگر صبر وتحمل کا یہ عالم تھا کہ اس بے ادبی پر بھی جذبہ غیظ وغضب کو ہیجان نہ ہوا۔[1]

غرض مختلف عناصر نے مل کر افترا پردازیوں اور کذب بیانیوں سے اس طرح حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی اور آپ کی مخالفت کا صور اس بلند آہنگی سے پھونکا کہ اتنی طویل مدت کے بعد اس زمانہ میں بھی بہت سے تعلیم یافتہ حضرات جو واقعات کی حقیقت تک پہنچنے کی کوشش نہیں کرتے' ان غلط بیانیوں اور فریب کاریوں سے متاثر نظر آتے ہیں اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر تمام اعتراضات کو قلم بند کر کے اصل واقعات کو بے نقاب کر دیا جائے۔ اس وقت تک حضرت عثمانؓ پر جس قدر اعتراضات کیے گئے ہیں ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) کبار صحابہؓ مثلاً حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، مغیرہ بن شعبہؓ، عمرو بن عاصؓ، عمار بن یاسرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ اور عبدالرحمٰن بن ارقمؓ کو معزول کر کے خاص اپنے کنبہ کے نااہل اور ناتجربہ کار افراد کو مامور کیا۔

(۲) بیت المال میں بے جا تصرف کیا اور مسرفانہ طریقہ پر اپنے اعزہ واقارب کے ساتھ سخاوت کا اظہار کیا۔ مثلاً حکم بن العاصؓ کو جسے رسول اللہ ﷺ نے طائف میں جلاوطن کر دیا تھا مدینہ آنے کی اجازت دی اور بیت المال سے ایک لاکھ درہم عطا کیے اور اس کے لڑکے حارث کو اس کی اجازت دی کہ بازار میں جو فروخت ہو اس کی قیمت سے اپنے لیے عشر وصول کرے' مروان کو افریقہ کے مال غنیمت کا خمس دیا گیا۔ اسی طرح عبداللہ ابن خالدؓ کو تین لاکھ درہم کا گرانقدر عطیہ مرحمت کیا اور خود اپنی صاحبزادیوں کو بیت المال کے قیمتی جواہرات عنایت فرمائے' حالانکہ فاروق اعظم ؓ نے نہایت شدت کے ساتھ اس قسم کے تصرفات سے

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۴۷

marfat.com

احتراز کیا تھا' اس کے علاوہ اپنے لیے ایک عظیم الشان محل تعمیر کرایا اور مصارف کا تمام بار بیت المال پر ڈالا- بیت المال کے مہتمم عبداللہ بن ارقمؓ اور معیقیب نے اس اسراف پر اعتراض کیا تو ان کو معزول کر کے زید بنؓ ثابت کو یہ عہدہ تفویض کر دیا ایک دفعہ بیت المال میں وظائف تقسیم ہونے کے بعد ایک لاکھ درہم پس انداز ہوئے- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بے وجہ زید بن ثابت کو یہ گراں قدر رقم لینے کی اجازت دے دی-

(۳) عبداللہ بن مسعودؓ اور ابیؓ کے روزینے بند کر دیئے-

(۴) مدینہ کے اطراف میں بقیع کو سرکاری چراگاہ قرار دیا اور عوام کو اس سے مستفید ہونے سے روک دیا-

(۵) مدینہ کے بازار میں بعض اشیاء کی خرید و فروخت اپنے لیے مخصوص کر لی اور حکم دیا کہ کھجور کی گٹھلیاں امیر المومنین کے ایجنٹ کے سوا کوئی دوسرا نہیں خرید سکتا-

(۶) اپنے حاشیہ نشینوں اور قرابت داروں کو اطراف ملک میں نہایت وسیع قطعات زمین مرحمت فرمائی حالانکہ اس سے پہلے کسی نے ایسا نہیں کیا تھا-

(۷) بعض کبار صحابہؓ کی تذلیل کی گئی اور ان کو جلا وطن کیا گیا' مثلاً ابوذر غفاریؓ، عمار بنؓ یاسر' جندب بنؓ جنادہ' عبداللہ بن مسعودؓ، اور عبادہ بنؓ ثابت کے ساتھ نہایت نامنصفانہ سلوک ہوا-

(۸) زید بنؓ ثابت کے تیار کردہ مصحف کے سوا تمام مصاحف کو جلا دیا-

(۹) حدود کے اجراء میں تغافل سے کام لیا-

(۱۰) فرائض وغیرہ میں تمام امت کے خلاف روایات شاذہ پر عمل کیا گیا' حالانکہ شیخین جب تک روایات کی اچھی طرح توثیق نہیں کر لیتے تھے ان کو قبول نہیں کرتے تھے-

(۱۱) مذہب میں بعض نئی بدعتیں پیدا کیں جن کو اکثر صحابہؓ نے ناپسند کیا مثلاً حج کے موقع پر منیٰ میں دو رکعت نماز کے بجائے چار رکعت نماز ادا کی- حالانکہ خود رسول اللہ ﷺ نے اور آپؐ کے بعد شیخین نے کبھی دو رکعت سے زیادہ نہیں پڑھی-

(۱۲) مصری وفد کے ساتھ بدعہدی کی گئی جس کا نتیجہ حضرت عثمانؓ کی شہادت کی

marfat.com

صورت میں ظاہر ہوا۔

مذکورہ بالا واقعات میں حضرت عثمانؓ کے فرد قرار داد جرم کو رنگ آمیزی کر کے نہایت بدنما اور مکروہ بنایا گیا ہے۔ لیکن ان میں سے ایک الزام بھی تحقیق کی کسوٹی پر صحیح نہیں اترتا۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ اس میں صداقت کا کتنا شائبہ ہے اور اس کو رنگ آمیزی سے کتنا بدنما بنا دیا گیا ہے۔ سب سے پہلا الزام جو بجائے خود متعدد الزامات کا مجموعہ ہے' اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(۱) کبار صحابہؓ کو ذمہ داری کے عہدوں سے معزول کر دیا۔

(۲) نااہل اور ناتجربہ کار افراد کو رعایا کی قسمت کا مالک بنا دیا۔

(۳) اپنے خاندان کو فوقیت دی۔

امر اول کی نسبت تحقیقی فیصلہ سے قطع نظر کر کے پہلے دیکھنا چاہیے کہ اگر یہ الزام ہے تو اسلام کے سب سے عادل اور مدبر خلیفہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر جن کا عدل وانصاف اور تدبر دنیائے اسلام کے لیے قیامت تک مایہ ناز رہے گا' یہی الزام عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ جنہوں نے حضرت خالدؓ سیف اللہ' مغیرہ بن شعبہ اور سعد بن ابی وقاص فاتح ایران کو معزول کر دیا تھا یا حضرت علیؓ اسی اعتراض کے مورد ہوتے ہیں یا نہیں؟ جنہوں نے عنان حکومت ہاتھ میں لینے کے ساتھ ہی تمام عمال عثانی کو یک قلم موقوف کر دیا جن کی قوت بازو نے طرابلس' آرمینیہ اور قبرص کو زیر نگین کیا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہی قسم کے واقعات کسی خاص وقتی سبب کی بنا پر ایک شخص کے لیے موجب مدح اور دوسرے کے لیے موجب ذم بنا دیئے جاتے ہیں اور اس پر ایسی ملمع سازی کی جاتی ہے کہ کسی کو تحقیق و تنقید کا خیال تک نہیں آتا۔

حضرت عثمانؓ نے کبار صحابہؓ میں سے جن لوگوں کو معزول کیا تھا ان میں سے عمرو بن العاصؓ سعد بن ابی وقاصؓ اور ابوموسیٰ اشعریؓ کی معزولی کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے' اس سے معلوم ہوگا کہ عمرو بن العاصؓ والی مصر نے اسکندریہ کی بغاوت فرو کرنے میں ذمیوں کے ساتھ نامنصفانہ سلوک کیا تھا اور ان کو لونڈی غلام بنا لیا تھا۔ نیز نئی نہروں کے جاری ہونے کے باوجود وہ مصر کے مالیات میں کچھ اضافہ نہ کر سکے اور آخر عبداللہ بن ابی سرح کی تقرری کے بعد اس سے کہیں زیادہ ہوگیا۔

marfat.com

اسی طرح سعد بن ابی وقاصؓ والی کوفہ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم قرض لی اور پھر اس کے ادا کرنے میں تساہل کرتے رہے۔ یہاں تک کہ عبداللہ بن مسعودؓ مہتمم بیت المال سے سخت کلامی کی نوبت پہنچی[1] ابو موسیٰ اشعریؓ والی بصرہ رعایا کو خوش نہ رکھتے تھے۔ اور تمام اہل بصرہ ان کے مخالف ہو گئے تھے چنانچہ ان کے وفد نے دارالخلافہ جا کر ان کی معزولی کا مطالبہ کیا۔ کیا یہ تمام وجوہ ان حضرات کو معزول کر دینے کے لیے کافی نہ تھے؟ مغیرہ بنؓ شعبہ پر رشوت ستانی کا الزام قائم کیا گیا' اگرچہ یہ سراسر بہتان تھا لیکن حضرت عثمانؓ نے ان کو اس لیے معزول کر دیا کہ حضرت عمرؓ نے ان کی جگہ سعد بن ابی وقاصؓ کی تقرری کی وصیت کی تھی[2] عمار بن یاسرؓ کو حضرت عثمانؓ نے معزول نہیں کیا تھا بلکہ وہ عہد فاروقی ہی میں معزول ہو چکے تھے۔ البتہ عبداللہ بن مسعودؓ کی معزولی بے وجہ تھی۔ لیکن لوگوں نے حضرت عثمانؓ کو ان کی طرف سے اس قدر بدگمان کر دیا تھا کہ ان کو معزول کر دینا ناگزیر ہو گیا۔ رہا بیت المال کے مہتمم عبداللہ بن ارقمؓ اور معیقیب کی سبکدوشی تو اس کے متعلق خود حضرت عثمانؓ کا بیان موجود ہے جو انہوں نے ان دونوں بزرگوں کی معزولی کے سلسلہ میں ایک جلسہ عام میں دیا تھا۔

الا ان عبداللہ بن ارقم لم یزل علی حرائتکم زمن ابی بکر وعمر الی الیوم و انہ کبر وضعف و قد و لینا علمہ زید بن ثابت.

''صاحبو! عبداللہ بن ارقم ابوبکرؓ اور عمرؓ کے زمانہ سے اس وقت تک آپ کی تقسیم وظائف کی خدمت انجام دیتے رہے لیکن اب بوڑھے اور ضعیف ہو گئے ہیں اس لیے اس خدمت کو زید بن ثابت کے سپرد کر دیا ہے''۔

ظاہر ہے کہ مال کی نگرانی کا کام جس قدر اہم اور مشکل ہے اس لحاظ سے اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان دونوں کو جو ضعف اور پیری کے باعث اپنی خدمات کو باحسن وجوہ انجام نہیں دے سکتے تھے سبکدوش کر دیا اور اس عہدہ پر زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو جو پڑھنے لکھنے اور حساب و کتاب میں خاص طور سے ممتاز تھے' مامور کیا تو کون سی خطا کی؟

[1] طبرانی ص ۲۸۱۱ [2] ایضاً ص ۲۸۰۲

marfat.com

امر دوم کی نسبت غور کرنا چاہیے کہ نا اہل اور نا تجربہ کار افراد کی تقرری کا الزام کہاں تک درست ہے؟ اس میں شک نہیں کہ ولید بن عقبہؓ، سعید بن العاصؓ، عبداللہ بن ابی سرحؓ اور عبداللہ بن عامرؓ اگرچہ صحابہ کرامؓ اور فاروقی عمال کی طرح زہد و اتقاء کے مالک نہ تھے تاہم ان کے انتظامی کارنامے اور عظیم الشان فتوحات کسی طرح ان کو نا اہل اور نا تجربہ کار نہیں ثابت کرتے۔ ولیدؓ بن عقبہ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں جزیرہ کے عامل رہ چکے تھے[1] سعید بن العاصؓ نے طبرستان اور آرمینیہ فتح کیا[2] عبداللہ بن ابی سرحؓ نے طرابلس اور قبرص کو زیر نگین کیا[3] کیا ان کی یہ فتوحات ان کی نا تجربہ کاری کا ثبوت ہیں۔

عبداللہ بن عامر والی بصرہ البتہ ایک کمسن نوجوان تھے لیکن فطری لیاقت کو عمر کی کمی زیادتی سے کوئی تعلق نہیں۔ فتوحات کے سلسلہ میں اوپر گذر چکا ہے کہ اسی نوجوان نے کابل، ہرات، سجستان اور نیشاپور کو اسلام کے زیر نگیں کیا تھا۔ غرض نا اہل اور نا تجربہ کار عمال کے تقرر کا الزام سراسر خلاف واقعہ ہے۔

البتہ امر سوم یعنی اپنے خاندان کے لوگوں کو ذمہ داری کے عہدوں پر مامور کرنے کا الزام ایک حد تک قابل غور ہے۔ اس میں شک نہیں کہ شیخینؓ اس بارے میں نہایت محتاط تھے اور ہر ایک شک وشبہ کے موقع سے بچتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ خلافت کے معاملات میں اپنے اعزہ و اقارب کے لیے ہمیشہ کوتاہ دست رہے، لیکن حضرت عثمانؓ ایک سادہ طبع اور نیک نفس بزرگ تھے۔ مزاج میں اتنی پیش بینی نہ تھی، نیز اپنے اختیارات سے اپنے قرابت مندوں کو فائدہ پہنچانا صلہ رحمی جانتے تھے۔ ایک دفعہ جب لوگوں نے اس طرز عمل کی اعلانیہ شکایتیں کیں تو حضرت عثمانؓ نے صحابہؓ کو جمع کیا اور خدا کا واسطہ دے کر پوچھا کہ کیا، رسول اللہ ﷺ قریش کو تمام عرب پر ترجیح نہیں دیتے تھے اور کیا قریش میں بنو ہاشم کا سب سے زیادہ خیال نہیں رکھتے تھے؟ لوگ خاموش رہے تو ارشاد فرمایا، کہ اگر میرے ہاتھ میں جنت کی کنجی ہوتی تو تمام بنو امیہ کو اس میں بھر دیتا[4] بہر کیف یہ امام وقت کی ایک اجتہادی رائے تھی۔

---

[1] طبری ص ۲۸۱۳ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۸۴۔ [3] ایضاً، فتوح البلدان ص ۲۳۵

[4] ابن سعد ج ۳ قسم اول تذکرہ عثمان ابن حنبل ج اول ص ۶۲

marfat.com

ممکن ہے کہ عام لوگ اس سے متفق نہ ہوں لیکن اس سے حضرت عثمانؓ کے فضل و کمال کا دامن داغدار نہیں ہو سکتا۔

دوسرا الزام بیت المال میں مسرفانہ تصرف کا ہے' لیکن ثبوت میں جن واقعات کو پیش کیا گیا ہے وہ یا تو سرتا پا غلط ہیں یا رنگ آمیزی کر کے ان کی صورت بدل دی گئی ہے۔ ہم تفصیل کے ساتھ ہر ایک واقعہ کو اس کی اصلی صورت میں دکھاتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا' کہ مفسدین نے کس طرح واقعات کی صورت کو مسخ کر کے حضرت عثمانؓ کو بدنام کرنے کی کوشش کی تھی۔ اس سلسلہ میں سب سے اول ہم کو یہ دیکھنا چاہیے کہ ذاتی طور پر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مالی حالت کیسی تھی؟ تاکہ یہ اندازہ ہو سکے کہ وہ اپنی ذاتی دولت سے اس قسم کی فیاضی اور جود و کرم پر قادر تھے یا نہیں؟

یہ مسلمہ تاریخی واقعہ ہے جس سے کسی کو انکار نہیں کہ حضرت عثمان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سب سے زیادہ دولت مند اور متمول تھے۔ ان کی دولت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ہزارہا روپے بیر رومہ کی خریداری پر صرف کیے' ایک بیش قرار رقم سے مسجد نبویؐ کی توسیع کی اور لاکھوں روپے سے ''جیش عسرت'' کو آراستہ کیا۔ اب سوال یہ ہے کہ راہِ خدا میں جس کے جود و سخا کا یہ حال ہو وہ اپنی دولت سے ذوالقربیٰ کے ساتھ کچھ صلہ رحمی نہیں کر سکتا تھا؟

اس کے متعلق ایک موقع پر خود حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ تقریر فرمائی تھی جس سے اس الزام کی حقیقت پورے طور سے واضح ہو جاتی ہے۔

قالو انی احب اهل بیتی و اعطیهم فامّا حبّی فانه لم یمل معهم علی جو ربل احمل الحقوق علیهم و اما اعطاؤهم فانی ما اعطیهم من مالی و لا استحل اموال المسلمین لنفسی و لا لا حد من الناس و لا کنت اعطی العطیة الکبیرة المرغیبة من صلب مالی فی ازمان رسولﷺ الله و ابی بکر و عمر رضی الله عنهما و انا یومئذٍ شحیح حریص افحین اتیت علی اسنان اهل بیتی وضنی عمری و ودعت الذی لی فی اهلی قال الملحدون ما قالوا وانی والله ما حملت علی مصر من الامصار فضلاً فیجوز ذالک لمن قاله و لقد رددته علیهم و ما قدم علی الا الاخماس و لا یحل لی منها شیٔ. فولی

marfat.com

المسلمون و صنعها فی اهلها دونی و لا یتلفت من مال الله بفلس مما فوقه و ما ابتلغ منه ما اکل الامن مالی۔[1]

''لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ میں اپنے خاندان والوں سے محبت رکھتا ہوں اور ان کے ساتھ فیاضی کرتا ہوں لیکن میری محبت نے مجھے ظلم کی طرف مائل نہیں کیا ہے بلکہ میں صرف ان کے واجبی حقوق ادا کرتا ہوں اسی طرح فیاضی بھی اپنے ہی مال تک محدود ہے' مسلمانوں کا مال نہ میں اپنے لیے حلال سمجھتا ہوں اور نہ کسی دوسرے کے لیے' میں رسول اللہ اور ابوبکرؓ وعمرؓ کے عہد میں بھی اپنے مال سے گراں قدر عطیے دیا کرتا تھا' حالانکہ میں اس زمانہ میں بخیل وحریص تھا اور اب جب کہ میں اپنی خاندانی عمر کو پہنچ چکا ہوں' زندگی ختم ہو چکی ہے اور اپنا تمام سرمایہ اپنے اہل وعیال کے سپرد کر دیا ہے تو ملحدین ایسی باتیں مشہور کرتے ہیں' خدا کی قسم! میں نے کسی شہر پر خراج کا کوئی بار ایسا نہیں ڈالا ہے کہ اس قسم کا الزام دینا جائز ہو اور جو کچھ وصول ہوا وہ ان ہی لوگوں کے رفاہ و بہبود پر صرف ہوا' میرے پاس صرف خمس آتا ہے' اور اس میں سے بھی میرے لیے کچھ لینا جائز نہیں' مسلمانوں نے اس کو میرے مشورہ کے بغیر مستحقین میں صرف کیا' خدا کے مال میں ایک پیسہ کا تصرف نہیں کیا جاتا میں اس سے کچھ نہیں لیتا ہوں۔ یہاں تک کہ کھاتا بھی ہوں تو اپنے ہی مال سے''۔

مذکورہ بالا تصریحات کے بعد اب ہم کو ان واقعات کی طرف رجوع کرنا چاہیے جن کی بنا پر ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی تابش ضیاء کو غبار آلود کہا جاتا ہے۔

اس میں شک نہیں کہ حکم کو رسول اللہ ﷺ نے طائف کو جلا وطن کر دیا تھا لیکن اخیر عہد میں حضرت عثمانؓ کی سفارش سے مدینہ آنے کی اجازت دے دی تھی۔ چونکہ شیخین کو ذاتی طور پر رسول اللہ ﷺ کی منظوری کا علم نہیں تھا اس لیے انہوں نے مدینہ آنے کی اجازت نہیں دی۔ جب حضرت عثمانؓ نے عنان خلافت ہاتھ میں لی تو اپنے ذاتی علم کی بناء پر ان کو مدینہ بلا لیا[2] اور ان کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر دیا اور صلہ رحمی کے طور

---

[1] طبری ص ۱۹۵۳۔ [2] صاحب اصابہ اور اسد الغابہ دونوں نے حکم کے حالات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

marfat.com

پر جیب خاص سے حکم کو ایک لاکھ درہم عطا فرمائے نیز مروان کو جہیز میں ایک لاکھ درہم کا عطیہ مرحمت کیا- یہ ہے اصل واقعہ جس کو مفسدین نے رنگ آمیزی کر کے کچھ سے کچھ کر دیا- طرابلس کے مال غنیمت سے مروان کو خمس دلانے کا واقعہ سراسر بہتان ہے اس کی صحیح کیفیت یہ ہے کہ مروان نے اس کو خرید لیا تھا-

چنانچہ مؤرخ ابن خلدون لکھتا ہے:

و ارسل ابن زبير با الفتح و الخمس فاشتراه مروان بن حكم بخمس مائة الف دينار و بعض الناس يقول اعطاه اياه و لا يصح و انما اعطى ابن ابى سرح خمس الخمس من الغزوة الاولىٰ[1]

''ابن زبیر نے فتح کا مژدہ اور پانچواں حصہ دار الخلافہ روانہ کیا جس کو پانچ لاکھ دینار پر مروان نے خرید لیا اور بعض لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ مروان کو دے دیا گیا صحیح نہیں ہے بلکہ پہلے معرکہ کے مال غنیمت کے خمس کا خمس ابن ابی سرح کو دے دیا تھا''-

اب پر اعتراض رہ جاتا ہے کہ کسی غزوہ کے مال غنیمت کا کوئی حصہ ابن ابی سرح کو دینے کا کیا واقعہ تھا- لیکن واقعہ یہ ہے کہ طرابلس کی جنگ کے قبل حضرت عثمانؓ نے ابن ابی سرح سے وعدہ کیا تھا کہ اگر تم اس معرکہ میں کامیاب ہوئے تو مال غنیمت کے پانچویں حصہ کا پانچواں حصہ تم کو دے دیا جائے گا- چنانچہ فتح کے بعد حسب وعدہ ان کو دے دیا اس سے عام مسلمانوں کو شکایت پیدا ہوئی اور انہوں نے حضرت عثمانؓ سے اس کا اظہار کیا تو انہوں نے اس کو واپس لے لیا- طبری کے یہ الفاظ ہیں:

فان رضيتم فقد جاز وان سخطتم فهو رد قالوا انا نسخطه قال فهو رد وكتب الى عبدالله بر ذالك.[2]

''(حضرت عثمانؓ نے کہا) کہ اگر تم لوگ اس پر راضی ہو تو ان کا ہو چکا اور تمہاری مرضی کے خلاف ہے تو واپس ہے' لوگوں نے کہا ہم راضی نہیں ہیں' فرمایا واپس ہے

[1] ابن خلدون ج ۲ ص ۱۲۹ [2] طبری ص ۲۸۱۵

marfat.com

اور عبداللہ کو واپس کرنے کا حکم نامہ لکھ دیا"۔

عبداللہ بن خالد رضی اللہ عنہ کو تین لاکھ کا عطیہ مرحمت فرمایا گیا۔ لیکن اس کی نسبت خود حضرت عثمانؓ نے مصری معترضین سے فرمایا تھا کہ میں نے بیت المال سے یہ رقم بطور قرض لی ہے۔ حارث بن حکم کو مدینہ کے بازار سے عشر وصول کرنے کا اختیار دینا بالکل بے بنیاد ہے اسی طرح اپنی صاحبزادیوں کو ہیرے جواہرات دینے کا جو قصہ صرف ابن اسحاق نے ابو موسیٰ اشعریؓ سے روایت کیا ہے اور چونکہ درمیانی راوی مجہول ہے اس لیے قابل استناد نہیں۔

بیت المال کے صرف سے اپنے لیے محل تعمیر کرنے کا قصہ محض کذب صریح ہے جو فیاض طبع اپنے ابر کرم سے دوسروں کو سیراب کرتا ہو اور جو اپنا مقررہ وظیفہ بیت المال سے لینا پسند نہ کرتا ہو وہ اپنے لیے عام مسلمانوں کا شرمندہ احسان ہونا کس طرح گوارہ کرتا۔

زید بن ثابت رضی اللہ عنہ مہتمم بیت المال کو ایک لاکھ درہم دینے کی روایت بالکل بے بنیاد ہے۔ اصل واقعہ یہ ہے کہ ایک دفعہ بیت المال میں اخراجات کے بعد ایک معقول رقم پس انداز ہوئی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے زید بنؓ ثابت کو حکم دیا کہ اس کو کسی رفاہِ عام کے کام پر صرف کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کو مسجد کی توسیع اور تعمیر میں صرف کر دیا۔ انشاء اللہ اس کا تفصیلی بیان تعمیرات کے سلسلہ میں آئے گا۔

(۳) حضرت عبداللہ بنؓ مسعود اور حضرت ابیؓ کے وظائف کا بند کرنا کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ امام وقت کو سیاسی وجوہ کی بناء پر اس قسم کے اختیارات حاصل ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو ان دونوں بزرگوں کی طرف سے کچھ غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی۔ اس لیے انہوں نے کچھ دنوں کے لیے وظیفہ روک دیا تھا۔ چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے وفات پائی تو غایت انصاف سے کام لے کر جس قدر وظیفہ بیت المال کے ذمہ باقی تھا جس کی مقدار تخمیناً بیس پچیس ہزار تھی ان کے ورثاء کے حوالے کر دیا۔[1]

(۴) چوتھا اعتراض بالکل بے معنی ہے فوجی گھوڑوں اور زکوٰۃ کے اونٹوں کے لیے چراگاہیں بنوانا خلیفہ وقت کا منصبی فرض ہے۔ خود رسول اللہ ﷺ نے مقام بقیع کو چراگاہ قرار دیا

[1] ابن سعد جز ۳ قسم اول تذکرہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ

marfat.com

تھا- حضرت عمرؓ نے تمام ملک میں وسیع چراگاہیں تیار کرائی تھیں، عہد عثمانی میں قدرتاً گھوڑوں اور اونٹوں کی تعداد میں غیر معمولی اضافہ ہوگیا، یہاں تک کہ صرف ایک چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے[1] اس لیے سرکاری چراگاہوں کا وسیع پیمانہ پر انتظام کرنا ضروری تھا اور چونکہ یہ تمام چراگاہیں سرکاری خرچ سے تیار ہوئی تھیں، اس لیے عوام کو اس سے مستفید ہونے کا کوئی حق نہ تھا- البتہ اگر الزام کی یہ صورت ہو کہ حضرت عثمانؓ نے اپنے ذاتی گھوڑوں اور اونٹوں کے لیے مقام بقیع کی چراگاہ کو مخصوص کر لیا تھا تو اس کے متعلق انہوں نے خود جن الفاظ میں اپنی بریت ظاہر کی ہے وہ اس بحث کے لیے کافی ہے-

قالوا وحميت حمى و انى و الله ما حميت حمى قبلى و الله ما حموا شيا لاحد الاما غلبه عليه اهل المدينة ثم لم يمنعوا من رعية احدا و اقتصروا المصدقات المسلمين بجمونها لئلا يكون بين من يليها و بين احد الامن ساقه هما و مالى من بغير غيروا احلتين و مالي ثاغية و لا راعية و انى قدوليت و انى اكثر العرب بغير اوشاءً فما لى اليوم شاة و لا بغير غير بعيرين الحجى.[2]

"لوگ کہتے ہیں کہ تو نے مخصوص چراگاہیں بنائی ہیں حالانکہ خدا کی قسم میں نے اسی کو مخصوص چراگاہ قرار دیا ہے جو مجھ سے پہلے مخصوص ہو چکی تھیں اور خدا کی قسم ان لوگوں سے وہی مخصوص چراگاہیں تیار کرائیں جن پر تمام اہل مدینہ غالب آئے اس کے بعد چرانے سے کسی کو نہیں روکا اور اس کو مسلمانوں کے صدقہ پر محدود کر دیا اس لیے ان کو چراگاہ بنایا تاکہ والی صدقہ اور کسی کے درمیان نزاع نہ واقع ہو، پھر کسی کو نہ منع کیا نہ اس کو ہٹایا، بجز اس کے جس نے بطور رشوت کے کوئی درہم دیا میرے پاس اس وقت دو اونٹوں کے سوا اور کوئی مویشی نہیں ہے حالانکہ جس وقت میں نے خلافت کا بارگراں اپنے سر لیا ہے تو میں عرب میں سب سے زیادہ اونٹوں اور بکریوں کا مالک تھا اور آج ایک اونٹ اور ایک بکری تک نہیں ہے صرف حج کے

[1] الوفاء باخبار دار المصطفیٰ ص ۱۵۶- [2] طبری ص ۲۹۵۲

marfat.com

لیے دو اونٹ رہ گئے ہیں''۔

(۵) بازار میں بعض اشیاء کی خرید و فروخت کو اپنے لیے مخصوص کر لینے کا قصہ بالکل غلط ہے۔ اگر اس کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو نائب رسول اللہ ﷺ اور ایک جفا کار بادشاہ میں کوئی فرق نہیں رہ جاتا۔ البتہ کھجور کی گٹھلیوں کو زکوۃ کے اونٹوں کی خوراک کے لیے خریدنے کا انتظام کیا گیا ہوگا۔ لیکن اس سے کوئی الزام عائد نہیں ہو سکتا۔

(۶) اپنے حاشیہ نشینوں اور اہل قرابت کو اطراف ملک میں وسیع قطعات زمین مرحمت فرمانے کا جو الزام عائد کیا گیا ہے اس کی صحیح کیفیت یہ ہے۔

عہد عثمانی میں بہت سے اہل یمن گھر اور جائیداد چھوڑ کر مدینہ چلے آئے تھے' حضرت عثمان نے ان لوگوں کی راحت اور سہولت کے خیال سے نزول کی اراضی کا ان کی یمن کی جائیداد سے تبادلہ کر لیا تھا۔ مثلاً حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ کو ایک قطعہ زمین دیا تو اس کے معاوضہ میں کندہ میں ان کی مملوکہ جائیداد پر قبضہ کر لیا۔ انتظامی حیثیت سے اس قسم کا ردوبدل ناگزیر تھا۔

عراق میں بہت سی زمین غیر آباد پڑی ہوئی تھی جن لوگوں نے اس کو قابل زراعت بنایا' حضرت عثمانؓ نے من احیی ارضا میتة فھی له پر عمل کر کے ان کو اس کا مالک قرار دیا اور ملک کو آباد اور قوم کو مرفہ الحال کرنے کے لیے اس قسم کی ترغیب و تحریص نہ صرف جائز بلکہ ضروری ہے۔

(۷) اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اخلاقی یا سیاسی مصالح کی بناء پر کسی صحابی کی تادیب کی تو اس سے اس کی تذلیل نہیں ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابی بن کعب رضی اللہ عنہ پر کوڑا اٹھایا۔ عیاض بن غنم کا کرتہ اتروا کر بکریاں چرانے کو دیں اور سعد بن ابی وقاصؓ کو درے مارے تو کسی نے اس کو تذلیل پر محمول نہیں کیا۔

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جلا وطن نہیں کیا تھا بلکہ وہ خود تارک دنیا ہو گئے تھے چنانچہ جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے تحقیقات کے لیے ان کو طلب کیا اور وہ دربار خلافت میں حاضر ہوئے تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے پہلے فرمایا کہ آپ میرے پاس رہئے' آپ کے اخراجات کا میں کفیل ہوں' لیکن انہوں نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ تمہاری دنیا کی مجھ کو

marfat.com

ضرورت نہیں۔[1]

اسی طرح عبادہ بن صامتؓ کے ساتھ بھی کوئی واقعہ پیش نہیں آیا تھا' بلکہ ان کی جلا وطنی کی روایت کے برخلاف ایک مستند روایت موجود ہے کہ وہ حضرت عثمانؓ کے آخری عہد تک شام میں تقسیم غنیمت کے عہدہ پر مامور تھے۔ البتہ عمار بنؓ یاسر' جندب بنؓ جنادہ اور عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ کچھ سختیاں ہوئیں۔لیکن ان کی اس سے تذلیل نہیں ہوئی۔

ایک مصحف کے سوا تمام مصاحف کے جلا دینے کا الزام صرف ان لوگوں کے نزدیک قابل وقعت قرار پا سکتا ہے' جن کے دل بصیرت سے اور آنکھیں بصارت سے محروم ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے خود کوئی صحیفہ ترتیب دے کر پیش نہیں کیا بلکہ فتنہ کے ظہور سے پہلے آنحضرتﷺ کی وفات کے بعد ہی حضرت ابوبکرؓ نے جو مصحف تیار کرایا تھا اس کی نقلیں حضرت عثمانؓ نے مختلف امصار و دیار میں بھجوا دیں اور اسی کی تسلیم پر تمام امت کو متفق کر دیا یہ آپ کا وہ کارنامہ ہے جس کے بارِ احسان سے امت محمدیہ کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتی۔

(۹) اس میں شک نہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نہایت رحم دل اور رقیق القلب تھے لیکن شرعی حدود کے اجراء میں انہوں نے کبھی تساہل سے کام نہیں لیا' جن واقعات کی بناء پر ان کو اجرائے حدود میں تغافل شعار بتایا جاتا ہے۔ان کی تفصیل یہ ہے:

(۱) عبیداللہ بن عمرؓ سے ہرمزان کا قصاص نہیں لیا گیا۔

(۲) ولید بن عقبہ پر شراب خوری کی حد جاری کرنے میں غیر معمولی تاخیر ہوئی۔

ہرمزان کا واقعہ یہ ہے کہ جب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو ابولولو مجوسی نے شہید کیا تو عبیداللہ بن عمرؓ نے غضب ناک ہو کر قاتل کی لڑکی اور ہرمزان کو جو ایک نومسلم ایرانی تھا قتل کر دیا کیونکہ ان کے خیال میں یہ سب سازش میں شریک تھے' چنانچہ حضرت عثمانؓ نے جب عنان خلافت ہاتھ میں لی تو سب سے پہلے یہی مقدمہ پیش ہوا۔ آپؓ نے صحابہؓ سے اس کے متعلق رائے طلب کی حضرت علیؓ نے عبیداللہ بن عمرؓ کو ہرمزان کے قصاص میں قتل کر دینے کا مشورہ دیا۔بعض مہاجرین نے کہا عمرؓ کل قتل ہوئے اور ان کا لڑکا آج مارا جائے گا؟ عمرو بن العاصؓ

[1] ابن سعد تذکرہ ابوذرؓ

marfat.com

نے کہا' امیر المومنین! اگر آپ عبیداللہ کو معاف کر دیں گے تو امید ہے کہ خدا آپ سے باز پرس نہ کرے گا- غرض اکثر صحابہؓ عبیداللہ کے قتل کر دینے کے خلاف تھے- حضرت عثمانؓ نے فرمایا چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث نہیں ہے اس لیے بحیثیت امیر المومنین میں اس کا ولی ہوں اور قتل کے بجائے دیت پر راضی ہوں- اس کے بعد خود اپنے ذاتی مال سے دیت کی رقم دے دی-[1] حضرت عثمانؓ نے جس عمدگی کے ساتھ اس مقدمہ کا فیصلہ کیا ہے اس سے بہتر نہیں ہو سکتا تھا کیونکہ قبیلہ عدی کبھی ہرمزان کے قصاص میں عبیداللہ بن عمرؓ کے قتل کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور درحقیقت اسی وقت فتنہ وفساد کی آگ مشتعل ہو جاتی-

ولید بن عقبہ والی کوفہ نے بادہ نوشی کی تو حضرت عثمانؓ نے فوراً معزول کر دیا لیکن حد کے اجراء میں اس وجہ سے تاخیر ہوئی کہ گواہوں پر کامل اطمینان نہیں تھا- جب کافی ثبوت بہم پہنچ گیا تو پھر حد کے اجراء میں پس وپیش نہیں کیا گیا-[2]

(۱۰) یہ خیال کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے موثق روایات کو چھوڑ کر روایات شاذہ پر عمل کیا قطعی غلط ہے البتہ اجتہادی مسائل میں اختلاف آراء ہوا' اور یہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے بلکہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس قسم کا اختلاف پایا جاتا ہے-

(۱۱) مذہب میں اختراع بدعات کا الزام نہایت لغو اور سراسر کذب ہے- اتباع سنت حضرت عثمانؓ کا مقصد حیات تھا- منیٰ میں دو کے بجائے چار رکعات نماز ادا کرنا بھی دراصل ایک نص شرعی پر مبنی تھا چنانچہ جب صحابہؓ نے اس کو بدعت پر محمول کر کے اس پر ناپسندیدگی کا اظہار کیا تو خود حضرت عثمانؓ نے ایک مجمع میں چار رکعت نماز پڑھنے کی حسب ذیل وجہ بیان کی:

یا ایھا الناس انی تاھلت بمکۃ منذ قدمت و انی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من تاھل فی بلد فلیصل صلوۃ المقیم۔[3]

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۵۸' ۵۹ [2] فتح الباری ج ۷ ص ۴۵ وطبری ص ۲۸۴۹
[3] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۶۲

marfat.com

''صاحبو! جب میں مکہ میں پہنچا تو یہاں اقامت کی نیت کر لی اور میں نے رسول اللہ کو فرماتے سنا ہے کہ جو کسی شہر میں اقامت کی نیت کر لے اس کو مقیم کی طرح نماز پڑھنی چاہیے''۔

(۱۲) بارھواں الزام ''مصری وفد'' کے ساتھ بدعہدی کا ہے۔ اس پر تفصیلی بحث حضرت عثمانؓ کی شہادت کے موقع پر آئے گی۔

شورش کے انسداد اور اصلاح کی آخری کوشش:

غرض یہ حقیقت ہے ان تمام الزامات کی جن کی بنیاد پر سازش' فتنہ پردازی اور انقلاب کی عمارت قائم کی گئی تھی۔ اور اس حد تک مکمل ہو چکی تھی کہ اس کا انہدام تقریباً ناممکن ہو گیا تھا' تاہم حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے شورش رفع کرنے کے لیے اصلاح اور شکایتوں کے ازالہ کی ایک آخری کوشش کی اور تمام عمال کو دارالخلافہ میں طلب کر کے اس کے متعلق ایک مجلس شوریٰ منعقد کی جس میں امیر معاویہؓ، عبداللہ بن ابی سرحؓ، سعید بن ابی العاصؓ اور عمرو بن العاصؓ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

حضرت عثمانؓ نے ایک مختصر تقریر کے بعد موجودہ شورش کو رفع کرنے کے متعلق ہر ایک سے رائے طلب کی۔ عبداللہ بن عامرؓ نے کہا امیر المؤمنین! میرا خیال ہے کہ اس وقت کسی ملک پر فوج کشی کر دی جائے' لوگ جہاد میں مشغول ہو جائیں گے تو فتنہ وفساد کی آگ خود بخود سرد ہو جائے گی۔

سعید بن العاصؓ نے کہا: موجودہ شورش صرف ایک جماعت کی وجہ سے ہے' اس کے سرکردہ اگر قتل کر دیئے جائیں تو مفسدین کا شیرازہ بکھر جائے گا اور ملک میں کامل امن وامان پیدا ہو جائے گا۔

امیر معاویہؓ نے کہا' ہر ایک عامل اپنے صوبہ میں امن وامان قائم رکھنے کا ذمہ لے میں ملک شام کا ضامن ہوں۔

عبداللہ بن سعدؓ نے کہا شورش پسند گروہ حریص وطماع ہے' اس لیے مال وزر سے اس کا منہ بند کیا جا سکتا ہے۔

marfat.com

عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے کہا امیر المومنین! آپ کی بے اعتدالیوں نے لوگوں کو احتجاج حق پر آمادہ کیا ہے، اس کے تدارک کی صرف دو ہی صورتیں ہیں، یا عدل وانصاف سے کام لیجئے یا خلافت سے کنارہ کشی اختیار کیجئے۔ اگر یہ دونوں ناپسند ہوں تو پھر جو چاہے کیجئے۔ حضرت عثمانؓ نے تعجب سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھا اور فرمایا افسوس! کیا تم میری نسبت ایسی رائے رکھتے ہو؟ عمرو بن العاصؓ خاموش رہے لیکن جب مجمع منتشر ہو گیا اور تنہا حضرت عثمانؓ رہ گئے تو کہا امیر المومنین! آپ مجھے بہت زیادہ محبوب ہیں، مجمع عام میں میں نے جو رائے دی وہ صرف نمائشی تھی تاکہ مفسدین مجھے ہم خیال سمجھ کر اپنا راز دار بنائیں اور اس طرح آپ کو ان کے خیر وشر سے مطلع کرتا رہوں اگرچہ یہ عذر معقول اور دل نشین نہ تھا تاہم حضرت عثمانؓ خاموش ہو گئے۔[1]

مجلس شوریٰ کے ارکان نے اگرچہ اپنے اپنے خیال کے مطابق مفید آرائیں دیں، لیکن ان میں سے کسی رائے سے بھی اصل مرض کا ازالہ نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے اصلاح ملک کا کوئی مکمل دستور العمل تیار نہ ہو سکا اور حضرت عثمانؓ نے تمام عمال کو واپس کر دیا اور خود ایک مکمل اسکیم سوچنے میں مصروف ہو گئے۔[2]

مفسدین کوفہ کی رضا جوئی:

پہلے گذر چکا ہے کہ مفسدین کوفہ سعید بن العاصؓ سے خاص بغض وعناد رکھتے تھے۔ چنانچہ جب وہ مجلس شوریٰ میں شریک ہو گئے تو انہوں نے باہم عہد کیا کہ اب وہ ان کے کوفہ آنے میں بزور مزاحم ہوں گے۔ چنانچہ جب سعید بن العاص رضی اللہ عنہ مدینہ سے کوفہ گئے تو مفسدین نے شہر سے باہر نکل کر مقام جرعہ میں مزاحمت کی اور سعید رضی اللہ عنہ کو مدینہ جانے پر مجبور کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کی خواہش کے مطابق سعیدؓ کو معزول کر کے ابوموسیٰ اشعریؓ کا تقرر کیا اور باغیوں کے پاس لکھ بھیجا کہ میں نے تمہاری خواہش کے مطابق تقرر کر دیا اور آخر وقت تک تمہاری اصلاح میں جدوجہد کروں گا اور کسی وقت صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑوں گا۔[3]

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۱۷، ۱۱۸ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۱۷، ۱۱۸ [3] طبری ص ۲۹۳۶

marfat.com

تحقیقاتی وفود:

حضرت عثمانؓ برابر اصلاح ملک کی فکر میں تھے کہ کوئی مناسب تدبیر سمجھ میں نہیں آتی تھی۔ حضرت طلحہؓ نے مشورہ دیا تھا کہ ملک کے مختلف حصوں میں حالات کی تحقیق کے لیے وفود روانہ کیے جائیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو یہ رائے پسند آئی۔ چنانچہ ۳۵ھ میں حضرت محمدؓ بن مسلمہ کوفہ، اسامہؓ بن زید بصرہ، عمارؓ بن یاسر مصر، عبداللہؓ بن عمر شام اور بعض دوسرے صحابہؓ دیگر صوبہ جات کی طرف تفتیش حال کے لیے روانہ کیے[1] نیز تمام ملک میں گشتی اعلان جاری کر دیا کہ میں عموماً حج کے موقع پر تمام عمال کو جمع کرتا ہوں اور جس عامل کے خلاف کوئی شکایت پیش کی جاتی ہے۔ فوراً تحقیقات کر کے تدارک کرتا ہوں۔ لیکن باوجود اس کے معلوم ہوا ہے کہ بعض عمال بے وجہ لوگوں کو مارتے ہیں، گالی دیتے ہیں اور دوسرے طریقہ سے ظلم وتعدی کرتے ہیں، اس لیے یہ اعلان عام ہے کہ جس کو مجھ سے یا میرے کسی عامل سے کوئی شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے میں کامل تدارک کر کے ظالم سے مظلوم کا حق دلاؤں گا۔[2]

انقلاب کی کوشش:

ادھر دربار خلافت میں یہ اصلاحات کی تجویزیں پیش ہو رہی تھیں۔ دوسری طرف ملک میں ایک عظیم الشان انقلاب کی سازش مکمل ہو چکی تھی۔ چنانچہ بصرہ، کوفہ اور مصر کے فتنہ پردازوں نے آپس میں طے کر کے اپنے اپنے شہر سے حاجیوں کی وضع میں مدینہ کا رخ کیا۔[3] تاکہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بزور اپنے مطالبات تسلیم کرائیں۔

مدینہ کے قریب پہنچ کر شہر سے دو تین میل کے فاصلہ پر قیام کیا اور چند آدمی جو اس جماعت کے سرکردہ تھے باری باری حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعد بن ابی وقاصؓ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس گئے کہ وہ اپنی وساطت سے معاملہ کا تصفیہ کرا دیں۔ لیکن سب نے اس جھگڑے میں پڑنے سے انکار کر دیا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو فتنہ وفساد کا دبانا اور لوگوں کی صحیح شکایات کا رفع کرنا بہر حال منظور تھا اس لیے انہوں نے مفسدین کے اجتماع کی خبر سنی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا، کہ

---

[1] ایضاً ص ۲۹۴۳ [2] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۲۳ [3] ایضاً ص ۱۲۵

marfat.com

آپ اس جماعت کو راضی کر کے واپس کر دیجئے' میں جائز مطالبات کے تسلیم کرنے کے لیے تیار ہوں- چنانچہ حضرت علیؓ کی وساطت سے مفسدین واپس گئے[1] اس کے بعد حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز مسجد میں خطبہ دیا اور تفصیل کے ساتھ اصلاحی اسکیم اور اپنے آئندہ طرز عمل کی توضیح کی- لوگ خوش ہوئے کہ اب منازعات کا خاتمہ ہو گیا اور جدید اصلاحات کے اجراء سے ایک طرف تو بنو امیہ کا زور ٹوٹ جائے گا' دوسری طرف باغ اسلام میں جس کو مسلسل پانچ سال کے فتنہ و فساد اور سازش فتنہ پردازی کی بادخزاں نے بے رونق کر دیا ہے پھر تازہ بہار آ جائے گی- لیکن یہ غنچہ سرور ابھی اچھی طرح کھلا بھی نہ تھا کہ مرجھا گیا اور ایک دن دفعتاً مدینہ کی گلیوں میں تکبیر کے نعروں اور گھوڑوں کی ٹاپوں سے شور قیامت برپا ہو گیا- کبار صحابہؓ گھبرا کر گھروں سے نکل آئے دیکھا کہ مفسدین کی جماعت پھر واپس آ گئی ہے اور "انتقام! انتقام" کی صدائیں بلند ہو رہی ہیں-

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر واپس آنے کا سبب دریافت کیا- مصریوں نے کہا کہ راہ میں دربار خلافت کا ایک قاصد ملا کہ جو نہایت تیزی و عجلت کے ساتھ مصر جا رہا تھا- اس کی مشتبہ حالت سے بدگمانی ہوئی اور خیال ہوا کہ ضرور ہم لوگوں کے متعلق والی مصر کے پاس احکام جا رہے ہیں' تلاشی لی گئی تو درحقیقت ایک ایسا فرمان برآمد ہوا جس میں ہدایت کی گئی تھی کہ ہم لوگوں کی گردن ماردی جائے اس لیے اب ہم اس بدعہدی اور فریب کاری کا انتقام لینے آئے ہیں-[2]

خلافت سے کنارہ کشی کا مطالبہ:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اس واقعہ سے اطلاع دی گئی تو آپ نے حیرت کے ساتھ اپنی لاعلمی ظاہر کی اور قسم کھا کر کہا کہ مجھے مطلقاً اس خط کی اطلاع نہیں ہے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے حلفیہ انکار پر لوگوں نے قیاس کیا کہ یہ یقیناً مروان کی شرارت ہے- مصریوں نے کہا بہر حال کچھ بھی ہو جو خلیفہ اس قدر غافل ہو کہ اس کی لاعلمی میں ایسے اہم امور پیش آ جائیں اور اسے خبر نہ ہو وہ کسی طرح خلافت کے لیے موزوں نہیں ہو سکتا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مسند خلافت سے کنارہ کش ہو جانے کا مطالبہ کیا آپ نے فرمایا جب تک مجھ میں رمق جان باقی

---

[1] ایضاً ص ۲۹ طبع یورپ [2] طبری ص ۱۹۵۸ و ابن سعد تذکرہ عثمانؓ

marfat.com

ہے میں اس خلعت کو جو خدا نے مجھے پہنایا ہے خود اپنے ہاتھوں سے نہیں اتاروں گا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وصیت کے مطابق میں اپنی زندگی کے آخری لمحہ تک صبر کروں گا۔[1]

محاصرہ:

حضرت عثمانؓ کے انکار پر مفسدین نے کاشانہ خلافت کا نہایت سخت محاصرہ کر لیا جو چالیس دن تک مسلسل قائم رہا۔ اس عرصہ میں اندر پانی تک پہنچانا جرم تھا۔ ایک دفعہ ام المؤمنین حضرت ام حبیبہؓ نے اپنے ساتھ کھانے پینے کی کچھ چیزیں لے کر حضرت عثمانؓ تک پہنچنے کی کوشش کی مگر مفسدین کے قلوب نور ایمان سے خالی ہو چکے تھے۔ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم محترم کا بھی پاس و لحاظ نہ کیا اور بے ادبی کے ساتھ مزاحمت کر کے واپس کر دیا۔[2] ہمسایہ گھروں سے کبھی کبھی رسد اور پانی کی امداد پہنچ جاتی تھی' مفسدین کی خیرہ سری سے صحابہ کرامؓ کی بے احترامی اتنی بڑھ گئی تھی کہ حضرت عبداللہؓ بن سلام' ابو ہریرہؓ، سعد بن ابی قاص رضی اللہ عنہ، اور زید بن ثابتؓ جیسے اکابر صحابہ تک کی کسی نے نہ سنی اور ان کی توہین کی۔ حضرت علیؓ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے بلانے پر ان کے گھر کے اندر جانا چاہا تو لوگوں نے ان کو روک دیا' آپ نے مجبور ہو کر اپنا سیاہ عمامہ اتار کر قاصد کو دے دیا اور کہا جو حالت ہے اس کو دیکھ لو اور جا کر کہہ دو۔[3] بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم مدینہ چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سفر حج کا ارادہ کر لیا۔ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ان پر آشوب حالات میں گوشہ نشینی مناسب سمجھی۔ ذمہ دار صحابہ رضی اللہ عنہم میں اس وقت تین بزرگ حضرت علی، حضرت طلحہ، حضرت زبیر رضی اللہ عنہم موجود تھے جو نہ تو بے تعلق رہ سکتے تھے اور نہ ان حالات پر ان کو قابو تھا۔ تینوں صاحبوں نے کچھ کوششیں بھی کیں مگر اس ہنگامہ میں کوئی کسی کی نہیں سنتا تھا اس لیے یہ تینوں اصحاب بھی عملاً علیحدہ رہے مگر اپنے اپنے جگر گوشوں کو خلیفہ وقت کی حفاظت کے لیے بھیج دیا حضرت امام حسنؓ دروازہ پر پہرہ دے رہے تھے' حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کو حضرت عثمانؓ کے گھر میں جو جان نثار موجود تھے ان کی افسری پر متعین کیا۔

---

[1] ابن سعد تذکرہ عثمانؓ [2] طبری ص ۲۱۰

[3] ابن سعد جلد ۳ قسم اول

marfat.com

باغیوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی فہمائش:

کاشانہ خلافت کا محاصرہ کرنے والے باغیوں کو متعدد دفعہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے سمجھانے کی کوشش کی ان کے سامنے مؤثر تقریریں کیں' حضرت ابی بن کعبؓ نے تقریر کی مگر ان لوگوں پر کسی چیز کا اثر نہ ہوا- حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چھت کے اوپر سے مجمع کو مخاطب کر کے فرمایا کیا تمہیں معلوم ہے کہ آنحضرتؐ جب مدینہ آئے تو یہ مسجد تنگ تھی' آپؐ نے فرمایا' کون اس زمین کو خرید کر وقف کرے گا؟ اس کے صلہ میں اس کو اس سے بہتر جگہ جنت میں ملے گی تو میں نے آپؐ کے حکم کی تعمیل کی' تو کیا اسی مسجد میں تم مجھے نماز پڑھنے نہیں دیتے- تم کو خدا کی قسم دیتا ہوں' بتاؤ کیا تم جانتے ہو کہ آنحضرت جب مدینہ تشریف لائے تو اس میں ارومہ کے سوا میٹھے پانی کا کنواں نہ تھا- آپؐ نے فرمایا کہ اس کو کون خرید کر عام مسلمانوں پر وقف کرتا ہے؟ اور اس سے بہتر اس کو جنت میں ملے گا تو میں نے ہی اس کی تعمیل کی تو کیا اسی کنواں کا پانی پینے سے مجھے محروم کر رہے ہو؟ کیا تم جانتے ہو کہ عسرت کے لشکر کو میں نے ہی ساز و سامان سے آراستہ کیا تھا؟ سب نے جواب دیا خداوندا! یہ سب باتیں سچ ہیں[1] مگر سنگ دلوں پر اس کا اثر بھی نہ ہوا- پھر مجمع کو خطاب کر کے فرمایا "تم کو قسم دیتا ہوں' تم میں کسی کو یاد ہے کہ ایک دفعہ آنحضرتؐ پہاڑ پر چڑھے تو پہاڑ ہلنے لگا- آپؐ نے پہاڑ کو ٹھوکر مار کر فرمایا- اے حرا ٹھہر جا کہ تیری پیٹھ پر اس وقت ایک نبی اور ایک صدیق اور ایک شہید ہے اور میں آپ کے ساتھ تھا- لوگوں نے کہا یاد ہے پھر فرمایا خدا کا واسطہ دیتا ہوں' بتاؤ کہ حدیبیہ میں مجھے آپؐ نے مکہ میں سفیر بنا کر بھیجا تھا تو کیا خود اپنے ایک دست مبارک کو میرا ہاتھ قرار نہیں دیا؟ اور میری طرف سے خود ہی بیعت نہیں کی؟ سب نے کہا سچ ہے-[2]

آخر میں باغی یہ دیکھ کر کہ حج کا موسم چند روز میں ختم ہو جاتا ہے اور اس کے ختم ہوتے ہی لوگ مدینہ کا رخ کریں گے اور موقع نکل جائے گا- آپ کے قتل کرنے کے مشورے کرنے لگے جس کو خود حضرت عثمانؓ نے اپنے کانوں سے سنا اور مجمع کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا' لوگو! آخر کس جرم پر تم میرے خون کے پیاسے ہو؟ اسلام کی شریعت میں کسی کے قتل کی

---

[1] ابن حنبل ج اول ص ۷۰'۷۵'۴ [2] ابن حنبل ج اول ص ۵۹

marfat.com

صرف تین ہی صورتیں ہیں یا تو اس نے بدکاری کی ہو تو اس کو سنگسار کیا جائے یا اس نے بالارادہ کسی کو قتل کیا ہو تو وہ قصاص میں مارا جائے گا یا وہ مرتد ہو گیا ہو تو وہ قتل کیا جائے گا میں نے نہ تو جاہلیت میں اور نہ اسلام میں بدکاری کی نہ کسی کو قتل کیا اور نہ اسلام کے بعد مرتد ہوا اب بھی گواہی دیتا ہوں کہ خدا ایک ہے اور محمدؐ اس کے بندے اور رسول ہیں[1] لیکن باغیوں پر ان میں سے کوئی تقریر کارگر نہ ہوئی۔

جان نثاروں کے مشورے اور اجازت طلبی:

بعض جان نثاروں نے مختلف مشورے دیئے مغیرہؓ بن شعبہ نے آ کر عرض کیا ''امیر المومنین'' تین باتیں ہیں' ان میں سے ایک قبول کیجئے۔ آپ کے طرف داروں اور جان نثاروں کی ایک طاقتور جماعت یہاں موجود ہے اس کو لے کر نکلئے اور ان باغیوں کا مقابلہ کر کے ان کو نکال دیجئے آپ حق پر ہیں وہ باطل پر' لوگ حق کا ساتھ دیں گے' اگر یہ منظور نہیں تو پھر صدر دروازہ چھوڑ کر دوسری طرف سے دیوار توڑ کر اس محاصرہ سے نکلئے اور سواریوں پر بیٹھ کر مکہ معظمہ چلے جائیے وہ حرم ہے وہاں یہ لوگ نہ لڑ سکیں گے' یا پھر یہ کہ شام چلے جائیے وہاں کے لوگ وفادار ہیں اور معاویہؓ موجود ہیں حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں باہر نکل کر ان سے جنگ کروں تو میں وہ پہلا خلیفہ بننا نہیں چاہتا جو امت محمدی کی خونریزی کرے۔ اگر مکہ معظمہ چلا جاؤں تو بھی اس کی امید نہیں کہ یہ لوگ حرم الٰہی کی توہین نہ کریں گے اور جنگ سے باز آ جائیں گے' اور میں آپ کی پیشین گوئی کے مطابق وہ شخص نہیں بننا چاہتا جو مکہ جا کر اس کی بے حرمتی کا باعث ہو گا اور شام بھی نہیں جا سکتا کہ اپنے ہجرت کے گھر اور رسول اللہ ﷺ کے جوار کو نہیں چھوڑ سکتا۔[2]

حضرت عثمانؓ کا گھر بہت بڑا اور وسیع تھا' دروازہ اور گھر میں صحابہؓ اور عام مسلمانوں کی خاصی جمعیت موجود تھی جس کی تعداد سات سو تھی[3] اور جس کے سردار حضرت زبیرؓ کے بہادر صاحبزادہ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔[4] وہ حضرت عثمانؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی کہ امیر المؤمنین! اس وقت گھر کے اندر ہماری خاصی تعداد ہے' اجازت ہو تو میں ان

---

1. ایضاً ص ۶۲ 2. ابن حنبل ج ۱ ص ۶۷ 3. ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۴۹ 4. ایضاً

marfat.com

باغیوں سے لڑوں' فرمایا اگر ایک شخص کا بھی ارادہ ہو تو میں اس کو خدا کا واسطہ دیتا ہوں کہ وہ میرے لیے اپنا خون نہ بہائے۔[1]

گھر میں اس وقت بیس غلام تھے ان کو بھی بلا کر آزاد کر دیا[2] حضرت زیدؓ بن ثابت نے آکر عرض کیا امیر المؤمنین! انصار دروازہ پر کھڑے اجازت کے منتظر ہیں کہ وہ دوبارہ اپنے کارنامے دکھائیں۔ فرمایا اگر لڑائی مقصود ہے تو اجازت نہ دوں گا۔[3] اس وقت میرا سب سے بڑا مددگار وہ ہے جو میری مدافعت میں تلوار نہ اٹھائے۔[4] حضرت ابوہریرہؓ نے اجازت مانگی تو فرمایا' اے ابوہریرہؓ! کیا تمہیں پسند آئے گا کہ تم تمام دنیا کو اور ساتھ ہی مجھ کو بھی قتل کر دو' عرض کی نہیں۔ فرمایا کہ اگر تم نے ایک شخص کو بھی قتل کیا تو گویا سب قتل ہو گئے (یہ سورۂ مائدہ رکوع ۵ کی آیت ۶ کی طرف اشارہ ہے) ابوہریرہؓ یہ سن کر لوٹ آئے۔[5]

شہادت کی تیاری:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو آنحضرت ﷺ کی پیشین گوئی کے مطابق یہ یقین تھا کہ ان کی شہادت مقدر ہو چکی ہے[6] آپؐ نے متعدد مرتبہ ان کو اس سانحہ سے خبردار کیا تھا اور صبر و استقامت کی تاکید فرمائی تھی۔ حضرت عثمانؓ اس وصیت پر پوری طرح قائم اور ہر لحظہ ہونے والے واقعہ کے منتظر تھے جس دن شہادت ہونے والی تھی' آپ روزہ سے تھے' جمعہ کا دن تھا خواب میں دیکھا کہ آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما تشریف فرما ہیں اور ان سے کہہ رہے ہیں کہ عثمانؓ جلدی کرو' تمہارے افطار کے ہم منتظر ہیں۔ بیدار ہوئے تو حاضرین سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ اہلیہ محترمہ سے فرمایا کہ میری شہادت کا وقت آ گیا' باغی مجھے قتل کر ڈالیں گے۔ انہوں نے کہا امیر المؤمنین! ایسا نہیں ہو سکتا فرمایا میں یہ خواب دیکھ چکا ہوں اور ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ فرما رہے ہیں کہ ''عثمانؓ! آج جمعہ میرے ساتھ پڑھنا''۔[7] پھر پائجامہ جس کو کبھی نہیں پہنا تھا منگا کر پہنا[8] اپنے بیس غلاموں کو بلا کر آزاد کیا

[1] ابن سعد ج ۳ ق ۱ ص ۴۹۔ [2] ابن حنبل ج ۱ ص ۷۲۔ [3] ابن سعد جلد ۳ ص ۴۸۔ [4] ایضاً
[5] ایضاً۔ [6] ابن حنبل ج اول ص ۶۶۔ [7] ابن سعد ج ۳ ص ۵۳ اور حاکم جلد ۳ ص ۹۹ و ص ۱۰۳ میں یہ دونوں خواب مذکور ہیں اور ابن حنبل میں صرف پہلے خواب کا ذکر ہے۔ [8] ابن حنبل ج اول ص ۱۷۱۔

marfat.com

اور قرآن کھول کر تلاوت میں مصروف ہو گئے۔

شہادت:

باغیوں نے مکان پر حملہ کر دیا، حضرت حسن رضی اللہ عنہ جو دروازہ پر متعین تھے مدافعت میں زخمی ہوئے، چار باغی دیوار پھاند کر چھت پر چڑھ گئے۔ آگے آگے حضرت ابوبکرؓ کے چھوٹے صاحبزادے محمد بن ابی بکرؓ تھے، جو حضرت علیؓ کی آغوش تربیت میں پلے تھے، یہ کسی بڑے عہدے کے طلب گار تھے جس کے نہ ملنے سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے دشمن بن گئے تھے۔ انہوں نے آگے بڑھ کر حضرت عثمانؓ کی ریش مبارک پکڑ لی اور زور سے کھینچی، حضرت عثمانؓ نے فرمایا، بھتیجے! اگر تمہارے باپ زندہ ہوتے تو ان کو یہ پسند نہ آتا، یہ سن کر محمد بن ابی بکرؓ شرما کر پیچھے ہٹ گئے اور ایک دوسرے شخص کنانہ بن بشر نے آگے بڑھ کر پیشانی مبارک پر لوہے کی لاٹ اس زور سے ماری کہ پہلو کے بل گر پڑے۔ اس وقت بھی زبان سے "بسم اللہ توکلت علی اللہ" نکلا۔ سودان ابن حمران مرادی نے دوسری جانب ضرب لگائی جس سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا ایک اور سنگدل عمرو بن الحمق سینہ پر چڑھ بیٹھا اور جسم کے مختلف حصوں پر پے در پے نیزوں کے نو زخم لگائے، کسی شقی نے بڑھ کر تلوار کا وار کیا۔ وفادار بیوی حضرت نائلہ نے جو پاس ہی بیٹھی تھیں، ہاتھ پر روکا، تین انگلیاں کٹ کر الگ ہو گئیں، وار نے ذوالنورینؓ کی شمع حیات بجھا دی اس بے کسی کی موت پر عالم امکان نے ماتم کیا۔ کائنات ارضی و سماوی نے خون ناحق پر آنسو بہائے کارکنان قضا و قدر نے کہا جو خون آشام تلوار آج بے نیام ہوئی ہے وہ قیامت تک بے نیام رہے گی اور فتنہ و فساد کا جو دروازہ کھلا ہے وہ حشر تک کھلا رہے گا۔[1]

شہادت کے وقت حضرت عثمانؓ تلاوت فرما رہے تھے قرآن مجید سامنے کھلا تھا اس خون ناحق نے جس آیت کو خون ناب کیا، وہ یہ ہے:

﴿فَسَيَكْفِيكَهُمُ اللّٰهُ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ﴾ (بقرہ۔ ۱۳۷)

"خدا تم کو بس ہے اور وہ سننے اور جاننے والا ہے"۔

---

[1] صحیح بخاری کتاب الفتن میں اس کا اشارہ ہے۔

marfat.com

جمعہ کے دن عصر کے وقت شہادت کا واقعہ پیش آیا' دو دن تک لاش بے گور و کفن پڑی رہی' حرم رسول میں قیامت برپا تھی' باغیوں کی حکومت تھی' ان کے خوف سے کسی کو اعلانیہ دفن کرنے کی ہمت نہ ہوتی تھی- سنیچر کا دن گذر کر رات کو چند آدمیوں نے ہتھیلی پر جان رکھ کر تجہیز و تکفین کی ہمت کی اور غسل دیئے بغیر اسی طرح خون آلود پیراہن میں شہید مظلوم کا جنازہ اٹھایا اور کل سترہ افراد نے کابل سے مراکش تک کے فرماں روا کے جنازہ کی نماز پڑھی- مسند ابن حنبل میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے اور ابن سعد میں ہے' کہ حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع کے پیچھے حش کوکب[1] میں اس حلیم و بردباری کے مجسمہ اور بے کسی و مظلومی کے پیکر کو سپرد خاک کیا' بعد کو یہ دیوار توڑ کر جنت البقیع میں داخل کر لیا گیا- آج بھی جنت البقیع کے سب سے آخر میں مزار مبارک موجود ہے-

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ماتم:

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور عام مسلمانوں میں سے کوئی اس سانحہ عظمیٰ کے سننے کے لیے تیار نہ تھا اور کسی کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ باغی اس حد تک جرأت کریں گے کہ امام وقت کے قتل کے مرتکب ہوں گے اور حرم رسول اللہ کی توہین کریں گے- اس لیے جس نے اس کو سنا انگشت بدنداں رہ گیا جو لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرز حکومت کے کسی قدر شاکی تھے انہوں نے بھی اس بے کسی اور مظلومی کی موت پر آنسو بہائے تمام لوگوں میں سناٹا چھا گیا' خود باغی بھی جن کی پیاس اس خون سے بجھ چکی تھی' اب مآل کار کو سوچ کر اپنی حرکت پہ نادم تھے' لیکن دشمنوں نے اسلام کے لیے سازش کا جو جال بچھایا تھا اس میں وہ کامیاب ہو چکے تھے' متحد اسلام سنی' شیعہ' خارجی اور عثمانی مختلف حصوں میں بٹ گیا اور ایسا تفرقہ پڑا جو قیامت تک کے لیے قائم رہ گیا-

حضرت علی مسجد سے نکل کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے گھر کی طرف آ رہے تھے کہ راہ میں شہادت کی اطلاع ملی' یہ خبر سنتے ہی دونوں ہاتھ اٹھا کر فرمایا' خداوندا! میں عثمانؓ کے خون سے بری ہوں- حضرت عمرؓ کے بہنوئی سعیدؓ بن زید بن عمرو بن نفیل نے کہا لوگو! اگر کوہ احد تمہاری

[1] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۷۳

marfat.com

اس بد اعمالی کے سبب پھٹ کر تم پر گر پڑے تو بھی بجا ہے۔ حضرت حذیفہ ؓ نے جو صحابہ میں فتنہ و فساد کی پیشین گوئی کے سب سے بڑے حافظ اور آنحضرت ﷺ کے محرم اسرار تھے، فرمایا: آہ! عثمان ؓ کے قتل سے اسلام میں وہ رخنہ پڑ گیا جو اب قیامت تک بند نہ ہوگا۔ حضرت ابن عباس ؓ نے کہا اگر تمام خلقت عثمان ؓ کے قتل میں شریک ہوتی تو قوم لوط کی طرح آسمان سے اس پر پتھر برستے۔ ثمامہ ؓ بن عدی صحابی کو جو صنعائے یمن کے والی تھے، اس کی خبر پہنچی تو وہ رو پڑے اور فرمایا کہ افسوس! رسول اللہ ﷺ کی جانشینی جاتی رہی۔ ابو حمید ساعدی ؓ صحابی نے قسم کھائی کہ جب تک جیوں گا، ہنسی کا منہ نہ دیکھوں گا، عبداللہ بن سلام صحابی نے کہا، آہ! آج عرب کی قوت کا خاتمہ ہو گیا۔ حضرت عائشہ ؓ نے فرمایا، عثمان مظلوم مارے گئے، خدا کی قسم! ان کا نامہ اعمال دھلے کپڑے کی طرح پاک ہو گیا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کی آنکھوں سے آنسوؤں کا تار جاری تھا۔ حضرت ابو ہریرہ کا یہ حال تھا کہ جب اس سانحہ کا ذکر آجاتا تو دھاڑیں مار مار کر روتے۔[1]

حضرت عثمان ؓ کا خون سے رنگین کرتہ اور حضرت نائلہ ؓ کی کٹی ہوئی انگلیاں شام میں امیر معاویہ ؓ کے پاس پہنچ گئیں۔ جب وہ کرتہ مجمع عام میں کھولا گیا اور انگلیاں لٹکائی گئیں تو ماتم برپا ہو گیا اور انتقام انتقام کی آوازیں آنے لگیں۔

عثمانی کارنامے

فتوحات پر اجمالی نظر:

اس میں شک نہیں ہے کہ فاروق اعظم ؓ نے اپنے حسن تدبیر اور غیر معمولی سیاسی قوت عمل سے روم و ایران کے دفتر الٹ دیئے۔ اور ان کی دولت و مملکت فرزندان توحید کا ورثہ بن گئی دولت کیانی صفحۂ ہستی سے معدوم ہو گئی اور تمام ایران مسخر ہو گیا شام، مصر، الجزائر نے بھی

[1] یہ تمام الفاظ ابن سعد جلد ۳ قسم اول ص ۵۵، ۵۶ میں مذکور ہیں حضرت سعید ؓ بن زید بن عمرو بن نفیل کا فقرہ صحیح بخاری باب اسلام سعید ؓ بن زید میں بھی مذکور ہے۔ حضرت علی ؓ کا فقرہ حاکم نے مستدرک میں بسند صحیح نقل کیا ہے۔

marfat.com

سپر ڈال دی لیکن کیا یہ ممکن ہے کہ فاتح قوم کا ایک ہی سیلاب مفتوح اقوام کے احساس خودی کو فنا کر دے؟ اور کیا تاریخ کوئی ایسی مثال پیش کر سکتی ہے کہ ایک ہی شکست نے کسی قسم کی حریت و آزادی کے جذبہ کو معدوم کر دیا ہو؟ اور اس کے قوائے عملی بے کار ہو گئے ہوں؟ سکندر نے تمام دنیا کو مسخر کر لیا لیکن اس کے جانشینوں نے کتنے دلوں تک حکومت قائم رکھی؟ چنگیز و تیمور نے بھی عالم کو تہہ و بالا کر دیا' لیکن ان کی فتوحات کیوں نقش بر آب ثابت ہوئیں۔

درحقیقت یہ ایک تاریخی نکتہ ہے کہ جب اولوالعزم فاتح کا جانشین ویسا ہی اولوالعزم اور عالی حوصلہ نہیں ہوتا تو اس کی فتوحات اس تماشا گاہ عالم میں صرف ایک وقتی نمائش ہوتی ہیں اس بناء پر جانشین فاروق ؓ کا سب سے اہم کارنامہ یہ ہے کہ اس نے ممالک مفتوحہ میں حکومت و سلطنت کی بنیاد مستحکم کی اور مفتوح اقوام کے جذبہ خودسری کو رفتہ رفتہ اپنے حسن تدبیر اور حسن عمل سے اس طرح ختم کر دیا کہ مسلمانوں کی باہمی کشمکش کے موقعوں میں بھی انہیں سرتابی کی ہمت نہ ہوئی۔

تم نے فتوحات کے سلسلہ میں پڑھا ہوگا کہ حضرت عثمان ؓ کو نہایت کثرت کے ساتھ بغاوتیں فرو کرنا پڑیں۔ مصر میں بغاوت ہوئی' اہل آرمینیہ اور آذربائیجان نے خراج دینا بند کر دیا' اہل خراسان نے سرکشی اختیار کی' یہ تمام بغاوتیں درحقیقت اسی جذبہ کا نتیجہ تھیں جو مفتوح ہونے کے بعد بھی اقوام کے جذبہ آزادی کو برانگیختہ کرتا رہتا ہے لیکن حضرت عثمان ؓ نے تمام بغاوتوں کو نہایت ہوشیاری کے ساتھ فرو کیا اور آہستہ آہستہ تشدد و تلطف کی مجموعی حکمت عملی سے مفتوحہ ممالک کی عام رعایا کو اطاعت اور انقیاد پر مجبور کر دیا۔

فتوحات کی وسعت:

عہد عثمانی میں ممالک محروسہ کا دائرہ بھی نہایت وسیع ہوا۔ افریقہ میں طرابلس' برقہ اور مراکش (افریقہ) مفتوح ہوئے' ایران کی فتح تکمیل کو پہنچی ایران کے متصل ملکوں میں افغانستان' خراسان اور ترکستان کا ایک حصہ زیر نگین ہوا۔ دوسری سمت آرمینیہ اور آذربائیجان مفتوح ہو کر اسلامی سرحد کوہ قاف تک پھیل گئی اسی طرح ایشیائے کوچک کا ایک وسیع خطہ ملک شام میں شامل کر لیا گیا۔

بحری فتوحات کا آغاز خاص حضرت عثمان ؓ کے عہد خلافت سے ہوا' حضرت عمر ؓ کی

marfat.com

احتیاط نے مسلمانوں کو سمندری خطرات میں ڈالنا پسند نہ کیا۔ ذوالنورینؓ کی اولوالعزمی نے خطرات سے بے پرواہ ہو کر ایک عظیم الشان بیڑا تیار کر کے جزیرۂ قبرص (سائپرس) پر اسلامی پھریرا بلند کیا اور بحری جنگ میں قیصر روم کے بیڑے کو جس میں پانچ سو جنگی جہاز شامل تھے' ایسی فاش شکست دی کہ پھر رومیوں کو اس جرأت کے ساتھ بحری حملہ کی ہمت نہ ہوئی۔

نظام خلافت:

اسلامی حکومت کی ابتداء شوریٰ سے ہوئی' فاروق اعظمؓ نے اس کو زیادہ مکمل اور منظم کر دیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی اس نظام کو اپنے ابتدائی عہد میں قائم رکھا۔ لیکن آخر میں بنوامیہ کے استیلاء نے اس میں برہمی پیدا کر دی مروان بن حکم رضی اللہ عنہ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اعتماد نیکی اور سادگی سے ناجائز فائدہ اٹھا کر خلافت کے کاروبار میں پورا رسوخ پیدا کر لیا تھا' تاہم جب کبھی آپ کو کسی معاملہ کی طرف توجہ دلائی جاتی تو آپ فوراً اس کے تدارک کی سعی کرتے' نیک مشوروں کو قبول کرنے میں تامل نہ فرماتے۔ چنانچہ ولید بن عقبہ کی بادہ نوشی کی طرف توجہ دلائی گئی تو تحقیق کے بعد انہوں نے فوراً اس کو معزول کر دیا اور شرعی حد جاری کی۔ اسی طرح جب حضرت طلحہؓ نے ملک میں عام تحقیقات کے لیے وفود بھیجنے کا مشورہ دیا تو فوراً اس کو تسلیم کر لیا۔

جمہوری حکومت کا ایک مقصد یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق کی حفاظت اور حکام کے طریق عمل پر نکتہ چینی کرنے کا حق حاصل ہو۔ حضرت عثمانؓ کے اخیر عہد میں اگرچہ مجلس شوریٰ کا باقاعدہ نظام درہم برہم ہو گیا تھا تاہم یہ حقوق بجنسہٖ باقی تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ مجمع عام میں ایک شخص نے عمال کو اپنے ہی خاندان سے منتخب کرنے پر بلند آہنگی سے اعتراض کیا۔ اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے عبداللہ بن ابیؓ سرح کو طرابلس کے مال غنیمت سے خمس کا پانچواں حصہ دے دیا تو بہت سے آدمیوں نے اس پر اعتراض کیا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو اسے واپس کرانا پڑا۔

عمال کی مجلس شوریٰ:

ملکی و انتظامی معاملات میں حکام وقت دوسرے غیر ذمہ دار اشخاص کے مقابلہ میں

marfat.com

نسبتاً بہتر اور صائب رائے قائم کر سکتے ہیں' چنانچہ آج تمام مہذب حکومتوں میں عمال و حکام کی ایک مجلس شوریٰ ہوتی ہے۔ حضرت عثمانؓ ذوالنورین نے تیرہ سو برس پہلے اس ضرورت کو محسوس کر کے عمال کی ایک مجلس شوریٰ ترتیب دی تھی۔ اس مجلس کے ارکان سے عموماً تحریری رائیں طلب کی جاتی تھیں۔ کوفہ میں پہلے پہلے جب فتنہ وفساد کی ابتداء ہوئی تو اس کی بیخ کنی کے متعلق تحریر ہی کے ذریعہ سے رائیں طلب کی گئی تھیں' کبھی کبھی دارالخلافہ میں باقاعدہ جلسے بھی ہوتے تھے۔ چنانچہ ۳۴ھ میں اصلاحات ملک پر غور کرنے کے لیے جو جلسہ ہوا تھا اس میں تمام اہل الرائے اور اکثر عمال شریک تھے۔[1]

صوبوں کی تقسیم:

نظام حکومت کے سلسلہ میں سب سے پہلے کام صوبہ جات اور اضلاع کی مناسب تقسیم ہے۔ حضرت عمرؓ نے ملک شام کو تین صوبوں میں تقسیم کیا تھا یعنی دمشق' اردن اور فلسطین علیحدہ صوبے قرار پائے تھے۔ حضرت عثمانؓ نے سب کو ایک والی کے ماتحت کر کے ایک صوبہ بنا دیا' جو نہایت سود مند ثابت ہوا۔ کیونکہ جب والی خوش تدبیر اور ذی ہوش ہو تو ملک کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کر دینے سے اس کا ایک ہی مرکز سے وابستہ رہنا زیادہ مفید ہوتا ہے۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ آخری عہد میں جب تمام ملک سازش اور فتنہ پردازی کا جولان گاہ بنا تھا اس وقت وہ تمام اضلاع جو شام سے ملحق کر دیئے گئے تھے اس سے پاک و صاف رہے۔ دوسرے صوبہ جات بعینہٖ باقی رکھے گئے البتہ جدید مفتوحہ ممالک یعنی طرابلس' قبرص' آرمینیہ اور طبرستان علیحدہ علیحدہ صوبے قرار پائے۔

اختیارات کی تقسیم:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے افسر فوج کا ایک جدید عہدہ ایجاد کیا اس سے پہلے والی یعنی حاکم صوبہ انتظام ملک کے ساتھ فوج کی افسری بھی کرتا تھا چنانچہ یعلی بن منبہ صنعا کے عامل ہوئے تو عبداللہ بن ربیعہ فوج کی افسری پر مامور ہوئے۔ اسی طرح عمروؓ بن العاص معزولی سے پہلے والی مصر تھے اور مصری فوج کی باگ عبداللہ بن ابی سرح کے ہاتھ میں تھی۔

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۱۷

marfat.com

حکام کی نگرانی:

خلیفہ وقت کا سب سے اہم فرض حکام اور عمال کی نگرانی ہے حضرت عثمانؓ اگرچہ طبعاً نہایت نرم تھے' بات بات پر رقت طاری ہو جاتی تھی اور ذاتی حیثیت سے تحمل' بردباری' تساہل اور چشم پوشی آپ کا شیوہ تھا' لیکن ملکی معاملات میں انہوں نے تشدد احتساب اور نکتہ چینی کو اپنا طرز عمل بنایا۔ سعد بن ابی وقاصؓ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لی جس کو ادا نہ کر سکے۔ حضرت عثمانؓ نے سختی سے باز پرس کی اور معزول کر دیا۔ ولید بن عقبہ نے بادہ نوشی کی' معزول کر کے علانیہ حد جاری کی۔ ابوموسیٰ اشعریؓ نے امیرانہ زندگی اختیار کی تو انہیں بھی ذمہ داری کے عہدہ سے سبکدوش کر دیا اسی طرح عمروؓ بن العاص والی مصر کے خراج میں اضافہ نہ کر سکے تو ان کو علیحدہ کر دیا۔

نگرانی کا یہ عام طریقہ تھا کہ دریافت حال کے لیے دربار خلافت سے تحقیقاتی وفود روانہ کیے جاتے تھے جو تمام ممالک محروسہ میں دورہ کر کے عمال کے طرز عمل اور رعایا کی حالت کا اندازہ کرتے تھے۔ یہ تینوں بزرگ صحابہؓ میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے۔ چنانچہ ۳۵ھ میں ملک کی عام حالت دریافت کرنے کے لیے جو روانہ کیے گئے تھے ان میں یہی حضرات تھے۔[1]

ملک کی حالت سے واقفیت پیدا کرنے کے لیے آپ کا یہ معمول تھا کہ جمعہ کے دن منبر پر تشریف لاتے تو خطبہ شروع کرنے سے پہلے لوگوں سے اطراف ملک کی خبریں پوچھتے اور نہایت غور سے سنتے[2] تمام ملک میں اعلان عام تھا کہ جس کسی کو کسی والی سے شکایت ہو وہ حج کے موقع پر بیان کرے۔ اس موقع پر تمام عمال لازمی طور پر طلب کیے جاتے تھے اس لیے بالمواجہ شکایتوں کی تحقیقات کر کے تدارک فرماتے۔[3]

ملکی نظم ونسق:

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ملکی نظم ونسق کا جو دستور العمل مرتب کیا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو بعینہٖ باقی رکھا اور مختلف شعبوں کے جس قدر محکمے قائم ہو چکے تھے ان کو منضبط کر کے ترقی دی۔ یہ اسی نظم ونسق کا اثر تھا کہ ملکی محاصل میں غیر معمولی اضافہ ہو گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ

1۔ طبری ص ۲۹۴۳ 2۔ مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۷۳ 3۔ طبری ص ۲۹۴

marfat.com

کے عہد میں مصر کا خراج ۲۰ لاکھ دینار تھا لیکن عہد عثمانی میں اس کی مقدار ۴۰ لاکھ تک پہنچ گئی۔[۱]

بیت المال:

جدید فتوحات کے باعث جب ملکی محاصل میں غیر معمولی ترقی ہوئی تو بیت المال کے مصارف میں بھی اضافہ ہوا۔ چنانچہ اہل وظائف کے وظیفوں میں ایک ایک سو درہم کا اضافہ ہوا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ رمضان میں امہات المومنین رضی اللہ عنہن کو دو دو درہم اور عوام کو ایک ایک درہم روزانہ بیت المال سے دلاتے تھے' حضرت عثمانؓ نے اس کے علاوہ لوگوں کا کھانا بھی مقرر کر دیا۔

تعمیرات:

حکومت کا دائرہ جس قدر وسیع ہوتا گیا اسی قدر تعمیرات کا کام بھی بڑھتا گیا تمام صوبہ جات میں مختلف دفاتر کے لیے عمارتیں تیار ہوئیں۔ رفاہ عام کے لیے سڑک' پل اور مسجدیں تعمیر کی گئیں مسافروں کے لیے مہمان خانے بنائے گئے۔ پہلے کوفہ میں کوئی مہمان خانہ نہ تھا اس سے مسافروں کو سخت تکلیف ہوتی تھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو انہوں نے عقیل اور ابن حبار کے مکانات خرید کر ایک نہایت عظیم الشان مہمان خانہ بنوا دیا۔

ملکی انتظام اور رعایا کی آسائش دونوں لحاظ سے ضرورت تھی کہ دارالخلافہ کے تمام راستوں کو سہل اور آرام دہ بنا دیا جائے' چنانچہ حضرت عثمانؓ نے مدینہ کے راستہ میں موقع موقع سے چوکیاں' سرائیں اور چشمے تیار کرا دیئے۔ چنانچہ نجد کی راہ میں مدینہ سے چوبیس میل کے فاصلہ پر ایک نہایت نفیس سرائے تعمیر کی گئی' اس کے ساتھ ساتھ ایک مختصر بازار بھی بسایا گیا نیز شیریں پانی کا ایک کنواں بنایا گیا جو بیر السائب کے نام سے مشہور ہے۔[۲]

بند مہزور:

خیبر کی سمت سے کبھی کبھی مدینہ میں نہایت ہی خطرناک سیلاب آیا کرتا تھا جس سے شہر کی آبادی کو سخت نقصان پہنچتا تھا' مسجد نبویؐ کو اس سے صدمہ پہنچنے کا احتمال تھا اس لیے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے تھوڑے فاصلہ پر مدری کے قریب ایک بند بندھوایا اور نہر

---

۱ فتوح البلدان بلاذری ص ۲۲۳ ۲ ایضاً جلد ۲ ص ۲۱۷

marfat.com

کھود کر سیلاب کا رخ دوسری طرف موڑ دیا۔ اس بند کا نام بند مہزور ہے رفاہ عام کی تعمیرات میں یہ خلیفہ ثالث کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔[1]

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر و توسیع:

مسجد نبویؐ کی تعمیر میں حضرت عثمان ذوالنورینؓ کا ہاتھ سب سے زیادہ نمایاں ہے عہد نبویؐ میں جب مسلمانوں کی کثرت کے باعث مسجد کی وسعت ناکافی ثابت ہوئی تھی تو اس کی توسیع کے لیے حضرت عثمانؓ نے قریب کا قطعہ زمین خرید کر بارگاہ نبوت میں پیش کیا تھا' پھر اپنے عہد میں بڑے اہتمام سے اس کی وسیع اور شاندار عمارت تعمیر کرائی۔ سب سے اول ۲۴ھ میں اس کا ارادہ کیا لیکن مسجد کے گردو پیش جن لوگوں کے مکانات تھے وہ کافی معاوضہ دینے پر بھی مسجد نبویؐ کی قربت کے شرف سے دست کش ہونے کے لیے راضی نہ ہوتے حضرت عثمانؓ نے ان لوگوں کو راضی کرنے کے لیے مختلف تدبیریں کیں لیکن وہ کسی طرح راضی نہیں ہوئے یہاں تک کہ پانچ سال اس میں گذر گئے۔ بالآخر ۲۹ھ میں حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے مشورہ کرنے کے بعد حضرت عثمانؓ نے جمعہ کے روز ایک نہایت ہی مؤثر تقریر کی اور نمازیوں کی کثرت اور مسجد کی تنگی کی طرف توجہ دلائی۔ اس تقریر کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے خوشی سے اپنے مکانات دے دیئے اور آپ نے نہایت اہتمام کے ساتھ تعمیر کا کام شروع کیا۔ نگرانی کے لیے تمام عمال طلب کیے اور خود شب و روز مصروف کار رہتے تھے غرض دس مہینوں کی مسلسل جدوجہد کے بعد اینٹ' چونا اور پتھر کی ایک نہایت خوشنما اور مستحکم عمارت تیار ہوگئی' وسعت میں بھی کافی اضافہ ہوگیا' یعنی طول میں پچاس گز کا اضافہ ہوا' البتہ عرض میں کوئی تغیر نہیں کیا گیا۔[2]

فوجی انتظامات:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد میں جس اصول پر فوجی نظام قائم کیا تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس کو ترقی دی' فوجی خدمات کے صلہ میں جن لوگوں کے وظائف مقرر کیے گئے تھے' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس میں سو سو درہم کا اضافہ کیا' اور فوجی صیغہ کو انتظامی صیغوں

[1] خلاصۃ الوفاء ص ۱۲۴ [2] خلاصۃ الوفاء ص ۱۲۴

marfat.com

سے الگ کر کے تمام صدر مقامات میں علیحدہ مستقل افسروں کے ماتحت کر دیا۔ اس عہد کے مکمل فوجی نظام کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو حدود شام میں رومیوں کے مقابلہ کے لیے فوجی کمک کی ضرورت ہوئی تو ایران اور آرمینیہ کی فوجیں نہایت عجلت کے ساتھ بروقت پہنچ گئیں۔ اسی طرح جب عبداللہ بن ابی سرح رضی اللہ عنہ کو طرابلس میں بغاوت فرو کرنے کے لیے فوجی طاقت کی ضرورت پیش آئی تو شام و عراق کی کمک نے عین وقت پر مساعدت کی۔ افریقہ کی فتح میں جب مصری فوج ناکام ثابت ہوئی تو مدینہ سے کمک روانہ کی گئی جس کے افسر حضرت عبداللہ بن زبیرؓ تھے۔ انہوں نے معرکہ کو کامیابی کے ساتھ ختم کیا۔

عہد فاروقی میں جو مقامات فوجی مرکز قرار پائے تھے' عہد عثمانی میں ان کے علاوہ طرابلس' قبرص' طبرستان اور آرمینیہ میں بھی فوجی مرکز قائم کیے گئے اور اضلاع میں چھاؤنیاں قائم کی گئیں جہاں تھوڑی تھوڑی فوج ہمیشہ متعین رہتی تھی۔

تمام ملک میں گھوڑوں اور اونٹوں کی پرورش و پرداخت کے لیے نہایت وسیع چراگاہیں بنوائی گئیں۔ خود دارالخلافہ کے اطراف ونواح میں متعدد چراگاہیں تھیں' سب سے بڑی چراگاہ مقام ربذہ میں تھی' جو مدینہ سے چار منزل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ یہ چراگاہ دس میل لمبی اور اسی قدر چوڑی تھی۔ دوسری چراگاہ مقام نقیع میں تھی جو مدینہ سے بیس میل دور ہے اسی طرح ایک چراگاہ مقام ضربہ میں تھی جو وسعت میں ہر طرف سے چھ چھ میل تھی حضرت عثمانؓ کے زمانہ میں جب گھوڑوں اور اونٹوں کی کثرت ہوئی تو ان چراگاہوں کو پہلے سے زیادہ وسیع کیا گیا اور ہر چراگاہ کے قریب چشمے تیار کرائے گئے چنانچہ مقام ضربہ میں بنی صبیہ سے پانی کا ایک چشمہ خرید کر چراگاہ کے لیے مخصوص کر دیا گیا۔ علاوہ اس کے حضرت عثمانؓ نے خود اپنے اہتمام سے ایک دوسرا چشمہ تیار کرایا اور منتظمین چراگاہ کے لیے مکانات تعمیر کرائے۔ عہد عثمانی میں اونٹوں اور گھوڑوں کی جو کثرت تھی' اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ صرف ضربہ کی چراگاہ میں چالیس ہزار اونٹ پرورش پاتے تھے۔

امارتِ بحریہ:

اسلام میں بحری جنگ اور بحری فوجی انتظامات کی ابتداء خاص حضرت عثمانؓ کے عہد

marfat.com

خلافت سے ہوئی۔ اس سے پہلے یہ ایک خطرناک کام سمجھا جاتا تھا' مگر افسوس ہے کہ تاریخوں سے اس کے تفصیلی انتظامات کا پتہ نہیں چلتا۔ صرف اس قدر معلوم ہے کہ امیر معاویہؓ کے توجہ دلانے پر بارگاہِ خلافت سے ایک جنگی بیڑا تیار کرنے کا حکم ہوا اور عبداللہ بن قیس حارثی اس کے امیر البحر ہوئے۔ لیکن اس قدر یقینی ہے کہ اسی زمانہ میں مسلمانوں کی بحری قوت اتنی بڑھ گئی تھی کہ آسانی کے ساتھ قبرص زیر نگیں ہو گیا اور رومیوں کے عظیم الشان جنگی بیڑے کو جس میں پانچ سو جہاز تھے اسلامی بیڑے نے ایسی شکست دی کہ پھر اس نے اسلامی سواحل کی طرف رخ کرنے کی ہمت نہ کی۔

مذہبی خدمات:

نائب رسول اللہ ﷺ کا سب سے اہم فرض مذہب کی خدمت اور اس کی اشاعت و تبلیغ ہے۔ اس لیے حضرت عثمان ذوالنورینؓ کو اس فرض کے انجام دینے کا ہر لحظہ خیال رہتا تھا چنانچہ جہاد میں جو قیدی گرفتار ہو کر آتے تھے ان کے سامنے خود اسلام کے محاسن بیان کر کے ان کو دین متین کی طرف دعوت دیتے تھے۔ ایک دفعہ بہت سی رومی لونڈیاں گرفتار ہو کر آئیں' حضرت عثمانؓ نے خود ان کے پاس جا کر تبلیغ اسلام کا فرض انجام دیا۔ چنانچہ دو عورتوں نے متاثر ہو کر کلمہ توحید کا اقرار کیا اور دل سے مسلمان ہوئیں۔[1]

غیر قوموں میں اشاعت اسلام کے بعد سب سے بڑی خدمت خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خود بالمشافہ مسائل فقہیہ بیان کرتے تھے اور عملاً اس کی تعلیم دیتے تھے۔ ایک دفعہ وضو کر کے بتایا کہ میں نے رسول اللہ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا تھا[2] جس مسئلہ میں شبہ ہوتا اس کے متعلق کوئی صحیح رائے قائم نہ کر سکتے تو دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے استفسار فرماتے اور عوام کو بھی ان کی طرف رجوع کرنے کی ہدایت کرتے تھے۔ ایک دفعہ سفر حج کے دوران میں ایک شخص نے پرندہ کا گوشت پیش کیا جو شکار کیا گیا تھا' جب آپ کھانے کے لیے بیٹھے تو شبہ ہوا کہ حالت احرام میں اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ہمسفر تھے' ان سے استصواب کیا انہوں نے عدم جواز کا فتویٰ دیا اور حضرت

---

1 ادب المفرد باب خفض الراء

2 ابوداؤد کتاب الطہارت باب صفۃ وضوء النبی ﷺ

marfat.com

عثمان رضی اللہ عنہ نے اسی وقت کھانے سے ہاتھ روک لیا۔[1]

مذہبی انتظامات کی طرف پوری توجہ تھی' مسجد نبوی کی تعمیر کا حال گذر چکا ہے' مدینہ کی آبادی اس قدر ترقی کر گئی تھی کہ جمعہ کے روز ایک اذان کافی نہیں ہوتی تھی' اس لیے ایک اور مؤذن کا تقرر کیا جو مقام زوراء میں اذان دے کر لوگوں کو نماز کے وقت سے مطلع کرتا تھا' نماز میں صفوں کے برابر اور سیدھی رکھنے کے انتظام پر متعدد اشخاص متعین تھے جو خطبہ ختم ہونے کے ساتھ ہی مستعدی کے ساتھ صفیں برابر کرتے تھے۔[2]

مذہبی خدمات کے سلسلہ میں حضرت عثمانؓ کا سب سے زیادہ روشن کارنامہ قرآن مجید کو اختلاف وتحریف سے محفوظ کرنا اور اس کی عام اشاعت ہے' اس کی تفصیل یہ ہے کہ آرمینیہ اور آذربائیجان کی مہم میں شام' مصر' عراق وغیرہ مختلف ملکوں کی فوجیں مجتمع تھیں' جن میں زیادہ تر نومسلم اور عجمی النسل تھے' جن کی مادری زبان عربی نہ تھی' حضرت حذیفہؓ بن یمان بھی شریک جہاد تھے' انہوں نے دیکھا کہ اختلافِ قرأت کا یہ حال ہے کہ اہل شام کی قرأت' اہل عراق سے بالکل جداگانہ ہے' اسی طرح اہل بصرہ کی قرأت اہل کوفہ سے مختلف ہے اور ہر ایک اپنے ملک کی قرأت صحیح اور دوسری کو غلط سمجھتا ہے حضرت حذیفہؓ کو اس اختلاف سے اس قدر خلجان ہوا کہ جہاد سے واپس ہوئے تو سیدھے بارگاہِ خلافت میں حاضر ہوئے اور مفصل واقعات عرض کر کے کہا ''امیر المؤمنین! اگر جلد اس کی اصلاح کی فکر نہ ہوئی تو مسلمان عیسائیوں اور رومیوں کی طرح خدا کی کتاب میں شدید اختلاف پیدا کرلیں گے''۔ حضرت حذیفہؓ کے توجہ دلانے پر حضرت عثمانؓ کو بھی خیال ہوا اور انہوں نے ام المؤمنین حضرت حفصہؓ سے عہد صدیقی کا مرتب و مدون کیا ہوا نسخہ لے کر حضرت زیدؓ بن ثابت' عبداللہ بن زبیرؓ اور سعیدؓ بن العاص سے اس کی نقلیں کرا کے تمام ملک میں اس کی اشاعت کی' اور ان تمام مختلف مصاحف کو جنہیں لوگوں نے بطور خود مختلف املاؤں سے لکھا تھا' صفحۂ ہستی سے معدوم کر دیا۔[3]

ظاہر ہے کہ اس اختلاف کو رفع کرنے کی کوشش نہ کی جاتی تو آج قرآن کا بھی وہی حال ہوتا جو توریت وانجیل اور دیگر صحفِ آسمانی کا ہوا۔

---

[1] مستدرک ابن حنبل ج ۱ ص ۱۰۰ [2] مسند شافعی ص ۳۸ [3] بخاری باب جمع القرآن

marfat.com

فضل وکمال

نوشت وخواند:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے تھے جو اسلام سے پہلے ہی نوشت وخواند جانتے تھے اسلام کے بعد اس ملکہ میں اور زیادہ ترقی ہوئی۔

کتابت وحی:

آپ کی تحریر وکتابت کی مہارت کی بناء پر حضور پرنور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کو کتابت وحی پر مامور کیا تھا اور جب کبھی کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ کو بلا کر لکھوایا کرتے تھے۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ شب کے وقت وحی نازل ہوئی' حضرت عثمانؓ موجود تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو لکھنے کا حکم دیا تو انہوں نے اسی وقت تعمیل ارشاد کی۔[1]

اسلوب تحریر:

اسلوب تحریر کا اندازہ ان فرامین وخطوط سے ہوسکتا ہے جو اب تک کتابوں میں محفوظ ہیں افسوس ہے کہ الفاظ کی فصاحت اور کلام کی بلاغت کا لطف ترجمہ میں قائم نہیں رہ سکتا۔ بیعت خلافت کے بعد تمام ملک میں جو مختلف فرامین بھیجے ہیں ان میں سے ایک کے چند فقرے یہ ہیں:

انما بلغتم بالا قداء و الاتباع فلا تلفتنکم الدنیا عن امرکم فان امر هذه الامة صائر ابی الابتداع بعد اجتماع ثلث فیکم تکامل النعم و بلوغ اولادکم من السبایا و قرأة الاعراب و لا عاجم القرآن فان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال الکفرفی العجمة فاذا استعجم علیهم امر تکلفوا و ابتدعوا.

''اتباع اور اطاعت ہی سے تم کو یہ درجہ حاصل ہوا ہے' پس دنیا طلبی تم کو تمہارے مقصد سے برگشتہ نہ کرنے پائے امت میں تین اسباب کے مجتمع ہو جانے کے بعد بدعات کا سلسلہ شروع ہو جائے گا دولت کی بہتات' لونڈیوں سے اولادوں کی

[1] کنز العمال جلد ۶ صفحہ ۳۷۷

marfat.com

کثرت، اعراب اور اعاجم کا قرآن پڑھنا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ کفر عجمیت میں ہے کیونکہ وہ جب کوئی بات نہیں سمجھ سکتے تو (خواہ مخواہ) تکلیف کر کے نئی نئی باتیں گھڑ لیتے ہیں"۔

ایک فرمان میں عمال کو تحریر فرماتے ہیں:

یوشکن ایمتکم ان یصیرو اجباۃ و لا یکونوا دعاۃ فاذا عادو کذلک انقطع الحیاء و الامانۃ و الوفا الاوان اعدل السیرۃ ان تنظروافی امور المسلمین و فیما علیھم فتعطوھم مالھم و تاخذوھم باللذی علیھم[1]

"قریب ہے کہ تمہارے ائمہ نگہبان ہونے کے بجائے صرف تحصیل دار ہو کر رہ جائیں جب ایسی حالت ہو جائے گی تو حیاء، امانت اور وفاداری ناپید ہو جائے گی، ہاں! بہتر طریقہ یہ ہے کہ تم مسلمانوں کے نفع نقصان کا خیال رکھو ان کا حق ان کو دلواؤ جو ان سے لینا چاہے وہ ان سے وصول کرے"۔

تقریر:

برجستہ تقریر و خطابت کا ملکہ نہ تھا، چنانچہ مسند نشینی کے بعد پہلے پہل جب منبر پر تشریف لائے تو زبان نے یاری نہ کی اور صرف یہ کہہ کر اتر آئے کہ ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما پہلے سے اس کے لیے تیار ہو کر آتے تھے، میں بھی آئندہ تیار ہو کر آؤں گا، لیکن تم کو تقریر کرنے والے امام سے زیادہ کام کرنے والے امام کی ضرورت ہے آپ کی تقریر مختصر لیکن فصیح و مؤثر ہوتی تھی ایک خطبہ کے چند ابتدائی فقرے یہ ہیں:

ایھا الناس ان بعض الطمع فقر و بعض الیاس غنی و انکم تجمعون مالا تاکلون و تاملون ما لا تدر کون و انتم موجلون فی دار غرور

"لوگو! بعض حرص و طمع احتیاج محض ہے اور بعض ناامیدی تونگری و بے نیازی کے مترادف ہے، تم ایسی چیزیں جمع کرتے ہو جس سے متمتع نہیں ہو سکتے اور ایسی امیدیں باندھتے ہو جو پوری نہیں ہو سکتی ہیں، تم لوگ اس دھوکہ کے گھر میں ایک

---

[1] یہ تمام عبارتیں طبری ص ۲۸۰۲ و ۲۸۰۳ سے منقول ہیں

marfat.com

وقت مقررہ کے لیے چھوڑے گئے ہو"۔

قرآن پاک:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ قرآن کا پڑھنا یا پڑھانا سب سے افضل ہے[1] غالباً اسی لیے ان کو قرآن شریف سے خاص شغف تھا دوسرے اکابر صحابہؓ کی طرح وہ بھی قرآن مجید کے حافظ تھے اور چونکہ کاتب وحی رہ چکے تھے اس لیے ہر آیت کے شان نزول اور اس کے حقیقی مفہوم سے واقف تھے کہتے ہیں کہ عہد نبوت میں انہوں نے بھی ایک مصحف جمع کیا تھا[2] آیات قرآنی سے استدلال' استنباط احکام اور تفریع مسائل میں خاص ملکہ رکھتے تھے۔ قرآن پاک کو نو مسلم قوموں کی تحریف سے بچانا ان کا بڑا کارنامہ ہے یہ واقعہ بھی ان کی فضیلت کا ایک باب ہے کہ اس وقت بھی جب وہ دشمنوں کے نرغہ میں تھے اور قاتل تیغ بکف ان کے سامنے تھے اور وہ قرآن کی تلاوت میں مصروف تھے۔

حدیث شریف:

سلسلہ احادیث میں دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی نسبت حضرت عثمانؓ سے مرفوع احادیث بہت کم مروی ہیں آپ کی کل روایتوں کی تعداد ۱۴۶ ہے جن میں تین متفق علیہ ہیں' یعنی بخاری و مسلم دونوں میں موجود ہیں اور آٹھ صرف بخاری اور پانچ صرف مسلم میں' اسی طرح صحیحین میں آپ کی کل ۱۶ حدیثیں ہیں۔

ان کی روایات کی قلت کی وجہ یہ ہے کہ وہ روایات حدیث میں حد درجہ محتاط تھے فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ سے بیان کرنے میں یہ چیز مانع ہوتی ہے کہ شاید دیگر صحابہ کے مقابلہ میں میرا حافظہ زیادہ قوی نہ ہو' لیکن میں گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ کہتے سنا ہے کہ جو شخص میری طرف وہ منسوب کرے گا جو میں نے نہیں کہا ہے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے۔[3]

اسی لیے وہ حدیث کی روایت میں سخت احتیاط کرتے تھے' عبدالرحمٰن بن حاطب کا

---

[1] ابن حنبل ج ۱ ص ۵۷ [2] نزہتہ الابرار قلمی ص ۴۱ کتب خانہ حبیب گنج

[3] مسند ابن حنبل جلد اول ص ۶۵

maarfat.com

بیان ہے کہ میں نے کسی صحابی کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے زیادہ پوری بات کرنے والا نہیں دیکھا لیکن وہ حدیث بیان کرتے ڈرتے تھے۔[1]

فقہ واجتہاد:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ حضرت ابوبکر وعمر وعلی مرتضی رضی اللہ عنہم کی طرح اکابر مجتہدین میں داخل نہیں تاہم وہ شرعی اور مذہبی مسائل میں مجتہد کی حیثیت رکھتے تھے اور دوسرے مجتہد صحابہؓ کی طرح ان کے اجتہادات اور فیصلے بھی کتب آثار میں مذکور ہیں۔ لوگ ان کے قول و عمل سے استناد کرتے تھے[2] خصوصاً حج کے ارکان اور مسائل کے علم میں ان کا پایہ بہت بلند تھا' اس علم میں ان کے بعد حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا درجہ تھا۔[3] شیخین کے عہد خلافت میں بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے فتوے پوچھے جاتے تھے اور پیچیدہ مسائل میں ان کی رائے دریافت کی جاتی تھی۔

ایک دفعہ حضرت عمرؓ مکہ میں گئے اور اپنی چادر ایک شخص پر جو خانہ کعبہ میں کھڑا ہوا تھا' ڈال دی' اتفاق سے اس پر ایک کبوتر بیٹھ گیا' انہوں نے اس خیال سے کہ چادر کو اپنی بیٹ سے گندہ نہ کردے' اس کو اڑا دیا' کبوتر اڑ کر دوسری جگہ جا بیٹھا' وہاں اس کو ایک سانپ نے کاٹ لیا اور وہ اسی وقت مرگیا۔ حضرت عثمان کے سامنے یہ مسئلہ پیش ہوا تو انہوں نے کفارہ کا فتویٰ دیا' کیونکہ وہ اس کبوتر کو ایک محفوظ مقام سے غیر محفوظ مقام میں پہنچانے کا باعث ہوئے تھے۔[4]

بیعت خلافت کے بعد حضرت عثمانؓ کے سامنے ہرمزان کے قتل کا مقدمہ پیش ہوا حضرت عبیداللہ بن عمرؓ مدعا علیہ تھے اس مقدمہ میں جو فیصلہ ہوا وہ بھی درحقیقت ایک اجتہاد پر مبنی ہے یعنی مقتول کا اگر کوئی وارث نہ ہو تو حاکم وقت اس کا ولی ہوتا ہے چونکہ ہرمزان کا کوئی وارث نہ تھا اس لیے حضرت عثمانؓ نے بحیثیت ولی کے قصاص کے بجائے دیت لینا قبول کیا اور وہ رقم بھی اپنے ذاتی مال سے دے کر بیت المال میں داخل کردی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے بعض اجتہاد سے بعض معاملات میں سہولت پیدا کردی' مثلاً

---

1. ابن سعد جلد ۳ قسم اول ص ۳۹ ۔ 2. بخاری کتاب الغسل وابن حنبل ج ۱ ص ۶۰،۷۰ وغیرہ
3. ابن سعد ج ۳ ق اول ص ۱۷۱۔ 4. مسند شافعی طبع آرہ ص ۷۹

marfat.com

دیت میں اونٹ دینے کا رواج تھا حضرت عثمانؓ نے اس کی قیمت بھی دینی جائز قرار دی۔[1]

ان کے بعض اجتہادی مسائل سے دوسرے مجتہدین صحابہؓ کو اختلاف بھی تھا لیکن حضرت عثمانؓ چونکہ اپنی رائے کو صحیح سمجھتے تھے' اس لیے انہوں نے اپنے اجتہاد سے رجوع نہیں کیا' مثلاً آپ لوگوں کو حج تمتع یعنی حج اور عمرہ کے لیے علیحدہ علیحدہ نیت کرنے سے اس بناء پر روکتے تھے کہ اس کے جواز کی علت اب باقی نہیں رہی' یعنی کفار کا خوف' لیکن حضرت علیؓ اس کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔[2] اسی لیے حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص حج کے موقع پر اقامت کی نیت کر لے تو اس کو منیٰ میں بھی پوری چار رکعت نماز ادا کرنی چاہیے۔ حضرت علیؓ منیٰ میں قصر کرنا ضروری سمجھتے تھے حضرت عثمانؓ حالت احرام میں ناجائز قرار دیتے ہیں۔[3] کیونکہ آنحضرت ﷺ سے انہوں نے اس کی ممانعت سنی تھی۔ لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہؓ اس کے جواز کا فتویٰ دیتے تھے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس زن مطلقہ کو جس کو طلاق بائن دی گئی ہو' حالت عدت میں وارث قرار دیتے تھے۔[4] کیونکہ ان کے خیال میں جب تک عدت پوری نہ ہو جائے اس وقت تک ایک رشتہ قائم ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس سے اختلاف تھا۔ حضرت عثمانؓ کا خیال تھا کہ اگر کوئی شخص حالت عدت میں کسی عورت سے نکاح کر لے تو مستوجب سزا ہے کہ قرآن نے اس کی ممانعت کی ہے' چنانچہ ایک شخص ان کے عہد میں اس کا مرتکب ہوا تو انہوں نے اس کو جلا وطن کر دیا[5] حضرت علیؓ اس کو کسی حد شرعی کا مستوجب نہیں سمجھتے تھے۔ غرض اسی طرح بعض اور مسائل میں بھی حضرت عثمانؓ اور دوسرے صحابہ کرامؓ کے درمیان اختلاف تھا۔ لیکن اس سے یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ یہ اختلاف کسی نفسانیت پر مبنی تھا' ان بزرگوں کی رواداری اور صفائی قلب کا یہ حال تھا کہ جب حضرت عثمانؓ نے منیٰ میں دو رکعت نماز کے بجائے پوری چار رکعت نماز ادا کی تو حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا' اگرچہ میرے خیال میں قصر ضروری ہے لیکن میں عملاً امیر المومنین کی مخالفت

---

1. کتاب الخراج مصر ص ۹۲ 2. مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۶۱
3. مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۶۸ 4. مسند شافعی طبع آرہ ص ۱۷۰
5. نزہتہ الابرار قلمی ص ۱۴۱ کتب خانہ حبیب گنج

marfat.com

نہیں کروں گا چنانچہ خود بھی دو کے بجائے پوری رکعتیں پڑھیں۔

اسی طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا کہ بعض مسائل میں دوسرے صحابہ کو اختلاف ہے تو فرمایا کہ "ہر شخص کو اختیار ہے جو حق نظر آئے اس پر عمل کرے، میں کسی کو اپنی رائے ماننے پر مجبور نہیں کرتا"۔

بعض ناواقفوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے کسی مسئلہ پر اعتراض کیا تو فرمایا ہم لوگ خدا کی قسم سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے، ہم بیمار ہوتے تو آپؐ ہماری عیادت فرماتے، ہمارے جنازوں کے پیچھے چلتے، ہم کو ساتھ لے کر جہاد کرتے تھے کم وبیش جو کچھ ہوتا اس سے ہماری غم خواری فرماتے اب ایسے لوگ ہم کو آپ کی سنت بتانا چاہتے ہیں جنہوں نے شاید آپؐ کی صورت بھی نہ دیکھی ہو۔[1]

علم الفرائض:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو چونکہ تجارتی کاروبار سے ہمیشہ سابقہ پڑتا تھا اس لیے ان کو علم حساب سے ضرور دلچسپی رہی ہوگی، جس کا ثبوت یہ ہے کہ فرائض یعنی علم تقسیم ترکہ سے جس میں حساب کو بڑا دخل ہے، مناسبت تھی۔ چنانچہ اس فن کی تدوین اور ترتیب میں حضرت زید بن ثابت کے ساتھ ان کا ہاتھ بھی شامل ہے قرآن شریف میں ذوی الفروض اور بعض عصبات کا ذکر ہے حضرت عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ نے اپنی مجتہدانہ قوت سے اسی کو بنیاد قرار دے کر موجودہ علم الفرائض کی عمارت قائم کی۔

یہ دونوں اپنے زمانہ میں اس فن کے امام سمجھے جاتے تھے عہد صدیقی اور عہد فاروقی میں وراثت کے جھگڑوں کا فیصلہ بھی کرتے تھے اور اس سے متعلق تمام مشکل عقدوں کو حل فرماتے تھے بعض صحابہ کو یہاں تک خوف تھا کہ ان دونوں کی وفات سے فرائض کا علم ہی جاتا رہے گا۔[2]

---

[1] مسند احمد بن حنبل ج ۱ ص ۶۹ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۲

marfat.com

اخلاق و عادات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فطرتاً عفیف' پارسا' دیانت دار اور راست باز تھے' حیا اور رحم دلی ان کی خاص شان تھی- ایام جاہلیت میں جب کہ عرب کا ہر بچہ مست شراب تھا- اس وقت بھی عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی زبان بادۂ گلگوں کے ذائقہ سے نا آشنا تھی[1] اور جب کذب و افتراء' فسق و فجور عالمگیر تھا' آپ کا دامن ان دھبوں سے آلودہ نہیں ہوا- رسول اللہ ﷺ کی صحبت نے ان اوصاف کو اور بھی چمکا دیا تھا-

خوف خدا:

خوف خدا تمام محاسن کا سرچشمہ ہے- جو دل خدا کی ہیبت و جلال سے لرزاں نہیں' اس سے کسی نیکی کی امید نہیں ہو سکتی- حضرت عثمانؓ اکثر خوف خداوندی سے آبدیدہ رہتے موت' قبر اور عاقبت کا خیال ہمیشہ دامن گیر رہتا- سامنے سے جنازہ گذرتا تو کھڑے ہو جاتے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے- مقبروں سے گذرتے تو اس قدر روتے کہ داڑھی تر ہو جاتی لوگ کہتے کہ دوزخ و جنت کے تذکروں سے تو آپ پر اس قدر رقت طاری نہیں ہوتی' آخر مقبروں میں کیا خاص بات ہے کہ انہیں دیکھ کر آپ بے قرار ہو جاتے ہیں؟ فرماتے آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ قبر آخرت کی سب سے پہلی منزل ہے اگر یہ معاملہ آسانی سے طے ہو گیا تو پھر تمام منزلیں آسان ہیں اور اگر اس میں دشواری پیش آئی تو تمام مرحلے دشوار ہوں گے-[2]

حُبِ رسول:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تقریباً تمام غزوات میں رسول اللہ ﷺ کے ہمرکاب رہے اور آپ پر فدویت و جانثاری کا حق ادا کیا- آپ کو آنحضرت ﷺ کی ذات مبارک کے ساتھ اتنی محبت و شیفتگی تھی کہ اپنے محبوب آقا کی فقیرانہ اور زاہدانہ زندگی دیکھ کر بے قرار رہتے تھے اور جب موقع ملتا آپؐ کی خدمت میں تحائف پیش کرتے- ایک دفعہ چار دن تک آل

[1] کنز العمال جلد ۶ ص ۳۷۲ [2] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۶۳

marfat.com

رسول ﷺ نے فقر و فاقہ سے بسر کیا حضرت عثمانؓ کو معلوم ہوا تو آنکھوں سے آنسو نکل آئے اور اسی وقت بہت سا سامان خورد و نوش اور تین سو درہم لا کر بطور نذرانہ پیش کیے۔[1]

احترامِ رسولؐ:

آنحضرت ﷺ کا ادب و احترام اس قدر ملحوظ تھا کہ جس ہاتھ سے آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی پھر اس کو نجاست یا محل نجاست سے مس نہ ہونے دیا۔[2] اہل بیت نبویؐ اور ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا خاص طور سے پاس و خیال تھا چنانچہ اپنے عہد خلافت میں جب اصحاب وظائف کے رمضان کے روزینے مقرر کیے تو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا روزینہ سب سے دونا مقرر کیا۔

اتباعِ سنت:

جنابِ سرورِ کائنات ﷺ کی ذات پاک سے اس محبت و ارادات کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اپنے ہر قول و فعل یہاں تک کہ حرکات و سکنات اور اتفاقی باتوں میں بھی محبوب آقا کی اتباع کو پیش نظر رکھتے تھے۔ ایک دفعہ وضو کرتے ہوئے متبسم ہوئے لوگوں نے اس بے موقع تبسم کی وجہ پوچھی فرمایا میں نے ایک دفعہ آنحضرت ﷺ (روحی فداہ) کو اسی طرح وضو کر کے ہنستے ہوئے دیکھا تھا۔[3] ایک دفعہ سامنے سے جنازہ گذرا تو کھڑے ہو گئے اور فرمایا' کہ حضور ﷺ بھی ایسا ہی کیا کرتے تھے۔[4] ایک دفعہ عصر کے وقت سب کے سامنے وضو کر کے دکھایا کہ آنحضرت ﷺ اسی طرح وضو فرمایا کرتے تھے۔[5] ایک بار مسجد کے دوسرے دروازہ پر بیٹھ کر بکری کا پٹھا منگوایا اور کھایا اور بغیر تازہ وضو کیے ہوئے نماز کو کھڑے ہو گئے' پھر فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے بھی اسی جگہ بیٹھ کر کھایا تھا اور اسی طرح کیا تھا۔[6] حج کے موقع پر آپ اور ایک صحابی طواف کر رہے تھے' طواف میں انہوں نے رکن یمانی کا بھی بوسہ لیا حضرت عثمانؓ نے ایسا نہیں کیا تو انہوں نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اس کا استلام کرانا چاہا' حضرت عثمانؓ نے کہا' یہ کیا کرتے ہو؟ کیا تم نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ طواف نہیں کیا؟ انہوں نے کہا۔

---

[1] کنز العمال ج ٦ ص ٣٧٦۔ [2] ایضاً ص ٣٧١ [3] طبری ص ٢٨٠٤۔
[4] مسند ابن حنبل ج ١ ص ٥٨۔ [5] ایضاً ص ٦٨ [6] ایضاً ص ٦٧' ٦٨

ہاں! کیا آپ کو اس کا استلام کرتے تم نے دیکھا؟ کہا نہیں! فرمایا' پھر کیا رسول اللہ ﷺ کی اقتداء مناسب نہیں؟ انہوں نے جواب دیا بے شک۔[1]

حیاء:

شرم و حیاء حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا امتیازی وصف تھا' اس لیے مؤرخین نے ان کے اخلاق و عادات کے بیان میں حیاء کا مستقل عنوان قائم کیا آپ میں اس درجہ شرم وحیاء تھی کہ خود حضور پر نور ﷺ اس حیا کا پاس و لحاظ رکھتے تھے۔ ایک دفعہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مجمع تھا رسول اللہ ﷺ بے تکلفی کے ساتھ تشریف فرما تھے زانوئے مبارک کا کچھ حصہ کھلا ہوا تھا۔ اسی حالت میں حضرت عثمانؓ کے آنے کی اطلاع ملی تو سنبھل کر بیٹھ گئے اور زانوئے مبارک پر کپڑا برابر کر لیا لوگوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے لیے اس اہتمام کی وجہ پوچھی تو فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ کی حیاء سے فرشتے بھی شرماتے ہیں[2] اسی قسم کا ایک اور واقعہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی بیان فرماتی ہیں[3] حضرت ذوالنورین رضی اللہ عنہ کی حیاء کا یہ عالم تھا کہ تنہائی اور بند کمرے میں بھی وہ برہنہ نہیں ہوتے تھے۔

زہد:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اگرچہ کچھ اپنی خلقی ناتوانی اور ضعف پیری کے باعث اور کسی قدر اس سبب سے کہ انہوں نے ناز و نعمت میں پرورش پائی تھی ہلکی غذا اور نرم پوشاک استعمال کرنے پر مجبور تھے اور فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی طرح موٹا جھوٹا کپڑا اور روکھا پھیکا نہیں کھا سکتے تھے لیکن اس سے یہ قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ آپ عیش و تنعم کے گرویدہ تھے بلکہ انہوں نے باوجود غیر معمولی دولت و ثروت کے کبھی امیرانہ زندگی اختیار نہیں فرمائی اور نہ کبھی صرف زیب و زینت کی چیزیں استعمال کیں۔ قز ایک خوش وضع رومی کپڑا تھا جو عرب کا مطبوع عام لباس تھا امراء تو امراء متوسط درجہ کے لوگ بھی اس کو پہننے لگے تھے لیکن حضرت عثمانؓ نے کبھی اس کو استعمال نہ فرمایا اور نہ اپنی بیویوں کو استعمال کرنے دیا۔

---

1. مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۷۰۔ ۷۱۔ 2. بخاری ج ۲ مناقب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ
3. مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۷۱

marfat.com

تواضع:

تواضع اور سادگی کا یہ حال تھا کہ گھر میں بیسیوں لونڈی اور غلام موجود تھے' لیکن اپنا کام آپ ہی کر لیتے تھے اور کسی کو تکلیف نہ دیتے' رات کو تہجد کے لیے اٹھتے اور کوئی بیدار نہ ہوتا تو خود ہی وضو کا سامان کر لیتے اور کسی کو جگا کر اس کی نیند خراب نہ فرماتے۔ اگر کوئی درشت کلامی کرتا تو آپ نرمی سے جواب دیتے ایک دفعہ عمروؓ بن العاص نے اثنائے گفتگو میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے والد کی شرافت پر طعنہ زنی کی۔ حضرت عثمانؓ نے نرمی سے جواب دیا کہ عہد اسلام میں زمانہ جاہلیت کا کیا تذکرہ ہے[1] اسی طرح ایک دفعہ جمعہ کے روز منبر پر خطبہ دے رہے تھے کہ ایک طرف سے آواز آئی' عثمانؓ توبہ کر اور اپنی بے اعتدالیوں سے باز آ۔ حضرت عثمانؓ نے اسی وقت قبلہ رخ ہو کر ہاتھ اٹھایا اور کہا:

اللھم انی اول تائب تاب الیک۔[2]

''یعنی اے خدا میں پہلا توبہ کرنے والا ہوں جس نے تیری درگاہ میں رجوع کیا۔''

ایثار:

آپ نے مسلمانوں کے مال میں ہمیشہ ایثار سے کام لیا چنانچہ اپنے زمانہ خلافت میں ذاتی مصارف کے لیے بیت المال سے ایک حبہ نہیں لیا[3] اور اس طرح گویا اپنا مقررہ وظیفہ عام مسلمانوں کے لیے چھوڑ دیا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا سالانہ وظیفہ پانچ ہزار درہم تھا اس حساب سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے دوازدہ سالہ مدت خلافت میں ساٹھ ہزار درہم کی گراں قدر رقم مسلمانوں کے لیے چھوڑی' جو درحقیقت ایثارِ نفس کا نمونہ ہے۔

فیاضی:

حضرت عثمانؓ عرب میں سب سے زیادہ دولت مند تھے' اس کے ساتھ خدا نے فیاض طبع بھی بنایا تھا۔ چنانچہ انہوں نے اپنی فیاضی' اپنے مال و دولت سے اس وقت اسلام کو فائدہ پہنچایا جب اس امت میں کوئی دوسرا ان کا ہمسر موجود نہ تھا۔

---

[1] طبری ص ۲۹۶۶ [2] ایضاً ص ۲۹۷۲ [3] ایضاً ص ۲۹۵۳

marfat.com

مدینہ میں تمام کنوئیں کھاری تھے' صرف بیر رومہ جو ایک یہودی کی ملکیت میں تھا شیریں تھا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے رفاہ عامہ کے خیال سے اس کو بیس ہزار درہم میں خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا- اسی طرح جب مسلمانوں کی کثرت ہوئی اور مسجد نبویؐ میں جگہ کی تنگی کے باعث نمازیوں کو تکلیف ہونے لگی تو حضرت عثمانؓ نے ایک گراں قدر رقم صرف کر کے اس کی توسیع کرائی-

آپ کی فیاضی کا سب سے زیادہ نمایاں کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے غزوۂ تبوک کے موقع پر ہزاروں روپے کے صرف سے مجاہدین کو آراستہ کیا- یہ فیاضی ایسے وقت میں ظاہر ہوئی جب کہ عام طور پر مسلمانوں کو عسرت اور تنگی نے پریشان کر رکھا تھا اور دوسری طرف قیصر روم کی جنگی تیاریوں سے خود رسول اللہ ﷺ کو تشویش دامن گیر تھی-

مذکورہ بالا فیاضیوں کے علاوہ روزانہ جود و کرم اور صدقات وخیرات کا سلسلہ جاری رہتا تھا' ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد کرتے تھے-[1] بیواؤں اور یتیموں کی خبرگیری کرتے تھے- مسلمانوں کی عسرت وتنگ حالی سے ان کو دلی صدمہ ہوتا تھا- ایک دفعہ ایک جہاد میں ناداری اور مفلسی کے باعث مسلمانوں کے چہرے اداس تھے اور اہل نفاق ہشاش بشاش ہر طرف اکڑتے پھرتے تھے- اسی وقت چودہ اونٹوں پر سامان خورد ونوش بار کر کے آنحضرت ﷺ کے پاس بھیجا کہ اس کو مسلمانوں میں تقسیم کرا دیں-[2]

اعزہ اور احباب کے ساتھ حسن سلوک:

اعزہ اور احباب کے ساتھ مسلوک ہوتے تھے اور ان کی پرورش فرماتے تھے- آپ کے چچا حکم بن العاص کو رسول اللہ ﷺ نے طائف کو جلاوطن کر دیا تھا حضرت عثمانؓ نے بارگاہِ نبوت میں کوشش کر کے ان کی خطا معاف کرائی اور اپنے عہد میں مدینہ بلوایا اور جیب خاص سے ان کی اولاد کو ایک لاکھ درہم عطا فرمائے-[3] اور ان کے لڑکے مروان سے اپنی ایک صاحبزادی کا نکاح کر کے جہیز میں ایک لاکھ درہم عطا فرمائے-

---

[1] نزہتہ الابرار قلمی ص ۱۴۱ کتب خانہ حبیب گنج [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۷۴
[3] طبری ص ۲۹۵۴ -

marfat.com

عبداللہ بن عامرؓ عبداللہ بن ابی سرحؓ عثمانؓ بن ابن العاصؓ امیر معاویہؓ، حضرت عثمانؓ کے نہایت قریبی رشتہ دار تھے اور ان کے عہد خلافت میں ممتاز عہدوں پر متعین رہے۔

احباب کے ساتھ بھی یہی سلوک تھا' ان کی ضرورت پر بڑی بڑی رقمیں قرض دیتے تھے اور بسا اوقات واپس نہیں لیتے تھے' ایک دفعہ حضرت طلحہؓ نے ایک بڑی رقم قرض لی۔ کچھ دنوں بعد واپس دینے آئے تو لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا کہ یہ تمہاری مروت کا صلہ ہے۔[1]

صبر و تحمل:

صبر و تحمل کا پیکر تھے' مصائب و آلام کو نہایت صبر و سکون کے ساتھ برداشت کرتے تھے۔ شہادت کے موقع پر چالیس دن تک جس بردباری ضبط اور تحمل کا اظہار آپ کی ذات سے ہوا وہ اپنی آپ نظیر ہے سینکڑوں وفا شعار غلام اور ہزاروں معاون و انصار سرفروشی کے لیے تیار تھے مگر اس ایوب وقت نے خونریزی کی اجازت نہ دی اور اپنے اخلاق کریمانہ کا آخری منظر دکھا کر ہمیشہ کے لیے دنیا سے روپوش ہو گیا۔

مذہبی زندگی:

دن کے وقت مہمات خلافت میں مصروف رہتے اور رات کا اکثر حصہ عبادت و ریاضت میں بسر فرماتے تھے' کبھی کبھی رات بھر جاگتے اور ایک ہی رکعت میں پورا قرآن ختم کر دیتے تھے۔[2]

دوسرے تیسرے دن عموماً روزہ رکھتے تھے کبھی کبھی مہینوں روزے سے رہتے اور شب کے وقت صرف اس قدر کھا لیتے تھے کہ سدرمق کے لیے کافی ہو۔

ہر سال حج کے لیے تشریف لے جاتے تھے' خود امیر الحج کے فرائض انجام دیتے تھے۔ خصوصاً ایام خلافت میں کوئی سال حج سے خالی نہیں گذرا۔ البتہ جس سال شہید ہوئے اس سال محصور ہونے کے باعث نہ جا سکے۔

---

[1] طبری ص ۳۰۳۷۔ [2] ابن سعد

marfat.com

ذاتی حالات

مسکن:

ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو حضرت اوسؓ بن ثابت کے مہمان ہوئے اور غالباً عرصہ تک ان ہی کے مکان میں مقیم رہے۔ اس کے بعد اپنے عہد خلافت میں مسجد نبویؐ کے قریب ایک محل تعمیر کرایا جو عظمت و شان میں مدینہ کی تمام عمارتوں سے ممتاز تھا۔ یہ جگہ اب بھی سیدنا عثمانؓ کے نام سے مشہور ہے اور کچھ حصہ مغربی حاجیوں کا زادیہ ہے اور یہاں ایک کتب خانہ' کتب خانہ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کے نام سے قائم ہے۔ مسجد نبوی ﷺ کی پشت پر گلی کی دوسری طرف ایک مکان کے دروازے پر مشہد سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ کا کتبہ لگا ہوا ہے۔

وسائل معاش:

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا' عرب میں کوئی ان سے بڑا دولت مند تاجر نہ تھا' اس غیر معمولی دولت وثروت کے باعث ان کو غنی کا خطاب دیا گیا تھا۔

جاگیر:

فتح خیبر کے بعد رسول اللہ ﷺ نے تمام صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو جو اس معرکہ میں شریک تھے' جاگیریں عطا کی تھیں۔ حضرت عثمانؓ کے حصہ میں بھی ایک قطعہ زمین آیا تھا' اس کے علاوہ انہوں نے مختلف مقامات میں جائیدادیں خریدی تھیں' مدینہ کے قریب مقام بقیع میں بھی ایک نہایت وسیع قطعہ خریدا تھا جس کو انہوں نے قبرستان کے لیے وقف فرما دیا تھا۔

زراعت:

جہاں تک معلوم ہے کہ حضرت عثمانؓ خود زراعت نہیں فرماتے تھے۔ البتہ اپنی زمین کو بٹائی پر دیتے تھے کہ پیداوار میں سے دوثلث کاشت کار کو ملتا تھا اور صرف ایک ثلث آپ کا حق ہوتا تھا۔

marfat.com

غذا:

ضعف اور پیری کے باعث غذا عموماً نرم، ہلکی اور زود ہضم تناول فرماتے تھے۔ دسترخوان پر عموماً اعزہ واحباب کا مجمع رہتا تھا۔

صفائی:

مزاج میں نفاست اور طہارت تھی، جب سے مسلمان ہوئے روزانہ غسل کیا کرتے تھے۔ (ابن حنبل ا، ۶۷) ہمیشہ اچھے کپڑے پہنتے تھے اور عطر لگاتے تھے۔

لباس:

ابن سعد نے آپ کے لباس کا خاص عنوان باندھا ہے، گو آپ اچھے کپڑے استعمال فرماتے تھے لیکن اس میں تکلفات کو دخل نہیں ہوتا تھا، ایسے کپڑوں سے نہایت پرہیز کرتے تھے، جس سے مزاج میں غرور، تکبر اور خود بینی کا مادہ پیدا ہو جاتا ہے، نقط ایک خاص قسم کا رومی کپڑا تھا جو امرائے عرب میں عموماً نہایت مطبوع تھا لیکن انہوں نے اس کو کبھی استعمال نہیں کیا اور نہ اپنی بیویوں کو پہننے دیا۔ تمام عمر پائجامہ نہیں پہنا صرف شہادت کے وقت ستر کے خیال سے پہن لیا تھا، عموماً تہبند باندھا کرتے تھے۔ ایک تابعی روایت کرتے ہیں کہ جمعہ کے روز منبر پر ان کو دیکھا تو جو موٹا تہ بند وہ پہنے تھے اس کی قیمت پانچ درہم (ایک روپیہ) سے زیادہ نہ تھی۔[1]

حلیہ:

صورۃً خوش رو اور خوبصورت تھے[2] رنگ گندم گوں، قد معتدل، ناک بلند اور خم دار، رخسار پر گوشت اور ان پر چیچک کے ہلکے ہلکے داغ، داڑھی گھنی اور طویل، سر کے بال گھنے اور بڑے بڑے یہاں تک کہ زلف کانوں تک پہنچتی تھی، بعض روایات کے مطابق بالوں میں خضاب فرماتے تھے، دانت پیوستہ اور چمکدار تھے جن کو سونے کے تار سے باندھ کر مضبوط کیا گیا تھا۔

---

1. مستدرک حاکم ج ۳ ص ۹۲۔
2. ابن حنبل جلد اول ص ۷۳ و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۹۶

marfat.com

ازواج واولاد:

مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں' پہلی بیوی آنحضرت ﷺ کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ حبشہ کی ہجرت میں وہ آپ کے ساتھ تھیں' واپس آ کر مدینہ منورہ کی ہجرت میں شریک ہوئیں ایک سال زندہ رہیں۔ ۲ھ میں غزوہ بدر کے موقع پر وفات پائی۔ ان سے عبداللہ نام ایک فرزند تولد ہوا تھا جس نے بچپن ہی میں وفات پائی۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کی چھوٹی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے ۳ھ میں نکاح ہوا۔ انہوں نے بھی نکاح کے چھ سات برس بعد ۹ھ میں وفات پائی۔ ان سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔

اس کے بعد حسب ذیل نکاح کیے:

فاختہ بنت غزوان: ان کے بطن سے بھی ایک فرزند تولد ہوا' عبداللہ نام تھا لیکن وہ بھی بچپن ہی میں فوت ہو گیا۔

ام عمرو بنت جندب: ان کے بطن سے عمرو' خالد' ابان' عمر اور مریم پیدا ہوئے۔

فاطمہ بنت ولید: یہ حضرت عثمانؓ کے صاحبزادے ولید اور سعید کی ماں ہیں۔

ام البنین بنت عتیبہ: ان سے عبدالملک پیدا ہوئے انہوں نے بھی بچپن ہی میں وفات پائی۔

رملہ بنت شیبہ: عائشہؓ ام ابان اور ام عمروان کے بطن سے تولد ہوئیں۔

نائلہ بنت الفرافصہ: شہادت کے وقت موجود تھیں' ان کے بطن سے مریم بنت عثمانؓ پیدا ہوئیں۔

صاحبزادوں میں سے نامور حضرت ابان ہوئے۔ انہوں نے بنو امیہ کے عہد میں خاصا اعزاز حاصل کیا۔

رضی اللہ تعالیٰ عنہ

marfat.com

امیر المومنین حضرت علی مرتضیٰؓ

نام، نسب، خاندان:

علی نام، ابو الحسن اور ابو تراب کنیت، حیدر (شیر)[1] لقب، والد کا نام ابو طالب اور والدہ کا نام فاطمہ تھا۔ پورا سلسلہ نسب یہ ہے۔ علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم بن عبد مناف بن قصی بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی۔ چونکہ ابو طالب کی شادی اپنے چچا کی لڑکی سے ہوئی تھی اس لیے حضرت علی رضی اللہ عنہ نجیب الطرفین ہاشمی اور آنحضرت ﷺ کے حقیقی چچا زاد بھائی تھے۔

خاندانِ ہاشم کو عرب اور قبیلہ قریش میں جو وقعت و عظمت حاصل تھی وہ محتاج اظہار نہیں۔ خانہ کعبہ کی خدمت اور اس کا اہتمام بنو ہاشم کا مخصوص طغرائے امتیاز تھا اور اس شرف کے باعث ان کو تمام عرب میں مذہبی سیادت حاصل تھی۔

حضرت علی مرتضیٰؓ کے والد ابو طالب مکہ کے ذی اثر بزرگ تھے، آنحضرت ﷺ نے ان ہی کی آغوش شفقت میں پرورش پائی تھی اور بعثت کے بعد ان ہی کے زیر حمایت مکہ کے کفرستان میں دعوت حق کا اعلان کیا تھا۔ ابو طالب ہر موقع پر آپؐ کے سینہ پر سپر رہے اور سرور کائنات ﷺ کو کفار کے پنجۂ ظلم و ستم سے محفوظ رکھا۔ مشرکین قریش نے رسول اللہ ﷺ کی پشت پناہی اور حمایت کے باعث ابو طالب اور ان کے خاندان کو طرح طرح کی تکلیفیں پہنچائیں۔ ایک گھاٹی میں اس کو محصور کر دیا کاروبار اور لین دین بند کر دیا، شادی بیاہ کے تعلقات منقطع کر لیے، کھانا پینا تک بند کر دیا۔ غرض ہر طرح پریشان کیا، مگر اس نیک طینت بزرگ نے آخری لمحہ حیات تک اپنے عزیز بھتیجے کے سر سے دست شفقت نہ اٹھایا۔

آنحضرت کی دلی آرزو تھی کہ ابو طالب کا دل نور ایمان سے منور ہو جائے اور انہوں نے اپنی ذات سے دنیا میں مہبط وحی (ﷺ) کی جو خدمت و حمایت کی ہے اس کے معاوضہ میں ان کو نعیم فردوس کی ابدی اور لا متناہی دولت حاصل ہو، اس لیے ابو طالب کی وفات کے

---

[1] صحیح مسلم کتاب الجہاد باب غزوہ ذی قرد وغیرہا

marfat.com

وقت نہایت اصرار کے ساتھ کلمہ توحید کی دعوت دی- ابو طالب نے کہا' عزیز بھتیجے! اگر مجھے قریش کی طعنہ زنی کا خوف نہ ہوتا تو نہایت خوشی سے تمہاری دعوت قبول کر لیتا-[1] سیرت ابن ہشام میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے یہ بھی روایت ہے کہ نزع کی حالت میں کلمہ توحید ان کی زبان پر تھا' مگر یہ روایت کمزور ہے- بہر حال ابو طالب نے گو اعلانیہ اسلام قبول نہیں کیا- تاہم انہوں نے حضور سرور کائنات ﷺ کی جس طرح پرورش و پرداخت کی اور کفار کے مقابلہ میں جس ثبات اور استقلال کے ساتھ آپ کی نصرت وحمایت کا فرض انجام دیا' اس کے لحاظ سے اسلام کی تاریخ میں ان کا نام ہمیشہ شکر گذاری اور احسان مندی کے ساتھ لیا جائے گا-

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہؓ بنت اسد نے بھی حضرت آمنہؓ کے اس یتیم معصوم کی' ماں کی طرح شفقت و محبت سے پرورش کی' مستند روایات کے مطابق وہ مسلمان ہوئیں اور ہجرت کر کے مدینہ گئیں' ان کا انتقال ہوا تو رسول اللہ ﷺ نے کفن میں اپنی قمیص مبارک پہنائی اور قبر میں لیٹ کر اس کو متبرک کیا- لوگوں نے اس عنایت کی وجہ دریافت کی تو فرمایا کہ ابو طالب کے بعد سب سے زیادہ اسی نیک سیرت خاتون کا ممنونِ احسان ہوں-[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ کی بعثت سے دس برس پہلے پیدا ہوئے تھے' ابو طالب نہایت کثیر العیال اور معاش کی تنگی سے نہایت پریشان تھے- قحط وخشک سالی نے اس مصیبت میں اور بھی اضافہ کر دیا' اس لیے رحمۃ اللعالمین (ﷺ) نے محبوب چچا کی عسرت سے متاثر ہو کر حضرت عباسؓ سے فرمایا کہ ہم کو اس مصیبت و پریشان حالی میں چچا کا ہاتھ بٹانا چاہیے- چنانچہ حضرت عباسؓ نے حسب ارشاد جعفر کی کفالت اپنے ذمہ لی اور سرور کائنات ﷺ کی نگاہ انتخاب نے علی رضی اللہ عنہ کو پسند کیا' چنانچہ وہ اس وقت سے برابر حضور پر نور ﷺ کے ساتھ رہے-[3]

اسلام:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا سن ابھی صرف دس سال کا تھا کہ ان کے شفیق مربی کو دربار خداوندی سے نبوت کا خلعت عطا ہوا- چونکہ حضرت علیؓ آپ کے ساتھ ہی رہتے تھے اس لیے ان کو اسلام

[1] سیرت ابن ہشام ج اص ۲۲۸ - [2] ترجمہ اسد الغابہ ج ۵ ص ۵۱۷ [3] زرقانی جلد اص ۲۸۰

marfat.com

کے مذہبی مناظر سب سے پہلے نظر آئے- چنانچہ ایک روز آنحضرت ؐ اور ام المؤمنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کو مصروف عبادت دیکھا- اس مؤثر نظارہ نے اثر کیا- طفلانہ استعجاب کے ساتھ پوچھا' آپ دونوں کیا کر رہے تھے؟ سرور کائنات ﷺ نے نبوت کے منصب گرامی کی خبر دی اور کفر وشرک کی مذمت کر کے توحید کی دعوت دی- حضرت علیؓ کے کان ایسی باتوں سے آشنا نہ تھے' متحیر ہو کر عرض کی' اپنے والد ابو طالب سے دریافت کروں اس کے متعلق؟ چونکہ سرور کائنات ﷺ کو ابھی اعلانِ عام منظور نہ تھا اس لیے فرمایا کہ اگر تمہیں تامل ہے تو خود غور کرو' لیکن کسی سے اس کا تذکرہ نہ کرنا- آنحضرت ﷺ کی پرورش سے فطرت سنور چکی تھی' توفیق الٰہی شامل ہوئی' اس لیے زیادہ غور وفکر کی ضرورت پیش نہ ہوئی اور دوسرے ہی دن بارگاہ نبوت میں حاضر ہو کر مشرف بہ اسلام ہو گئے-

اس بارے میں اختلاف ہے کہ حضرت خدیجۃ الکبریٰ کے بعد سب سے پہلے کون ایمان لایا' بعض روایات سے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی' بعض سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی اولیت ظاہر ہوتی ہے اور بعضوں کے خیال میں حضرت زیدؓ بن حارثہ کا ایمان سب پر مقدم ہے- لیکن محققین نے ان مختلف احادیث میں اس طرح تطبیق دی ہے کہ ام المؤمنین حضرت خدیجۃؓ الکبریٰ عورتوں میں' حضرت ابوبکر صدیقؓ مردوں میں' حضرت زیدؓ بن حارثہ غلاموں میں اور حضرت علیؓ بچوں میں سب سے پہلے ایمان لائے-

مکہ کی زندگی:

اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت علیؓ کی زندگی کے تیرہ سال مکہ معظمہ میں بسر ہوئے' چونکہ وہ رات دن سرور کائنات ﷺ کے ساتھ رہتے تھے' اس لیے مشورہ کی مجلسوں میں تعلیم و ارشاد کے مجمعوں میں' کفار ومشرکین کے مباحثوں میں اور معبود حقیقی کی پرستش وعبادت کے موقعوں پر' غرض ہر قسم کی صحبتوں میں شریک رہے-

حضرت عمرؓ کے اسلام قبول کرنے سے پہلے سرزمین مکہ میں مسلمانوں کے لیے اعلانیہ خدا کا نام لینا اور اس کی عبادت و پرستش کرنا تقریباً ناممکن تھا- آنحضرت ﷺ چھپ چھپ کر اپنے معبود حقیقی کی پرستش فرماتے' حضرت علیؓ بھی ان عبادتوں میں شریک ہوتے- ایک

marfat.com

دفعہ وادی نخلہ میں حسب معمول مصروف عبادت تھے کہ اتفاق سے اس طرف ابو طالب کا گذر ہوا۔ اپنے معصوم بھتیجے اور نیک بخت بیٹے کو مصروف عبادت دیکھ کر پوچھا کیا کرتے ہو؟ آنحضرت ﷺ نے کلمہ حق کی دعوت دی تو کہنے لگے کہ اس میں کوئی حرج نہیں لیکن مجھ سے نہیں ہوسکتا۔[1]

ایام حج میں مکہ کی سرزمین قبائل عرب کا مرجع بن جاتی تھی اس لیے آنحضرت ﷺ حضرت ابوبکرؓ صدیق کو ہمراہ لے کر عام مجمعوں میں تشریف لے جاتے تھے اور تبلیغ اسلام کا فرض ادا کرتے تھے۔ اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ اگرچہ اپنی طفولیت کے باعث کوئی اہم خدمت انجام دینے کے قابل نہ تھے' تاہم کبھی کبھی ساتھ ہوتے تھے۔[2] کبھی کبھی تو آپؐ کے ساتھ خانہ کعبہ تشریف لے جاتے اور بتوں کو توڑ پھوڑ کر عیب دار کر دیتے تھے۔[3]

انتظام دعوت:

منصب نبوت عطا ہونے کے بعد آنحضرت ﷺ نے تین برس تک اعلانیہ دعوت اسلام کی صدا بلند نہیں فرمائی' بلکہ پوشیدہ طریقہ پر خاص خاص لوگوں کو اس کی ترغیب دیتے رہے۔ چوتھے سال کے اعلانِ عام اور سب سے پہلے اپنے قریبی رشتہ داروں میں اس کی تبلیغ کا حکم ہوا۔ چنانچہ یہ آیت نازل ہوئی:

﴿وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ﴾

''اپنے قریبی اعزہ کو (عذاب الٰہی سے) ڈراؤ''۔

سرور کائنات ﷺ نے اس حکم کے موافق کوہ صفا پر چڑھ کر اپنے خاندان کے سامنے دعوت اسلام کی صدا بلند کی لیکن مدت کا زنگ ایک دن کے صیقل سے نہیں دور ہوسکتا تھا۔ ابولہب نے کہاتبــالک اسی لیے تو نے ہم لوگوں کو جمع کیا تھا؟ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ایک مرتبہ پھر اپنے خاندان میں تبلیغ اسلام کی کوشش فرمائی اور حضرت علیؓ کو انتظام دعوت کی خدمت پر مامور کیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت مشکل سے چودہ پندرہ برس کی تھی لیکن انہوں نے اس کمسنی

---

[1] اسد الغابہ تذکرہ حضرت علی رضی اللہ عنہ [2] کنز العمال ج ۶ ص ۳۱۹ [3] مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۸۴

marfat.com

کے باوجود نہایت اچھا انتظام کیا۔ دستر خوان پر بکرے کے پائے اور دودھ تھا دعوت میں کل خاندان شریک تھا جن کی تعداد چالیس تھی' حضرت حمزہؓ، عباسؓ، ابولہب اور ابو طالب بھی شرکاء میں تھے۔لوگ کھانے سے فارغ ہو چکے تو آنحضرت ﷺ نے اٹھ کر فرمایا ''یا بنی عبدالمطلب ! خدا کی قسم میں تمہارے سامنے دنیا و آخرت کی بہترین نعمت پیش کرتا ہوں' بولو تم میں سے کون اس شرط پر میرا ساتھ دیتا ہے کہ وہ میرا معاون و مددگار ہوگا؟'' اس کے جواب میں سب چپ رہے' صرف شیر خدا علی مرتضیٰ کی آواز بلند ہوئی کہ گو میں عمر میں سب سے چھوٹا ہوں اور مجھے آشوب چشم کا عارضہ ہے اور میری ٹانگیں پتلی ہیں' تاہم میں آپ کا یاور اور دست و بازو بنوں گا''۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا' اچھا تم بیٹھ جاؤ' اور پھر لوگوں سے خطاب فرمایا' لیکن کسی نے جواب نہ دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر اٹھے' آنحضرت ﷺ نے اس دفعہ بھی ان کو بٹھا دیا' یہاں تک کہ جب تیسری دفعہ بھی اس بار گراں کا اٹھانا کسی نے قبول نہیں کیا تو اس مرتبہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جانبازی کے لہجہ میں انہی الفاظ کا اعادہ کیا تو ارشاد ہوا بیٹھ جاؤ تو میرا بھائی اور میرا وارث ہے''۔[1]

ہجرت:

بعثت کے بعد تقریباً تیرہ برس تک رسول اللہ ﷺ مکہ کی گھاٹیوں میں اسلام کی صدا بلند کرتے رہے۔ لیکن مشرکین قریش نے اس کا جواب محض بغض و عناد سے دیا اور آپؐ کے فدائیوں پر طرح طرح کے مظالم ڈھائے۔ رحمت اللعالمین ﷺ نے اپنے جانثاروں کو اسیر پنجہ ستم دیکھ کر آہستہ آہستہ ان سب کو مدینہ چلے جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ چند نفوس قدسیہ کے علاوہ مکہ مسلمانوں سے خالی ہوگیا۔ اس ہجرت سے مشرکین کو اندیشہ ہوا کہ اب مسلمان ہمارے قبضہ اقتدار سے باہر ہو گئے ہیں اس لیے بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی قوت مضبوط کر کے ہم سے انتقام لیں۔ اس خطرہ نے ان کو خود رسول مقبول ﷺ کی جان کا دشمن بنا دیا۔ چنانچہ ایک روز مشورہ کر کے وہ رات کے وقت کاشانہ نبوت کی طرف چلے کہ مکہ چھوڑنے سے پہلے ذات اقدس (ﷺ) کو دنیا سے رخصت کر دیں' لیکن مشیت الٰہی تو یہ تھی کہ ایک دفعہ تمام

---

[1] طبری ص ۱۱۷۲ یہ روایت مسند ابن حنبل میں بھی بالاختصار مذکور ہے۔ دیکھو جلد ۱ ص ۱۵۵

marfat.com

حقانیت کے نور سے پرنور اور توحید کی روشنی سے شرک کی ظلمت کافور ہو جائے۔ اس مقصد کی تکمیل سے پہلے آفتاب رسالت کس طرح غروب ہو سکتا تھا۔ اس لیے وحی الٰہی نے آنحضرت ﷺ کو مشرکین کے ارادوں کی اطلاع دے دی اور ہجرت مدینہ کا حکم ہوا' سرورِ کائنات ﷺ نے اس خیال سے کہ مشرکین کو شبہ نہ ہو' حضرت علیؓ مرتضٰی کو اپنے فرش اطہر پر استراحت کا حکم دیا اور خود حضرت ابوبکرؓ صدیق کو ساتھ لے کر مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

فدویت و جان نثاری کا ایک عدیم المثال کارنامہ:

حضرت علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ کی عمر اس وقت زیادہ سے زیادہ بائیس تیئس برس کی تھی' اس عنفوانِ شباب میں اپنی زندگی کو قربانی کے لیے پیش کرنا فدویت و جان نثاری کا عدیم المثال کارنامہ ہے۔ رات بھر مشرکین کا محاصرہ قائم رہا اور اس خطرہ کی حالت میں یہ نوجوان نہایت سکون و اطمینان کے ساتھ محوِ خواب رہا' غرض تمام رات مشرکین قریش اس دھوکہ میں رہے کہ خود سرور کائنات ﷺ ہی استراحت فرما ہیں۔ صبح ہوتے ہی اپنے ناپاک ارادہ کی تکمیل کے لیے اندر آئے' لیکن یہاں یہ دیکھ کر وہ متحیر رہ گئے کہ شہنشاہِ دو عالم ﷺ کے بجائے آپؐ کا ایک جانثار اپنے آقا پر قربان ہونے کے لیے سربکف سو رہا ہے مشرکین اپنی اس غفلت پر سخت برہم ہوئے اور حضرت علیؓ کو چھوڑ کر اصل مقصود کی تلاش و جستجو میں روانہ ہو گئے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ آنحضرت ﷺ کے تشریف لے جانے کے بعد دو یا تین دن مکہ میں مقیم رہے اور آنحضرت ﷺ کی ہدایت کے مطابق جن لوگوں سے آپؐ کا کاروبار اور لین دین تھا' ان کے معاملات سے فراغت حاصل کی اور تیسرے یا چوتھے دن وطن کو خیر باد کہہ کر عازم مدینہ ہوئے۔ اس زمانہ میں حضرت سرورِ کائنات ﷺ ' حضرت کلثوم بن ہدم کے مہمان تھے اس لیے حضرت علیؓ بھی انہی کے مکان میں جا کر فروکش ہوئے۔[1] رسول اللہ ﷺ نے جب مہاجرین میں باہم بھائی چارہ کرایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اپنا بھائی بنایا۔[2]

تعمیر مسجد:

مدینہ کا اسلام مکہ کی طرح بے بس و مجبور نہ تھا بلکہ آزادی و حریت کی سرزمین میں تھا

---

[1] ابن سعد تذکرہ علیؓ ص ۱۳۔ [2] ایضاً ص ۱۴

marfat.com

جہاں ہر شخص اعلانیہ خدائے واحد کی پرستش کرسکتا اور احکام شرعیہ نہایت اطمینان کے ساتھ ادا کرسکتا تھا۔ مسلمانوں کی تعداد بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھی' یہاں تک کہ ہجرت کے چھٹے یا ساتویں مہینہ سرور کائنات ﷺ کو ایک مسجد تعمیر کرنے کا خیال پیدا ہوا۔ آپؐ نے اس کی بنیاد رکھی اور اپنے رفقاء کے ساتھ خود اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ تمام صحابہ جوش کے ساتھ شریک کار تھے حضرت علی رضی اللہ عنہ اینٹ اور گارہ لا لا کر دیتے تھے اور یہ رجز پڑھتے تھے۔[1]

لا يستوى من يعمر المساجد يدائب فيه قائما و قاعدا و من يرى عن الغبار حائدا.

''جو مسجد تعمیر کرتا ہے کھڑے ہو کر اور بیٹھ کر اس مشقت کو برداشت کرتا ہے اور جو گرد وغبار کے باعث اس کام سے جی چراتا ہے وہ برابر نہیں ہو سکتے''۔

غزوات و دیگر حالات

غزوۂ بدر:

سلسلہ غزوات میں سب سے پہلا معرکہ غزوۂ بدر ہے' اس غزوہ میں آنحضرت ﷺ اپنے تین سو تیرہ جان نثاروں کے ساتھ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ آگے آگے دو سیاہ رنگ کے علم تھے' ان میں سے ایک حیدر کرار کے ہاتھ میں تھا۔ جب رزمگاہ بدر کے قریب پہنچے تو سرور کائنات ﷺ نے حضرت علیؓ کو چند منتخب جان بازوں کے ساتھ غنیم کی نقل و حرکت کا پتہ چلانے کے لیے بھیجا' انہوں نے نہایت خوبی کے ساتھ یہ خدمت انجام دی اور مجاہدین نے مشرکین سے پہلے پہنچ کر اہم مقاموں پر قبضہ کرلیا' سترہویں رمضان جمعہ کے دن جنگ کی ابتداء ہوئی۔ قاعدہ کے موافق پہلے تنہا مقابلہ ہوا۔ سب سے پہلے قریش کی صف سے تین نامی بہادر نکل کر مسلمانوں سے مبارز طلب ہوئے تین انصاریوں نے ان کی دعوت کو لبیک کہا اور آگے بڑھے۔ قریش کے بہادروں نے ان کا نام ونسب پوچھا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ دو یثرب کے نوجوان ہیں تو ان کے ساتھ لڑنے سے انکار کر دیا اور آنحضرت ﷺ کو پکار کر کہا کہ اے محمد! (ﷺ) ہمارے مقابلہ میں ہمارے ہمسر کے آدمی بھیجو۔ اس وقت آنحضرت ﷺ نے

---

[1] زرقانی ج ا ص ۴۲۶

marfat.com

اپنے خاندان کے تین عزیزوں کے نام لیے- حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہؓ تینوں اپنے حریفوں کے لیے میدان میں آئے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے حریف ولید کو ایک ہی وار میں تہ تیغ کر دیا- اس کے بعد جھپٹ کر عبیدہؓ کی مدد کی اور ان کے حریف شیبہ کو بھی قتل کیا- مشرکین نے طیش میں آ کر عام حملہ کر دیا- یہ دیکھ کر مجاہدین بھی نعرۂ تکبیر کے ساتھ کفار کے نرغہ میں گھس گئے اور عام جنگ شروع ہو گئی- شیر خدا نے صفیں کی صفیں الٹ دیں اور ذوالفقار حیدری نے بجلی کی طرح چمک چمک کر اعدائے اسلام کے خرمن ہستی کو جلا دیا- مشرکین کے پاؤں اکھڑ گئے اور مسلمان مظفر و منصور بے شمار مال غنیمت اور تقریباً ستر قیدیوں کے ساتھ مدینہ واپس آئے- مال غنیمت میں سے آپ کو ایک زرہ ایک اونٹ اور ایک تلوار ملی-[1]

حضرت فاطمہؓ سے نکاح:

اسی سال یعنی ۲ھ میں حضرت سرور کائنات ﷺ نے ان کو دامادی کا شرف بخشا یعنی اپنی محبوب ترین صاحبزادی سیدۃ النساء حضرت فاطمہ زہراؓ سے نکاح کر دیا-

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے عقد کی درخواست سب سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے بعد حضرت عمرؓ نے کی تھی- لیکن آنحضرت ﷺ نے کچھ جواب نہیں دیا اس کے بعد حضرت علیؓ نے خواہش کی آپؐ نے ان سے پوچھا' تمہارے پاس مہر ادا کرنے کے لیے کچھ ہے؟ بولے ایک گھوڑا اور ایک زرہ کے سوا کچھ نہیں ہے- آپؐ نے فرمایا' کہ گھوڑا تو لڑائی کے لیے ہے البتہ زرہ کو فروخت کر دو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ہاتھ چار سو اسی درہم میں بیچا اور قیمت لا کر آنحضرت ﷺ کے سامنے پیش کی- آپ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ بازار سے عطر اور خوشبو خرید لائیں اور خود نکاح پڑھایا اور دونوں میاں بیوی پر وضو کا پانی چھڑک کر خیر و برکت کی دعا دی-[2]

رخصتی:

نکاح کے تقریباً دس گیارہ ماہ بعد باقاعدہ رخصتی ہوئی اس وقت تک حضرت علیؓ آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہتے تھے' اس لیے جب رخصتی کا وقت آیا تو آنحضرت ﷺ نے

[1] دیکھو سیرت ابن ہشام غزوۂ بدر- [2] زرقانی جلد ۲ ص ۴

marfat.com

ان سے فرمایا کہ ایک مکان کرایہ پر لے لو۔ چنانچہ حارث بن النعمان کا مکان ملا اور حضرت علیؓ ملکہ جنت کو رخصت کرا کے اس میں لے آئے۔[1]

جہیز:

حضرت سیدہ زہرا کو اپنے گھر سے جو جہیز ملا تھا اس کی کل کائنات یہ تھی' ایک پلنگ' ایک بستر' ایک چادر' دو چکیاں اور ایک مشکیزہ۔ عجیب اتفاق ہے کہ یہی چیزیں حضرت فاطمہؓ کی زندگی تک ان کی رفیق رہیں اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس میں کوئی اضافہ نہ کر سکے۔

دعوتِ ولیمہ:

حضرت علی کی زندگی نہایت فقیرانہ و زاہدانہ تھی۔ خود رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہتے تھے۔ ذاتی ملکیت میں صرف ایک اونٹ تھا جس کے ذریعہ سے اذخر (ایک قسم کی گھاس) کی تجارت کر کے دعوتِ ولیمہ کے لیے کچھ رقم جمع کرنے کا ارادہ تھا' لیکن حضرت حمزہؓ نے حالت نشہ[2] میں اس اونٹ کو ذبح کر کے کباب سیخ بنا دیا اس لیے اب اقلیم زہد کے تاجدار کے پاس اس رقم کے سوا جو زرہ کی قیمت میں سے مہر ادا کرنے کے بعد بچ رہی تھی' اور کچھ نہ تھا۔ چنانچہ اسی سے دعوت ولیمہ کا سامان کیا جس میں کھجور' جو کی روٹی' پنیر اور ایک خاص قسم کا شوربہ تھا' لیکن یہ اس زمانہ کے لحاظ سے پر تکلف ولیمہ تھا۔ حضرت اسماءؓ کا بیان ہے کہ اس زمانہ میں اس سے بہتر ولیمہ نہیں ہوا۔[3]

غزوۂ احد:

۳ھ میں احد کا معرکہ پیش آیا۔ شوال ہفتہ کے دن لڑائی شروع ہوئی اور پہلے مسلمانوں نے قلت تعداد کے باوجود غنیم کو بھگا دیا لیکن عقب کے محافظ تیراندازوں کا اپنی جگہ سے ہٹنا تھا کہ مشرکین پیچھے سے یکایک ٹوٹ پڑے۔ اس ناگہانی حملے سے مسلمانوں کے اوسان جاتے رہے۔ اسی حالت میں سرورِ کائنات ﷺ کو چشم زخم پہنچا' دندان مبارک شہید ہوئے اور آپ ایک خندق میں گر پڑے[4] مشرکین ادھر بڑھے لیکن حضرت مصعب

---

[1] اصابہ ج ۸ ص ۱۵۸۔ [2] اس وقت شراب حرام نہیں ہوئی تھی' بخاری میں مفصل واقعہ مذکور ہے۔
[3] زرقانی ج ۲ ص ۸ [4] بخاری باب غزوۂ احد

marfat.com

بن عمیر رضی اللہ عنہ نے ان کو آپ کے پاس جانے سے روکا اور اسی میں لڑتے لڑتے شہید ہوئے اس کے بعد حیدر کرار رضی اللہ عنہ نے بڑھ کر علم سنبھالا اور بے جگری کے ساتھ داد شجاعت دی۔ مشرکین کے علمبردار ابو سعد بن ابی طلحہ نے مقابلہ کے لیے للکارا۔ شیر خدا نے بڑھ کر ایسا ہاتھ مارا کہ فرش خاک پر تڑپنے لگا اور بدحواسی کے عالم میں برہنہ ہو گیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کی بدحواسی اور بے بسی پر رحم آ گیا اور زندہ چھوڑ کر واپس آئے۔

مشرکین کا زور کم ہوا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ چند صحابہ کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو پہاڑ پر لے گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے زخم دھویا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ڈھال میں پانی بھر بھر کر گرایا اس سے خون بند نہ ہوا تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے چٹائی جلا کر اس کی راکھ سے زخم کا منہ بند کیا۔

بنو نضیر:

غزوۂ احد کے بعد ۴ھ میں بنو نضیر کو ان کی بدعہدی کے باعث جلاوطن کیا گیا' حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں بھی پیش پیش تھے اور علم ان ہی کے ہاتھ میں تھا۔

غزوۂ خندق:

۵ھ میں غزوۂ خندق پیش آیا اس میں کفار کبھی کبھی خندق میں گھس گھس کر حملہ کرتے تھے۔ ایک دفعہ سواروں نے حملہ کیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چند جانبازوں کے ساتھ بڑھ کر روکا۔ سواروں کے سردار عمرو بن عبدود نے کسی کو تنہا مقابلہ کی دعوت دی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے کو پیش کیا اس نے کہا میں تم کو قتل کرنا نہیں چاہتا شیر خدا نے کہا لیکن میں تم کو قتل کرنا چاہتا ہوں۔ وہ برہم ہو کر گھوڑے سے کود پڑا۔ اور مقابلہ میں آیا تھوڑی دیر تک شجاعانہ مقابلہ کے بعد ذوالفقار حیدری نے اس کو واصل جہنم کیا اس کا مقتول ہونا تھا کہ باقی سوار بھاگ کھڑے ہوئے[1] کفار بہت دن تک خندق کا محاصرہ کیے رہے۔ لیکن بالآخر مسلمانوں کی اس پامردی اور استقلال کے آگے ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور یہ معرکہ بھی مجاہدین کرام رضی اللہ عنہم کے ہاتھ رہا۔

بنو قریظہ:

بنو قریظہ نے مسلمانوں سے معاہدہ کے باوجود ان کے مقابلہ میں قریش کا ساتھ دیا

[1] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۹۸

marfat.com

اور تمام قبائل عرب کو مسلمانوں کے خلاف بھڑکا دیا تھا' اس لیے غزوۂ خندق سے فراغت کے بعد آنحضرت ﷺ نے ان کی طرف توجہ کی اس مہم میں بھی علم حضرت علی ؓ کے ہاتھ میں تھا اور انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے عہد کے مطابق قلعہ پر قبضہ کر کے اس کے صحن میں عصر کی نماز ادا کی۔

بنوسعد کی سرکوبی:

۶ھ میں آنحضرت ﷺ کو معلوم ہوا کہ بنوسعد یہود خیبر کی اعانت کے لیے مجتمع ہو رہے ہیں' اس لیے حضرت علی ؓ کو ایک سو کی جمعیت کے ساتھ ان کی سرکوبی پر مامور کیا۔ انہوں نے ماہ شعبان میں حملہ کر کے بنوسعد کو منتشر کر دیا اور پانچ سو اونٹ اور دو ہزار بکریاں مال غنیمت میں لائے۔

صلح حدیبیہ:

اسی سال یعنی ۶ھ میں رسول اللہ ﷺ نے تقریباً چودہ ہزار صحابہ کرامؓ کے ساتھ زیارتِ کعبہ کا ارادہ فرمایا۔ مقام حدیبیہ میں معلوم ہوا کہ مشرکین مکہ مزاحمت کریں گے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ گفتگو کے لیے سفیر بنا کر بھیجے گئے مشرکین نے ان کو روک لیا۔ یہاں یہ خبر مشہور ہوگئی کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ اس لیے آنحضرت ﷺ نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے انتقام کے لیے مسلمانوں سے بیعت لی حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی اس بیعت میں شریک تھے۔ بعد کو جب یہ معلوم ہوا کہ شہادت کی خبر غلط تھی تو مسلمانوں کا جوش کسی قدر کم ہوا اور طرفین نے مصالحت پر رضامندی ظاہر کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو صلح نامہ لکھنے کا حکم ہوا۔ انہوں نے حسب دستور **هذا ما قاضى عليه محمد رسول الله صلى الله عليه وسلم** کی عبارت سے عہد نامہ کی ابتداء کی مشرکین نے ''رسول اللہ'' کے لفظ پر اعتراض کیا کہ اگر ہم کو رسول اللہ ہونا تسلیم ہوتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا؟ سرور کائنات ﷺ نے اس لفظ کو مٹا دینے کا حکم دیا' لیکن حضرت علی ؓ کی غیرت نے گوارہ نہ کیا اور عرض کی' خدا کی قسم! میں اس کو نہیں مٹا سکتا' اس لیے آنحضرت ﷺ نے خود دست مبارک سے اس کو مٹا دیا اس کے بعد معاہدہ صلح لکھا گیا اور آنحضرت ﷺ زیارت کا ارادہ ملتوی کر کے مدینہ واپس تشریف

marfat.com

لائے۔[1]

فتح خیبر:

۷ھ میں خیبر پر فوج کشی ہوئی‘ یہاں یہودیوں کے بڑے بڑے مضبوط قلعے تھے جن کا مفتوح ہونا آسان نہ تھا پہلے حضرت ابوبکرؓ اور ان کے بعد حضرت عمر رضی اللہ عنہ اس کی تسخیر پر مامور ہوئے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ حضرت سرور کائنات ﷺ نے فرمایا کل ایک ایسے بہادر کو علم دوں گا جو خدا اور رسول کا محبوب ہے اور خیبر کی فتح اسی کے ہاتھ سے مقدر ہے۔ صبح ہوئی تو ہر شخص متمنی تھا کہ کاش اس فخر و شرف کا تاج اس کے سر پر ہوتا لیکن یہ دولت گرانمایہ حیدر کرار کے لیے مقدر ہو چکی تھی‘ صبح کو بڑے بڑے جان نثار اپنے نام سننے کے منتظر تھے کہ دفعتاً آپ نے علی رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ یہ آواز غیر متوقع تھی۔ کیونکہ حضرت علیؓ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ آنحضرت ﷺ نے ان کو بلا کر ان کی آنکھوں میں اپنا لعاب دہن لگایا جس سے یہ شکایت فوراً جاتی رہی۔[2]

مرحب:

اس کے بعد علم مرحمت فرمایا‘ حضرت علیؓ نے پوچھا یا رسول اللہ! کیا میں لڑ کر ان کو مسلمان بنا لوں؟ فرمایا نہیں‘ بلکہ پہلے اسلام پیش کرو اور ان کو اسلام کے فرائض سے آگاہ کرو کیونکہ تمہاری کوششوں سے ایک شخص بھی مسلمان ہو گیا تو وہ تمہارے لیے بڑی سے بڑی نعمت سے بہتر ہے۔[3] لیکن یہودیوں کی قسمت میں اسلام کی عزت کے بجائے شکست ذلت اور رسوائی لکھی تھی‘ اس لیے انہوں نے آنحضرت ﷺ کے اس حکم سے کوئی فائدہ نہ اٹھایا اور ان کا معزز سردار مرحب بڑے جوش و خروش سے یہ رجز پڑھتا ہوا نکلا:

قد علمت خیبر انی مرحب   شاکی السلاح بطل مجرب
خیبر مجھ کو جانتا ہے کہ میں مرحب ہوں   سلح پوش ہوں‘ بہادر ہوں‘ تجربہ کار ہوں

اذا الحروب اقبلت تلھت
جب کہ لڑائی کی آگ بھڑکتی ہے

---

[1] بخاری کتاب الصلح زرقانی باب غزوۂ حدیبیہ۔ [2] ایضاً کتاب المغازی غزوۂ خیبر [3] ایضاً

marfat.com

فاتح خیبر اس متکبرانہ رجز کا جواب دیتے ہوئے بڑھا:

انا الذی سمتنی امی حیدرہ کلیث غابات کریہ المنظرہ

میں وہ ہوں جس کا نام میری ماں نے حیدر رکھا ہے جھاڑی کے شیر کی طرح مہیب اور ڈراؤنا

اوفیھم بالصاع کیل السدرہ

میں دشمنوں کو نہایت سرعت سے قتل کر دیتا ہوں

اور جھپٹ کر ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔[1] اس کے بعد حیدر کرار نے بڑھ کر حملہ کیا اور حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ اس کو مسخر کر لیا۔

مہم مکہ:

رمضان ۸ھ میں مکہ پر فوج کشی کی تیاریاں شروع ہوئیں ابھی مجاہدین روانہ نہ ہوئے تھے، معلوم ہوا کہ ایک عورت غنیم کو یہاں کے تمام حالات سے مطلع کرنے کے لیے روانہ ہوگئی ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت علیؓ، زبیرؓ، اور مقدادؓ کو اس کی گرفتاری پر مامور کیا۔ یہ تینوں تیز گھوڑوں پر سوار ہو کر اس کے تعاقب میں روانہ ہو گئے اور خاخ کے باغ میں گرفتار کر کے خط مانگا۔ پہلے اس عورت نے لاعلمی ظاہر کی لیکن جب ان لوگوں نے جامہ تلاشی کا ارادہ کیا تو اس نے خط حوالہ کر دیا اور یہ لوگ خط لے کر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے جب یہ خط پڑھا گیا تو معلوم ہوا کہ مشہور صحابی حضرت حاطبؓ بن ابی بلتعہ نے مشرکین مکہ کے نام بھیجا تھا اور اس میں بعض مخفی حالات کی اطلاع تھی۔ آنحضرتؐ نے حاتم بن ابی بلتعہ سے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ انہوں نے عرض کی، حضور فردِ جرم قرار دینے سے قبل اصل حالات سن لیں۔ واقعہ یہ ہے کہ مجھ کو قریش سے کوئی نسبی تعلق نہیں ہے، صرف اس کا حلیف ہوں اور مکہ میں دوسرے مہاجرین کی قرابتیں ہیں جو فتح مکہ کے وقت ان کے اہل وعیال کی حفاظت کرتے، میں نے اس خیال سے کہ اگر کوئی نازک وقت آئے تو میرے بچے بے یار و مددگار نہ رہ جائیں یہ خط لکھا تھا، حاشا و کلا اس سے مخبری یا اسلام کے ساتھ دشمنی مقصود نہیں تھی، آنحضرت ﷺ نے اس عذر کو قبول کیا اور لوگوں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ انہوں نے سچ بیان

[1] صحیح بخاری جلد ۲ ص ۱۰۳ مطبوعہ مصر باب غزوہ ذی قرد وغیرہا

marfat.com

کیا ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی آتش غضب بھڑک چکی تھی' انہوں نے کہا' یا رسول اللہ ﷺ! اجازت دیجئے کہ اس منافق کی گردن اڑا دوں- آپؐ نے فرمایا کہ یہ بدری ہیں' کیا تم کو معلوم نہیں کہ بدریوں کے تمام گناہ معاف ہیں"۔[1]

غرض آنحضرت ﷺ ۱۰ رمضان ۸ھ کو مدینہ سے روانہ ہوئے اور ایک مرتبہ پھر اس محبوب سرزمین پر دس ہزار قدسیوں کے ساتھ فاتحانہ جاہ وجلال کے ساتھ داخل ہوئے' جہاں سے آٹھ سال پہلے بڑی بے کسی کے ساتھ مسلمان نکالے گئے تھے' ایک علم حضرت سعدؓ بن عبادہ کے ہاتھ میں تھا اور وہ جوش کی حالت میں یہ رجز پڑھتے جاتے تھے:

اليوم يوم الملحمة اليوم تستحل الكعبة.

"آج شدید جنگ کا دن ہے آج حرم میں خونریزی جائز ہے"۔

آنحضرت کو معلوم ہوا تو فرمایا' نہیں ایسا نہ کہو آج تو کعبہ کی عظمت کا دن ہے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ سعد بن عبادہؓ سے علم لے کر فوج کے ساتھ شہر میں داخل ہوں' چنانچہ وہ کداء کی جانب سے مکہ میں داخل ہوئے[2] اور مکہ بلا کسی خونریزی کے تسخیر ہو گیا اور وقت آ گیا کہ خلیل بت شکن کی یادگار (خانہ کعبہ) کو بتوں کی آلائشوں سے پاک کیا جائے جس کے گرد تین سو ساٹھ بت نصب تھے آنحضرت ﷺ نے سب سے پہلے اس فریضہ کو ادا کیا اور خانہ کعبہ کے گرد جس قدر بت تھے' سب کو لکڑی سے ٹھکراتے جاتے تھے اور یہ آیت فرماتے جاتے تھے۔ جَآءَ الْحَقُّ وَ زَهَقَ الْبَاطِلُ اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا. پھر خانہ کعبہ کے اندر سے حضرت ابراہیم واسماعیلؑ کی مورتوں کو الگ کروایا اور تطہیر کعبہ کے بعد اندر داخل ہوئے[3] لیکن چونکہ اس وحدت کدہ کا گوشہ گوشہ بتوں کی مورتوں سے اٹا ہوا تھا اس لیے اس اہتمام کے باوجود تانبے کا سب سے بڑا بت باقی رہ گیا یہ لوہے کی سلاخ میں پیوست کیا ہوا زمین پر نصب تھا اس لیے بہت بلندی پر تھا پہلے آنحضرتؐ نے حضرت علیؓ کے کندھوں پر چڑھ کر اس کے گرانے کی کوشش کی لیکن وہ جسم اطہر کا بار نہ سنبھال سکے' اس لیے حضور پرنور ﷺ نے ان کو شانہ اقدس پر چڑھا کر اس کے گرانے کا حکم دیا اور انہوں نے سلاخ سے اکھاڑ کر حسب

---

[1] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح [2] بخاری کتاب المغازی باب غزوۂ فتح [3] ایضاً

marfat.com

ارشاد نبوی پاش پاش کر ڈالا اور خانہ کعبہ کی کامل تطہیر ہوگئی۔[1]

ایک غلطی کی تلافی:

فتح مکہ کے بعد آنحضرت ﷺ نے خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنو خذیمہ میں تبلیغ اسلام کے لیے روانہ فرمایا۔ انہوں نے توحید کی دعوت دی' بنو خذیمہ نے اسے قبول کیا۔ لیکن اپنی بدویت اور جہالت کے باعث اس کو ادا نہ کر سکے اور اسلمنا یعنی ہم نے اسلام قبول کیا کے بجائے صبانا صبانا یعنی ہم بے دین ہو گئے کہنے لگے۔ حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے ان کا منشاء سمجھ کر سب کو قید کر لیا اور بہتوں کو قتل کر ڈالا۔ آنحضرتؐ نے سنا تو نہایت متاثر ہوئے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس غلطی کی تلافی کے لیے روانہ فرمایا انہوں نے پہنچ کر تمام قیدیوں کو آزاد کرا دیا اور مقتولین کے معاوضہ میں خون بہا دیا۔[2]

غزوۂ حنین:

فتح مکہ کے بعد اسی سال غزوۂ حنین کا عظیم الشان معرکہ پیش آیا اور اس میں پہلے مسلمانوں کی فتح ہوئی۔ لیکن جب وہ مال غنیمت لوٹنے میں مصروف ہوئے تو شکست خوردہ غنیم نے غافل پا کر پھر اچانک حملہ کر دیا۔ مجاہدین اس ناگہانی مصیبت سے ایسے پریشان ہوئے کہ بارہ ہزار نفوس میں سے صرف چند ثابت قدم رہ سکے ان میں ایک حضرت علیؓ بھی تھے۔ آپ نہ صرف پامردی اور استقلال کے ساتھ قائم رہے بلکہ اپنی غیر معمولی شجاعت سے لڑائی کو سنبھال لیا اور غنیم کے امیر عسکر پر حملہ کر کے اس کا کام تمام کر دیا اور دوسری طرف جو مجاہدین ثابت قدم رہ گئے تھے وہ اس بے جگری کے ساتھ لڑے کہ مسلمانوں کی ابتری اور پریشانی کے باوجود دشمن کو شکست ہوئی۔[3]

---

[1] حاکم نے مستدرک میں اس واقعہ کو بہ تفصیل نقل کیا ہے' لیکن فتح مکہ کے بجائے شب ہجرت کی طرف منسوب کیا ہے لیکن اس کے علاوہ دوسرے محدثین اور ارباب سیر نے فتح مکہ میں لکھا ہے کہ یہی صحیح اور قرین عقل ہے' ہجرت کی ایسی نازک رات میں جب کہ جان خطرہ میں تھی ایسے بڑے اور خطرناک کام کا انجام دینا بعید از قیاس ہے دوسرے مکہ کی زندگی میں بت شکنی کا کوئی واقعہ نہیں ہے۔

[2] فتح الباری ج ۸ ص ۴۶ [3] سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۲۶۷ و مستدرک حاکم جلد ۳ ص ۱۰۹

marfat.com

اہل بیت کی حفاظت:

۹ھ میں جب آنحضرت ﷺ نے تبوک کا قصد فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اہل بیت کی حفاظت کے لیے مدینہ میں رہنے کا حکم دیا شیر خدا کو شرکت جہاد سے محرومی کا غم تو تھا' منافقین کی طعنہ زنی نے اور بھی رنجیدہ کر دیا۔ سرور کائنات (ﷺ) کو اس حال کا علم ہوا تو ان کا غم دور کرنے کے لیے فرمایا۔ علیؓ! کیا تم اسے پسند کرو گے کہ میرے نزدیک تمہارا وہ رتبہ ہو جو ہارون کا موسیٰؑ کے نزدیک تھا''۔[1]

تبلیغ فرمانِ رسول:

غزوۂ تبوک سے واپسی کے بعد اسی سال آنحضرتؐ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو امیر حج بنا کر روانہ فرمایا۔ اسی اثناء میں سورۃ براءت نازل ہوئی۔ لوگوں نے کہا کہ اگر یہ سورۃ ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ حج کے موقع پر لوگوں کو سنانے کے لیے بھیجی جاتی تو اچھا ہوتا۔ سرور کائناتؐ نے فرمایا کہ میری طرف سے صرف میرے خاندان کا آدمی اس کی تبلیغ کر سکتا ہے چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر حکم دیا کہ وہ مکہ جا کر اس سورۃ کو سنائیں اور عام اعلان کر دیں کہ کوئی کافر جنت میں داخل نہ ہو گا اور اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے اور نہ کوئی شخص برہنہ خانہ کعبہ کا طواف کرے اور جس کا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ کوئی عہد ہے' وہ مدت مہینہ تک باقی رہے گا۔[2]

مہم یمن اور اشاعت اسلام:

تبلیغ اسلام کے سلسلہ میں آنحضرت ﷺ نے جو مہمیں روانہ فرمائیں ان میں یمن کی مہم پر حضرت خالدؓ بن ولید مامور ہوئے۔ لیکن چھ مہینہ کی مسلسل جدوجہد کے باوجود اشاعت اسلام میں کامیاب نہ ہو سکے اس لیے رمضان ۱۰ھ میں آنحضرت ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر یمن جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک ایسی قوم میں بھیجا جاتا ہوں جس میں مجھ سے زیادہ معمر اور تجربہ کار لوگ موجود ہیں ان لوگوں کے

---

1. بخاری کتاب المناقب مناقب علی رضی اللہ عنہ
2. سیرت ابن ہشام ج ۲ ص ۳۴۲' ۳۴۳

marfat.com

جھگڑوں کا فیصلہ کرنا میرے لیے نہایت دشوار ہوگا۔ ''اے خدا اس کی زبان کو راست گو بنا اور اس کے دل کو ہدایت کے نور سے منور کردے'' - دعا فرمائی اس کے بعد خود اپنے دست اقدس سے ان کے فرق مبارک پر عمامہ باندھا اور سیاہ علم دے کر یمن کی طرف روانہ فرمایا۔[1]

حضرت علیؓ کے یمن پہنچتے ہی یہاں کا رنگ بالکل بدل گیا۔ جو لوگ حضرت خالدؓ کی چھ مہینہ کی سعی و کوشش سے بھی اسلام کی حقیقت کو نہیں سمجھے تھے وہ حضرت علیؓ مرتضیٰ کی صرف چند روزہ تعلیم و تلقین سے اسلام کے شیدائی ہو گئے اور قبیلہ ہمدان مسلمان ہو گیا۔[2]

حج الوداع میں شرکت:

اسی سال یعنی ۱۰ھ میں آنحضرتؐ نے آخری حج کیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی یمن سے آکر اس یادگار حج میں شریک ہوئے۔

صدمہ جانکاہ:

حج سے واپسی کے بعد ابتدائے ماہ ربیع الاول ۱۱ھ میں آنحضرت ﷺ بیمار ہوئے۔ حضرت علی نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ تیمارداری اور خدمت گذاری کا فرض انجام دیا' ایک روز باہر آئے لوگوں نے پوچھا' اب حضور انور ﷺ کا مزاج کیسا ہے؟ حضرت علی نے اطمینان ظاہر کیا حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا خدا کی قسم! میں موت کے وقت خاندان عبدالمطلب کے چہرے پہچانتا ہوں' آؤ چلو رسول اللہ ﷺ سے عرض کریں کہ ہمارے لیے خلافت کی وصیت کر جائیں۔ حضرت علیؓ نے کہا' میں عرض نہیں کروں گا' اگر خدا کی قسم! آنحضرتؐ نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی امید باقی نہیں رہے گی''۔[3] دس روز کی مختصر علالت کے بعد ۱۲- ربیع الاول دوشنبہ کے دن دوپہر کے وقت آنحضرت ﷺ نے جانثاروں کو اپنی مفارقت کا داغ دیا حضرت علیؓ چونکہ رسالت مآب ﷺ کے قریب ترین عزیز اور خاندان کے رکن رکین تھے اس لیے غسل اور تجہیز و تکفین کے تمام مراسم انہی کے ہاتھ سے انجام پائے۔[4]

انصار و مہاجرین دروازے کے باہر کھڑے تھے' ایک روایت میں ہے کہ ایک

---

1. زرقانی جلد ۳ ص ۱۲۲۔ 2. فتح الباری ج ۸ ص ۱۵۲۔
3. صحیح بخاری باب مرض النبیؐ 4. مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۱۱

marfat.com

انصاری کو بھی اس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔

خلیفۂ اوّل کی بیعت‘ توقف کی وجہ:

سقیفہ بنو ساعدہ کی مجلس نے حضرت ابوبکرؓ صدیق کی خلافت پر اتفاق کیا اور تقریباً تمام اہل مدینہ نے بیعت کی۔ البتہ صحیح روایات کے مطابق صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چھ مہینے تک دیر کی۔ لوگوں نے اس توقف کے عجیب و غریب وجوہ اختراع کر لیے ہیں لیکن صحیح یہ ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی سوگوار زندگی نے ان کو بالکل خانہ نشین بنا دیا تھا‘ اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے وہ صرف ان کی تسلی و دلدہی اور قرآن شریف کے جمع کرنے میں مصروف تھے‘ چنانچہ جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ہو گیا اس وقت انہوں نے خود حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ان کے فضل کا اعتراف کیا اور بیعت کر لی۔[1]

سوا دو برس کی خلافت کے بعد حضرت ابوبکرؓ صدیق نے وفات پائی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ مسند آرائے خلافت ہوئے۔ حضرت عمر بڑی بڑی مہمات میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی نہایت دوستانہ اور مخلصانہ مشورے دیتے تھے۔ نہاوند کے معرکہ میں ان کو سپہ سالار بھی بنانا چاہا تھا لیکن انہوں نے منظور نہیں کیا۔ بیت المقدس گئے تو کاروبار خلافت انہی کے ہاتھ میں دے کر گئے[2] اتحاد و یگانگت کا اخیر مرتبہ یہ تھا کہ باہم رشتہ مصاہرت قائم ہو گیا۔ یعنی حضرت علیؓ کی صاحبزادی ام کلثومؓ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں آئیں۔

فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں فتنہ و فساد شروع ہوا تو حضرت علیؓ نے ان کے رفع کرنے کے لیے ان کو نہایت مخلصانہ مشورے دیئے۔ ایک دفعہ حضرت عثمانؓ نے ان سے پوچھا کہ ملک میں موجودہ شورش و ہنگامہ کی حقیقی وجہ اور اس کے رفع کرنے کی صورت کیا ہے؟ انہوں نے نہایت خلوص اور آزادی سے ظاہر کر دیا کہ موجودہ بے چینی تمام تر آپ کے عمال کی بے اعتدالیوں کا نتیجہ ہے۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ میں نے عمال کے انتخاب میں انہی صفات کو ملحوظ رکھا ہے جو فاروق اعظمؓ کے پیش نظر تھے۔ پھر ان

[1] بخاری غزوۂ خیبر [2] تاریخ ابن خلدون ج ۲ ص ۱۰۲ و طبری فتح المقدس

marfat.com

سے عام بیزاری کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی؟ جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں! یہ صحیح ہے لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سب کی تکمیل اپنے ہاتھ میں لے رکھی تھی اور گرفت ایسی سخت تھی کہ عرب کا سرکش سے سرکش اونٹ بھی بلبلا اٹھا۔ برخلاف اس کے آپ ضرورت سے زیادہ نرم دل ہیں۔ آپ کے عمال اس نرمی سے فائدہ اٹھا کر من مانی کارروائیاں کرتے ہیں اور آپ کو خبر بھی نہیں ہونے پاتی۔ رعایا سمجھتی ہے کہ عمال جو کچھ کرتے ہیں وہ سب دربار خلافت کے احکام کی تعمیل ہے' اس طرح تمام بے اعتدالیوں کا ہدف آپ کو بننا پڑا۔[1]

سب سے آخر میں مصری وفد کا معاملہ پیش آیا' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے اصرار کیا کہ اپنی وساطت سے اس جھگڑے کا تصفیہ کرا دیں اور انقلاب پسند جماعت کو راضی کر کے واپس کر دیں' پہلے تو انہوں نے انکار کیا لیکن پھر معاملہ کی اہمیت اور حضرت عثمانؓ کے اصرار سے مجبور ہو کر درمیان میں پڑے اور حضرت عثمانؓ سے اصلاحات کا وعدہ لے کر انقلاب پسندوں کو اپنی ذمہ داری پر واپس کر دیا۔ مصری وفد کے ارکان ابھی راہ ہی میں تھے کہ ان کو سرکاری قاصد کی تلاشی سے ایک فرمان ہاتھ آیا جس میں حاکم مصر کو ہدایت کی گئی تھی کہ اس وفد کے تمام شرکاء کو تہ تیغ کر دیا جائے۔ مصری اس غداری سے غضب ناک ہو کر پھر مدینہ واپس آئے اور حضرت علی کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی کہ ایک طرف تو آپ نے ہم کو اصلاحات کا اطمینان دلا کر واپس کیا اور دوسری طرف سے دربارِ خلافت کا یہ غدارانہ فرمان جاری ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمان دیکھا تو سخت متعجب ہوئے اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر اس کی حقیقت دریافت کی۔ انہوں نے اس سے حیرت کے ساتھ لاعلمی ظاہر کی حضرت علیؓ نے کہا مجھے بھی آپ سے ایسی توقع نہیں ہوسکتی تھی لیکن اب میں آئندہ کسی معاملہ میں نہ پڑوں گا۔ چنانچہ اس کے بعد وہ بالکل عزلت نشین ہو گئے۔

مصریوں نے جوش انتقام میں نہایت سختی کے ساتھ کاشانہ خلافت کا محاصرہ کر لیا اور آخر میں یہاں تک شدت اختیار کی کہ آب و دانہ سے بھی محروم کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو عزلت گزینی اور خلوت نشینی کے باوجود محاصرہ کرنے والوں کے پاس تشریف

[1] تاریخ طبری ص ۲۹۳۸

marfat.com

لے گئے اور فرمایا کہ تم لوگوں نے جس قسم کا محاصرہ قائم کیا ہے وہ نہ صرف اسلام بلکہ انسانیت کے بھی خلاف ہے۔ کفار بھی مسلمانوں کو قید کر لیتے ہیں تو آب و دانہ سے محروم نہیں کرتے۔ اس شخص نے تمہارا کیا نقصان کیا ہے جو ایسی سختی روا رکھتے ہو؟ محاصرین نے حضرت علیؓ کی سفارش کی کچھ پرواہ نہ کی اور محاصرہ میں سہولت پیدا کرنے سے قطعی انکار کر دیا حضرت علیؓ غصہ میں اپنا عمامہ پھینک کر واپس چلے گئے۔[1]

محاصرہ اگرچہ نہایت سخت تھا، تاہم حضرت علیؓ کو اس کا وہم بھی نہ تھا کہ یہ معاملہ اس قدر طول کھینچے گا کہ شہادت تک نوبت پہنچے گی۔ وہ سمجھے کہ جس طرح حقوق طلبی کے متواتر مظاہرے ہوتے رہے ہیں، یہ بھی اسی قسم کا ایک سخت مظاہرہ ہے تاہم اپنے دونوں صاحبزادوں کو احتیاطاً حفاظت کے لیے بھیج دیا، جنہوں نے نہایت تندہی اور جانفشانی کے ساتھ مدافعت کی، یہاں تک کہ اسی کشمکش میں زخمی ہوئے لیکن کثیر التعداد مفسدین کا روکنا آسان نہ تھا، وہ دوسری طرف سے دیوار پھاند کر اندر گھس آئے اور خلیفہ وقت کو شہید کر ڈالا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو اس سانحہ جانکاہ پر حد درجہ متاسف ہوئے اور جو لوگ حفاظت پر مامور تھے ان پر سخت ناراضگی ظاہر کی۔ حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما کو مارا۔ محمد بن طلحہؓ اور عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کو برا بھلا کہا کہ تم لوگوں کی موجودگی میں یہ واقعہ کس طرح پیش آیا۔

بیعت خلافت:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے تین دن بعد تک مسند خلافت خالی رہی اس عرصہ میں لوگوں نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے اس منصب کے قبول کرنے کے لیے سخت اصرار کیا۔ انہوں نے پہلے اس بارگراں کے اٹھانے سے انکار کر دیا لیکن آخر میں مہاجرین و انصار کے اصرار سے مجبور ہو کر اٹھانا پڑا۔[2] اور اس واقعہ کے تیسرے دن ۲۱/ ذی الحجہ دوشنبہ کے دن مسجد نبویؐ میں جناب علیؓ مرتضٰی کے دست اقدس پر بیعت ہوئی۔

مسند نشین خلافت ہونے کے بعد سب سے پہلا کام حضرت عثمانؓ کے قاتلوں کا پتہ چلانا اور ان کو سزا دینا تھا، لیکن دقت یہ تھی کہ شہادت کے وقت صرف ان کی بیوی نائلہ بنت

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۱۲۹۔ [2] طبری ص ۳۰۱۰

marfat.com

الفرافصہ موجود تھیں جو اس کے سوا کچھ نہ بتا سکیں کہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ دو آدمیوں کے ساتھ جن کو وہ پہلے سے پہچانتی نہیں تھیں' اندر آئے۔ حضرت علیؓ نے محمد بن ابی بکرؓ کو پکڑا تو انہوں نے قسم کھا کر اپنی برأت ظاہر کی کہ وہ قتل کے ارادے سے ضرور داخل ہوئے تھے لیکن حضرت عثمانؓ کے جملہ سے محجوب ہو کر پیچھے ہٹ آئے۔ البتہ ان دونوں نابکاروں نے بڑھ کر حملہ کیا جن کو وہ بھی نہیں جانتے تھے کہ کون تھے؟ حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا نے بھی اس بیان کی تصدیق کی کہ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ شریک نہ تھے۔ غرض تحقیق وتفتیش کے باوجود قاتلوں کا پتہ نہ تھا۔ تاریخ کی کتابوں میں قاتلوں کے مختلف نام مذکور ہیں لیکن شہادت کی قانونی حیثیت سے وہ مجرم ثابت نہیں ہوتے اس لئے مجرموں کا کوئی پتہ نہ چلا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اس وقت کوئی کارروائی نہ کر سکے۔

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے نزدیک اس انقلاب کا اصلی سبب عمال کی بے اعتدالیاں تھیں اور بڑی حد تک یہ صحیح بھی ہے اس لیے آپ نے تمام عثمانی عمال کو معزول کر کے عثمان بن حنیف کو بصرہ کا عامل مقرر کیا' عمارہ بن حسان کو کوفہ کی حکومت سپرد کی۔ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو یمن کی ولایت پر مامور کیا اور سہل کو حکومت شام کا فرمان دے کر روانہ کیا۔ سہل تبوک کے قریب پہنچے تو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے سوار مزاحم ہوئے اور ان کو مدینہ جانے پر مجبور کیا اس وقت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا کہ ان کی خلافت جھگڑوں سے پاک نہیں ہے۔[1]

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو لکھا کہ مہاجرین وانصار نے اتفاق عام کے ساتھ میرے ہاتھ پر بیعت کی ہے' اس لیے یا تو میری اطاعت کرو یا جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اپنے خاص قاصد کی معرفت جواب بھیجا اور خط میں صرف بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد مکتوب الیہ کا اور اپنا نام لکھا قاصد نہایت طرار اور زبان آور تھا اس نے کھڑے ہو کر کہا صاحبو! میں نے شام میں پچاس ہزار شیوخ کو اس حال میں چھوڑا ہے کہ عثمان کی خون آلود قمیض پر ان کی داڑھیاں آنسوؤں سے تر ہیں اور انہوں نے عہد کر لیا ہے کہ جب تک

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۵۳

marfat.com

اس خون ناحق کا قصاص نہیں لیں گے، اس وقت تک ان کی تلواریں بے نیام رہیں۔ قاصد یہ کہہ چکا تو حضرت علیؓ کی جماعت میں سے خالد بن زفر عبسی نے اس کے جواب میں کہا ''تمہارا برا ہو! کیا تم مہاجرین و انصار کو شامیوں سے ڈراتے ہو؟ خدا کی قسم نہ تو قمیض عثمانؓ قمیض یوسفؑ ہے اور نہ معاویہ رضی اللہ عنہ کو یعقوب علیہ السلام کی طرح غم ہے اگر شام میں اس قدر اس کو اہمیت دی گئی ہے تو تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ اہل عراق اس کی کچھ پرواہ نہیں کرتے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی قصاص پر آمادگی:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے مناقشات کا ابھی آغاز ہوا ہی تھا کہ دوسرا قضیۂ نامرضیہ پیدا ہو گیا یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا مکہ سے مدینہ واپس ہو رہی تھیں، راستہ میں ان کے ایک عزیز ملے، ان سے حالات دریافت کیے تو معلوم ہوا کہ عثمانؓ شہید کر دیئے گئے۔ اور علی رضی اللہ عنہ خلیفہ منتخب ہوئے لیکن ہنوز فتنہ کی گرم بازاری ہے، یہ خبر سن کر پھر مکہ واپس ہو گئیں، لوگوں نے واپسی کا سبب دریافت کیا تو فرمایا کہ عثمان رضی اللہ عنہ مظلوم شہید کر دیئے گئے اور فتنہ دبتا ہوا نظر نہیں آتا اس لیے تم لوگ خلیفہ مظلوم کا خون رائیگاں نہ جانے دو اور قاتلوں سے قصاص لے کر اسلام کی عزت بچاؤ۔[1]

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد مدینہ میں فتنہ وفساد کے آثار دیکھ کر حضرت طلحہؓ اور زبیر رضی اللہ عنہ بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اجازت لے کر مکہ چلے گئے تھے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے بھی وہاں کے حالات دریافت کیے۔ انہوں نے بھی شوروغوغہ کی داستان سنائی۔ ان کے بیان سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ارادوں میں اور تقویت ہوگئی اور انہوں نے خلیفہ مظلوم کے قصاص کی دعوت شروع کر دی۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات کی ترتیب اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بعض سیاسی تسامح نے عام طور پر ملک میں بدنظمی پیدا کر دی تھی۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتلوں کا پتہ نہ چلنا ان کے اعداء کو اپنا معاون و انصار بنانا اور مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ تمام عمال کو برطرف کر دینا لوگوں کو بدظن کر دینے کے لیے کافی تھا، انہی بدگمانیوں نے ام المومنین حضرت

[1] طبری ص ۳۰۹۸

marfat.com

عائشہ رضی اللہ عنہا کو بھی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے قصاص پر آمادہ کر دیا- چنانچہ قصاص کی تیاریاں شروع ہو گئیں' عبداللہ بن عامر حضرمی والی مکہ مروان بن حکم سعید بن العاص اور دوسرے بنی امیہ نے جو مدینہ سے مفرور ہو کر مکہ میں پناہ گزین تھے' نہایت جوش کے ساتھ اس تحریک کو پھیلایا اور ایک معتدبہ جمعیت فراہم کر کے روانہ ہوئے کہ پہلے بیت المال پر قبضہ کر کے مالی مشکلات میں سہولت پیدا کریں- پھر بصرہ' کوفہ اور عراق کی دوسری نو آبادیوں میں اس تحریک کی اشاعت کر کے لوگوں کو اپنا ہم آہنگ بنائیں-

سفر عراق:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو مکہ کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا تو آپ نے بھی اس خیال سے عراق کا قصد کیا کہ وہاں مخالفین سے پہلے پہنچ کر بیت المال کی حفاظت کا انتظام کریں اور اہل عراق کو وفاداری کا سبق دیں- انصار کرام کو اس ارادہ کی خبر ہوئی تو وہ بارگاہ خلافت میں حاضر ہوئے اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے جو بڑے پایہ کے صحابی اور غزوہ بدر میں سرور کائنات ﷺ کے ہمرکاب رہ چکے ہیں' انصار کی جانب سے گذارش کی کہ دار الخلافہ چھوڑ کر جانا کسی طرح مناسب نہیں ہے عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد میں بڑی بڑی جنگیں پیش آئیں لیکن انہوں نے کبھی مدینہ سے باہر قدم نہیں نکالا- اگر اس وقت خالدؓ، ابو عبیدہؓ، سعد وقاصؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ نے شام و ایران کو تہ و بالا کر دیا تھا تو اس وقت بھی ایسے جانبازوں کی کمی نہیں- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا' یہ صحیح ہے لیکن عراق پر مخالفین کے تسلط سے نہایت دشواری پیش آئے گی' وہ اس وقت مسلمانوں کی بہت بڑی نو آبادی ہے وہاں کے بیت المال بھی مال و زر سے پر ہیں اس لیے میرا وہاں موجود رہنا نہایت ضروری ہے اور مدینہ میں عام منادی کرادی کہ لوگ سفر عراق کے لیے تیار ہو جائیں چند محتاط صحابہ کے سوا تقریباً اہل مدینہ ہمرکاب ہوئے- ذی قار پہنچ کر معلوم ہوا کہ حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما سبقت کر کے بصرہ پہنچ گئے ہیں اور بنو سعد کے علاوہ تقریباً تمام بصرہ والوں نے ان کے ہاتھ پر بیعت کر لی-

حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سفر کوفہ:

یہ سن کر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے ذی قار میں قیام کیا اور حضرت امام حسن رضی اللہ

marfat.com

عنہ کو حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ کے ساتھ کوفہ روانہ کیا کہ لوگوں کو مرکز خلافت کی اعانت پر آمادہ کریں۔ حضرت امام حسنؓ جس وقت کوفہ پہنچے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ والی کوفہ مسجد میں ایک عظیم الشان مجمع کے سامنے تقریر کر رہے تھے کہ سرور کائنات ﷺ نے جس فتنہ کا خوف دلایا تھا وہ اب سر پر ہے' اس لیے ہتھیار بے کار کر دو اور بالکل عزلت نشین ہو جاؤ' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ فتنہ وفساد کے وقت سونے والا بیٹھنے والے سے اور بیٹھنے والا چلنے والے سے بہتر ہے اس اثناء میں حضرت امام حسنؓ مسجد میں داخل ہوئے اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے کہا تم بھی ہماری مسجد سے نکلو اور جہاں جی چاہے چلے جاؤ۔

اس کے بعد منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو امیر المؤمنین کی مساعدت پر آمادہ کیا۔ حجر بن عدی کندی نے جو کوفہ کے نہایت معزز اور ذی اثر بزرگ تھے' حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کی تائید کی اور کہا صاحبو! امیر المؤمنین نے خود اپنے صاحبزادہ کو بھیج کر تمہیں دعوت دی ہے' اس دعوت کو قبول کرو اور علم حیدری کے نیچے مجتمع ہو کر فتنہ وفساد کی آگ سرد کر دو۔ میں خود سب سے پہلے چلنے کو تیار ہوں۔

غرض حضرت امام حسنؓ اور حجر بن عدی کی تقریروں نے لوگوں کو حضرت علیؓ کی اعانت پر آمادہ کر دیا اور ہر طرف سے امیر المؤمنین کی اطاعت اور فرمان برداری کی صدائیں بلند ہوئیں اور دوسرے ہی دن صبح کے وقت تقریباً ساڑھے نو ہزار جانبازوں کی ایک جماعت مسلح ہو کر حضرت امام حسنؓ کے ساتھ روانہ ہوئی اور مقام ذی قار میں امیر المؤمنین کی فوج سے مل گئی۔ جناب امیرؓ نے اپنی فوج کو نئے سرے سے ترتیب دے کر بصرہ کا رخ کیا اس وقت بصرہ کا یہ حال تھا کہ وہ تین گروہوں میں منقسم تھا' ایک خاموش اور غیر جانبدار تھا' دوسرا حضرت علیؓ کا طرف دار تھا اور تیسرا حضرت عائشہؓ اور حضرت طلحہؓ وغیرہ کا حامی' خانہ جنگی کی یہ تیاریاں دیکھ کر پہلی جماعت نے مصالحت کی بڑی کوشش کی' بلکہ ہر فریق کے نیک نیت لوگ اس کی تائید میں تھے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا دونوں چاہتے تھے کہ جنگ کی نوبت نہ آنے پائے اور کسی طرح باہمی اختلافات دور ہو جائیں۔ صلح کی گفتگو ترقی پر تھی اور فریقین جنگ کے تمام احتمالات دلوں سے دور کر چکے تھے اور رات کے سناٹے میں ہر فریق آرام کی نیند سو رہا تھا۔ دونوں فریقوں میں کچھ ایسے عناصر شامل تھے جن کے نزدیک یہ

marfat.com

مصالحت ان کے حق میں سم قاتل تھی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج میں سبائی انجمن کے ارکان اور حضرت عثمان کے قاتلوں کا گروہ شامل تھا اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف کچھ اموی تھے۔ حضرت عثمانؓ کے قاتل اور سبائی سمجھے کہ اگر یہ مصالحت کامیاب ہوگئی تو ان کی خیر نہیں' اس لیے انہوں نے رات کی تاریکی میں حضرت عائشہؓ کی فوج پر شبخون مارا گھبراہٹ میں فریقین نے یہ سمجھ کر کہ دوسرے فریق نے دھوکہ دیا' ایک دوسرے پر حملہ شروع کر دیا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اونٹ پر آہنی ہودج رکھوا کر سوار ہوئیں کہ وہ اپنی فوج کو اس حملہ سے روک سکیں حضرت علیؓ نے بھی اپنے سپاہیوں کو روکا مگر فتنہ پھیل چکا تھا وہ کب رک سکتا تھا۔ ام المومنین حضرت عائشہؓ کی وجہ سے ان کی فوج میں غیر معمولی جوش و خروش تھا قلب فوج میں ان کا ہودج تھا' محمد بن طلحہؓ سواروں کے افسر تھے' عبداللہ بن زبیرؓ پیادہ فوج کی سربراہی پر مامور تھے اور پوری فوج کی قیادت حضرت طلحہؓ و زبیرؓ کے ہاتھوں میں تھی۔

جنگ جمل:

دوران جنگ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ گھوڑا بڑھا کر میدان میں آئے اور حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو بلا کر کہا ''ابوعبداللہ! تمہیں وہ دن یاد ہے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تم سے پوچھا تھا کہ کیا تم علیؓ کو دوست رکھتے ہو؟ تو تم نے عرض کی تھی ہاں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! یاد کرو' اس وقت تم سے حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ ایک دن تم اس سے ناحق لڑو گے''۔ حضرت زبیرؓ نے جواب دیا' ہاں اب مجھے بھی یاد آیا۔[1]

یہ پیشین گوئی یاد کر کے حضرت زبیرؓ جنگ سے کنارہ کش ہو گئے' اور اپنے صاحبزادے عبداللہ رضی اللہ عنہ سے فرمایا' جان پدر! علی رضی اللہ عنہ نے ایسی بات یاد دلا دی کہ تمام جنگ کا تمام جوش فرو ہو گیا بے شک ہم حق پر نہیں ہیں' اب میں اس جنگ میں شرکت نہ کروں گا' تم بھی میرا ساتھ دو' لیکن حضرت عبداللہؓ نے انکار کیا تو وہ تنہا بصرہ کی طرف چل کھڑے ہوئے کہ وہاں سے سامان لے کر کسی طرف نکل جائیں۔ حضرت طلحہؓ نے حضرت زبیرؓ کو جاتے دیکھا تو ان کا ارادہ بھی متزلزل ہو گیا۔ مروان ابن حکم کو معلوم ہوا تو انہوں نے حضرت طلحہؓ کو

1 مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۶۶ ۱۳

marfat.com

ایک ایسا تاک کر تیر مارا کہ جو گھٹنے میں پیوست ہو گیا- یہ تیر زہر میں بجھا ہوا تھا' زہر کے اثر سے ان کا کام تمام ہو گیا- اب میدان جنگ میں صرف ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور ان کے جان نثار فرزند رہ گئے- جنگ کی ابتداء ہو چکی تھی' دیر تک گھمسان کی جنگ ہوتی رہی- ام المومنین زرہ پوش ہودج میں بیٹھی تھیں' نامرتبہ شناس سبائی آپ کے ساتھ گستاخیاں کر رہے تھے اور آپ کو گرفتار کرنا چاہتے تھے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے وفادار بیٹوں میں بنوضبہ اس اونٹ کی حفاظت میں اپنی لاشوں پہ لاشیں گرا رہے تھے' بکر بن وائل ازد اور بنوضبہ اونٹ کو اپنے حلقہ میں لے کر اس جوش ثبات اور وارفتگی کے ساتھ لڑے کہ خود حیدر کرار رضی اللہ عنہ کو حیرت تھی' عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اونٹ کی نکیل پکڑے تھے وہ زخمی ہو کر گرے تو فوراً دوسرے نے بڑھ کر پکڑ لی' مارا گیا تو تیسرے نے اس کی جگہ لے لی- اس طرح یکے بعد دیگرے ستر آدمیوں نے اپنے آپ کو قربان کر دیا[1] بصرہ کا شہسوار عمرو بن بحرہ اس جوش سے لڑ رہا تھا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کا جو شخص اس کے سامنے پہنچ جاتا تھا' مارا جاتا تھا اور ابن بحرہ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

یا امنا یا خیر ام نعلم و الام تغذو ولدھا و ترحم

اے ہماری بہترین اور ماں بچوں کو کھلاتی ہے اور ان پر رحم کرتی ہے-

الا ترین کم جواد لکم و تختلی ھامتہ و المعصم

کیا تو نہیں دیکھتی کہ کتنے گھوڑے زخمی کیے جاتے ہیں اور ان کی کھوپڑی اور کلائی کاٹی جاتی ہے-

آخر کار حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج کے مشہور شہسوار حارث بن زبیر ازدی نے بڑھ کر اس کا مقابلہ کیا اور تھوڑی دیر تک تیغ و سنان کے ردو بدل کے بعد دونوں ایک دوسرے کے وار سے کٹ کر ڈھیر ہو گئے-

اونٹ کے سامنے بنوضبہ حیرت انگیز شجاعت کے ساتھ سد سکندری بنے دشمنوں کو روکے کھڑے تھے اور جب تک ایک شخص بھی زندہ رہا اس نے پشت نہیں پھیری اور یہ

[1] طبری ۳۱۸۶ و مستدرک حاکم ج ۳ ص ۳۶۶

marfat.com

رجز ان کی زبان پر تھا:

الموت احلی عند نا من العسل   نحن بنو ضبة اصحاب الجمل

موت ہمارے نزدیک شہد سے زیادہ شیریں ہے ہم ضبہ کی اولاد اونٹ کے محافظ ہیں۔

نحن بنو الموت اذا الموت نزل   ننعی ابن عفان باطراف الاسل

ہم موت کے بیٹے ہیں، جب موت اترے، ہم عثمان بن عفان کی موت کی خبر نیزوں سے پھیلا رہے ہیں۔

ردوا علینا شیخنا ثم بحل

ہمارے سردار کو ہم کو واپس کر دو تو پھر کچھ نہیں

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ جب تک اونٹ بٹھایا نہ جائے گا، مسلمانوں کی خونریزی رک نہیں سکتی، اس لیے آپ کے اشارے سے ایک شخص نے پیچھے سے جا کر اونٹ کے پاؤں پر تلوار ماری، اونٹ بلبلا کر بیٹھ گیا۔ اونٹ کے بیٹھتے ہی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج کی ہمت چھوٹ گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حق میں جنگ کا فیصلہ ہو گیا آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بھائی محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھی تھے، حکم دیا کہ اپنی ہمشیرہ محترمہ کی خبر گیری کریں اور عام منادی کرا دی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے زخمیوں پر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں مال غنیمت نہ لوٹا جائے، جو ہتھیار ڈال دیں وہ مامون ہیں پھر خود ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس حاضر ہو کر مزاج پرسی کی اور بصرہ میں چند دن تک آرام و آسائش سے ٹھہرانے کے بعد محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کے ہمراہ عزت و احترام کے ساتھ مدینہ بھیج دیا۔ بصرہ کی چالیس شریف و معزز خواتین کو پہنچانے کے لیے ساتھ کیا اور رخصت کرنے کے لیے خود چند میل تک ساتھ گئے اور ایک منزل تک اپنے صاحبزادوں کو مشائعت کے لیے بھیجا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رخصت ہوتے وقت لوگوں سے فرمایا کہ میرے بچو! ہماری باہمی کشمکش محض غلط فہمی کا نتیجہ تھی، ورنہ مجھ میں اور علیؓ میں پہلے کوئی جھگڑا نہ تھا، حضرت علیؓ نے بھی مناسب الفاظ میں تصدیق کی اور فرمایا کہ یہ آنحضرتؐ کی حرم محترم اور ہماری ماں ہیں، ان

marfat.com

کی تعظیم وتوقیر ضروری ہے۔ غرض پہلی رجب ۳۶ھ سنیچر کے روز حضرت عائشہؓ مدینہ کی طرف روانہ ہوگئیں۔

بصرہ میں چند روز قیام کے بعد حضرت علیؓ نے کوفہ کا عزم کیا اور ۱۲/ رجب ۳۶ھ دوشنبہ کے روز داخل شہر ہوئے۔ اہل کوفہ نے قصر امارت میں مہمان نوازی کا سامان کیا لیکن زہد وقناعت کے شہنشاہ نے اس میں فروکش ہونے سے انکار کیا اور فرمایا کہ عمرؓ بن الخطاب نے ہمیشہ ان عالی شان محلات کو حقارت کی نظر سے دیکھا' مجھے بھی اس کی حاجت نہیں' میدان میرے لیے بس ہے چنانچہ میدان میں قیام فرمایا اور مسجد اعظم میں داخل ہو کر دو رکعت نماز ادا کی اور جمعہ کے روز خطبہ میں لوگوں کو اتقاء پرہیزگاری اور وفاشعاری کی ہدایت کی۔

جنگ جمل کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ چھوڑ کر کوفہ میں مستقل اقامت اختیار کی اور دارالحکومت حجاز سے عراق منتقل ہو گیا لوگوں نے اس تبدیلی کے مختلف وجوہ بیان کیے ہیں مگر میرے نزدیک صحیح یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کی شہادت سے حرم نبوی کی جو توہین ہوئی اس نے علی رضی اللہ عنہ مرتضٰی کو مجبور کیا کہ وہ آئندہ سلطنت کے سیاسی مرکز کو علمی اور مذہبی مرکز سے علیحدہ کر دیں۔ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ کوفہ میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف دار اور حامیوں کی اس وقت سب سے بڑی تعداد تھی' گو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ کو سیاسی شر وفتن سے بچانے کے لیے عراق کو دارالحکومت بنایا تھا' لیکن اس کا کوئی مفید نتیجہ مرتب نہیں ہوا اس سے مدینہ کی سیاسی اہمیت ختم ہوگئی اور خود حضرت علی رضی اللہ عنہ مرکز اسلام سے دور ہو گئے جو سیاسی حیثیت سے آئندہ ان کے لیے مضر ثابت ہوا۔

بہر حال حضرت علیؓ نے کوفہ میں قیام فرما کر ملک کا از سر نو نظم ونسق قائم کیا۔ حضرت عبداللہؓ بن عباس کو بصرہ کی ولایت سپرد کی' مدائن پر یزید بن قیس' اصفہان پر محمد بن سلیم' کسکر پر قدامہ بن عجلان ازدی' بجستان پر ربعی بن کاس اور تمام خراسان پر خلید بن کاس کو مامور کر کے بھیجا۔ خلید خراسان پہنچے تو ان کو خبر ملی کہ خاندان کسریٰ کی ایک لڑکی نے نیشاپور پہنچ کر بغاوت کرادی ہے۔ چنانچہ انہوں نے نیشاپور پر فوج کشی کر کے بغاوت فرو کی اور اس کو بارگاہ خلافت میں بھیج دیا جناب امیر نے اس کے ساتھ نہایت لطف وکرم کا برتاؤ کیا اور اس سے

marfat.com

فرمایا کہ اگر وہ پسند کرے تو اپنے فرزند امام حسنؓ سے نکاح کر دیں اس نے کہا کہ وہ ایسے شخص سے شادی کرنا نہیں چاہتی جو ابھی خود مختار نہ ہو اگر خود جناب امیر اپنے عقد نکاح سے مشرف فرمائیں تو بطیب خاطر حاضر ہوں۔ حضرت علیؓ نے انکار کیا' اور اسے آزاد کر دیا کہ جہاں چاہے رہے اور جس سے چاہے بیاہ کرے۔

جزیرۂ موصل اور شام کے متصلہ علاقوں پر اشتر نخعی کو مامور کیا۔ اشتر نے بڑھ کر شام کے بعض علاقوں پر قبضہ کر لیا' لیکن امیر معاویہؓ کے عامل ضحاک بن قیس نے حران اور رقہ کے درمیان مقابلہ کر کے اشتر کو پھر موصل جانے پر مجبور کیا اشتر نے موصل میں قیام کر کے شامی فوج سے مستقل چھیڑ چھاڑ کر دی اور اس سیلاب کو آگے بڑھنے سے روکے رکھا۔

صلح کی دعوت:

اگرچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم تھا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آپ کی خلافت تسلیم نہیں کریں گے تاہم اتمام حجت کے لیے ایک دفعہ پھر صلح کی دعوت دی اور جریر بن عبداللہؓ کو قاصد بنا کر بھیجا' جریر ایسے وقت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچے کہ ان کے دربار میں رؤسائے شام کا مجمع تھا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے خط لے کر پہلے خود پڑھا' پھر بآواز بلند حاضرین کو سنایا' بعد حمد و نعت کے خط کا مضمون یہ تھا۔

''تم اور تمہارے زیر اثر جس قدر مسلمان ہیں' سب پر میری بیعت لازم ہے کیونکہ مہاجرین و انصار نے اتفاق عام سے مجھے منصب خلافت کے لیے منتخب کیا ہے' ابوبکرؓ، عمرؓ اور عثمان رضی اللہ عنہ کو بھی انہی لوگوں نے منتخب کیا تھا۔ اس لیے جو شخص اس بیعت کے بعد سرکشی اور اعراض کرے گا وہ جبراً اطاعت پر مجبور کیا جائے گا۔ پس تم مہاجرین و انصار کی اتباع کرو یہی سب سے بہتر طریقہ ہے ورنہ جنگ کے لیے تیار ہو جاؤ۔ تم نے عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کو اپنی مقصد برآری کا وسیلہ بنایا ہے' اگر تم کو عثمانؓ کے قاتلوں سے انتقام لینے کا حقیقی جوش ہے تو پہلے میری اطاعت قبول کرو' اس کے بعد باضابطہ اس مقدمہ کو پیش کرو میں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کے مطابق اس کا فیصلہ کروں گا ورنہ تم نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ محض دھوکہ اور فریب ہے''۔

marfat.com

امیر معاویہؓ بیس بائیس برس سے شام کے والی تھے اس طویل حکومت نے ان کے دل میں استقلال و خود مختاری کی تمنا پیدا کر دی تھی، جس کے حصول کے لیے اس سے بہتر موقع میسر نہیں آ سکتا تھا۔ نیز حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت، حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور اموی عمال کی برطرفی سے بنو امیہ اور بنو ہاشم کی دیرینہ چشمک پھر تازہ ہو گئی۔ حضرت علیؓ کے معزول کردہ تمام اموی عمال امیر معاویہؓ کے گرد و پیش جمع ہو گئے تھے بہت سے قبائل عرب جو اگرچہ اموی نہ تھے لیکن امیر معاویہؓ کی شاہانہ داد و دہش نے ان کو بھی ان کا طرفدار بنا دیا تھا، بعض صحابہ بھی اپنے مقاصد کے لیے ان کے دست و بازو بن گئے تھے۔ حضرت عمرو بن العاصؓ نے مصر کی حکومت کا عہدہ لے کر اعانت و مساعدت کا وعدہ کر لیا تھا مغیرہؓ بن شعبہ جو عرب کے نامور مدبروں میں تھے اور پہلے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے طرف دار تھے آپ سے دل برداشتہ ہو کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ ہو گئے تھے۔ عبید اللہ بن عمرؓ جنہوں نے اپنے والد کے خون کے جوش انتقام میں ایک پارسی نومسلم ہرمزان کو بے وجہ قتل کر دیا تھا اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے ان سے قصاص نہیں لیا تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کی مسند نشینی کے بعد مقدمہ قائم ہونے کے خوف سے بھاگ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے دامن میں پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک اور نامور مدبر زیاد بن امیہ کو جو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حامیوں میں تھا، اپنے ساتھ ملا لیا تھا، اکابر شام کی پہلے ہی سے ان کو تائید و حمایت حاصل تھی، ان کی مدد سے انہوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے واقعہ کو جس سے تمام مسلمان سخت متاثر تھے، سارے شام میں پھیلایا۔ ہر ہر گاؤں، قصبہ اور شہر میں اس کی اشاعت کے لیے خطیب مقرر کیے۔ دمشق کی جامع مسجد میں حضرت عثمانؓ کے خون آلود پیراہن اور حضرت نائلہ رضی اللہ عنہا کی کٹی ہوئی انگلیوں کی نمائش کی جاتی تھی۔[1]

ان تدبیروں سے لوگوں کو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے خون کے انتقام کا جوش پیدا کرنے کے بعد اپنے حاشیہ نشینوں کے مشورہ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خط کا جواب لکھا اور حسب معمول قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ کو حوالہ کر دینے پر اصرار کیا۔ ابو مسلم نے جو خط کا جواب لے کر گئے تھے، دربار خلافت میں خط پیش کرنے کے بعد رنج کے طور پر گذارش کی کہ اگر عثمان رضی اللہ عنہ

[1] طبری ص ۳۲۵۵

marfat.com

کے قاتلوں کو ہمارے حوالہ کر دیا جائے تو ہم اور تمام اہل شام خوشی کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کو تیار ہیں فضل و کمال کے لحاظ سے آپ ہی خلافت کے حقیقی مستحق ہیں- جناب امیرؓ نے دوسرے روز صبح کے وقت جواب دینے کا وعدہ فرمایا- ابومسلم جب دوسرے روز حاضر ہوئے تو وہاں تقریباً دس ہزار مسلح آدمیوں کا مجمع تھا- ابومسلم کو دیکھ کر سب نے ایک ساتھ بیانگ بلند کہا ہم سب عثمانؓ کے قاتل ہیں ابومسلم نے مستعجب ہو کر بارگاہ خلافت میں عرض کی کہ معلوم ہوتا ہے کہ سب نے باہم سازش کر لی ہے- حضرت علیؓ نے فرمایا تم اس سے سمجھ سکتے ہو کہ عثمانؓ کے قاتلوں پر میرا کہاں تک اختیار ہے؟

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے پھر امیر معاویہؓ کو لکھا کہ وہ ناحق ضد سے باز آ جائیں اور حضرت عثمانؓ کے قتل میں ان کی کوئی شرکت نہ تھی عمرؓو بن العاص کو علیحدہ لکھا کہ ''دنیا طلبی چھوڑ کر حق کی حمایت کرو- لیکن زمین مسلمانوں کے خون کی پیاسی تھی' گو جنگ جمل میں دس ہزار مسلمانوں کا خون پی چکی تھی لیکن ابھی اس کی پیاس نہ بجھی تھی' اس لیے مصالحت اور خانہ جنگی کے سد باب کی تمام تر کوششیں ناکام رہیں اور حضرت علیؓ کو مجبور ہو کر قبضہ شمشیر پر ہاتھ رکھنا پڑا- تمام عمال و حکام کو دور دراز حصص ملک سے جنگ میں شریک ہونے کے لیے بلایا اور تقریباً اسی ہزار کی جمعیت کے ساتھ حدود شام کا رخ کیا-

معرکہ صفین:

جب یہ فوج گراں فرات کو عبور کر کے سرحد شام میں داخل ہوئی تو امیر معاویہؓ کی طرف سے ابوالدعور سلمٰی نے مقدمۃ الجیش کو آگے بڑھنے سے روکا علوی فوج کے افسر زیاد بن النفر اور شریح بن ہانی نے تمام دن نہایت جاں بازی کے ساتھ مقابلہ کیا اسی اثناء میں اشترنخعی کمک لے کر پہنچ گئے ابوالدعور نے دیکھا کہ اب مقابلہ دشوار ہے اس لیے رات کی تاریکی میں اپنی فوج کو ہٹا لیا اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو فوج مخالف کی آمد کی اطلاع دی- انہوں نے صفین کے میدان کو مدافعت کے لیے منتخب کیا اور پیش قدمی کر کے مناسب موقعوں پر مورچے جما دیئے گھاٹ کو اپنے قبضہ میں لے کر سلمٰی کو ایک بڑی جمعیت کے ساتھ متعین کر دیا کہ علوی فوج کو دریا سے پانی نہ لینے دیں-

marfat.com

پانی کے لیے کشمکش:

ابوالدعور نے اس حکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج صفین پہنچی تو اس کو پانی کی وجہ سے سخت دقت پیش آئی حضرت علیؓ نے حکم دیا کہ شامی فوج کا مقابلہ کر کے بزور گھاٹ پر قبضہ کرلیا جائے چنانچہ پہلے چند آدمی اتمام حجت کے لیے آشتی کے ساتھ دریا کی طرف بڑھے لیکن جیسے ہی قریب پہنچے ہر طرف سے تیروں کی بارش شروع ہو گئی حضرت علی رضی اللہ عنہ کی فوج پیش دستی کی منتظر تھی، سب نے ایک ساتھ مل کر حملہ کر دیا ابوالدعور نے دیر تک ثبات و استقلال کے ساتھ مقابلہ کیا۔ عمروؓ بن العاص نے بھی اپنی کمک سے تقویت دی، لیکن پیاسوں کو پانی سے روکنا آسان نہ تھا۔ آخر کار شامی دستوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور گھاٹ پر تشنہ کاموں کا قبضہ ہو گیا، اب جو دقت امیر المومنین کی فوجوں کو ہوئی تھی وہی امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو پیش آئی لیکن جناب مرتضیٰ کی حمیت انسانی نے کسی کو تشنہ کام رکھنا گوارا نہ کیا اور شامی فوج کو دریا سے پانی لینے کی اجازت دے دی[1] چنانچہ دونوں فوجیں ایک ساتھ دریا سے سیراب ہونے لگیں اور باہم اس قدر اختلاط پیدا ہو گیا کہ دونوں کیمپوں کے سپاہیوں میں دوستانہ آمد و رفت شروع ہو گئی یہاں تک کہ بعضوں کو خیال ہوا کہ اب صلح ہو جائے گی۔

میدان جنگ میں مصالحت کی آخری کوشش:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جنگ شروع کرنے سے قبل ایک دفعہ پھر اتمام حجت کے لیے بشیر بن عمرو بن محصن انصاری، سعید بن قیس ہمدانی اور شبث بن ربعی کو امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج کر مصالحت کی آخری کوشش کی لیکن کامیابی نہ ہوئی، دونوں طرف علماء فضلاء اور حفاظ قرآن کی ایک جماعت موجود تھی جو دل سے اس خونریزی کو ناپسند کرتی تھی۔ اس نے مسلسل تین ماہ تک جنگ کو روکے رکھا اور اس درمیان میں برابر مصالحت کی کوشش کرتی رہی اس اثناء میں دونوں طرف سے تقریباً پچاسی دفعہ حملہ کا ارادہ کیا گیا لیکن ان بزرگوں نے ہمیشہ درمیان میں پڑ کر بیچ بچاؤ کرا دیا۔ غرض ربیع الاول، ربیع الثانی اور جمادی الاولیٰ تین مہینے صرف صلح کے انتظار میں گذر گئے لیکن اس کی کوئی صورت نہ نکل سکی اور جمادی الآخر کے شروع میں جنگ

---

[1] ابن اثیر جلد ۳ ص ۲۳۵

marfat.com

چھڑ گئی۔

آغازِ جنگ:

لڑائی کا یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف سے دن میں دو دفعہ یعنی صبح و شام تھوڑی فوج میدان جنگ میں اترتی تھی اور کشت و خون کے بعد اپنے فرودگاہ پر واپس جاتی تھی۔ فوج کی کمان حضرت علی رضی اللہ عنہ کبھی خود کرتے تھے اور کبھی باری باری سے اشتر نخعی، حجر بن عدی، شبث ربعی، خالد بن المعمر، زیاد بن النضر، زیاد بن حصفہ التیمی، سعید بن قیس، محمد بن حنفیہ، معقل بن قیس اور قیس بن سعد اس فرض کو انجام دیتے تھے۔ یہ سلسلہ جمادی الآخری کی آخر تاریخوں تک جاری رہا لیکن جیسے ہی رجب کا ہلال طلوع ہوا، اشعر حرم کی عظمت کے خیال سے دفعتہً دونوں طرف سے جنگ رک گئی اس التواء سے خیر خواہانِ امت کو پھر ایک مرتبہ مصالحت کی کوشش کا موقع مل گیا چنانچہ حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابو امامہ باہلی رضی اللہ عنہ نے امیر معاویہؓ کے پاس جا کر ان سے حسب ذیل گفتگو کی:

حضرت ابوالدرداءؓ: تم علیؓ سے لڑتے ہو کیا وہ امامت کے تم سے زیادہ مستحق نہیں ہیں؟

امیر معاویہؓ: میں عثمانؓ کے خون ناحق کے لیے لڑتا ہوں۔

حضرت ابوالدرداء: کیا عثمانؓ کو علیؓ نے قتل کیا ہے؟

امیر معاویہؓ: قتل تو نہیں کیا ہے، قاتلوں کو پناہ دی ہے اگر وہ ان کو میرے سپرد کر دیں تو سب سے پہلے بیعت کرنے کو تیار ہوں۔

اس گفتگو کے بعد حضرت ابوالدرداءؓ اور حضرت ابوامامہؓ حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی شرائط سے مطلع کیا۔ اسے سن کر تقریباً بیس ہزار سپاہیوں نے علوی فوج سے نکل کر کہا کہ "ہم سب عثمان رضی اللہ عنہ کے قاتل ہیں" حضرت ابوالدرداء اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہما نے یہ رنگ دیکھا تو لشکر گاہ چھوڑ کر ساحلی علاقہ کی طرف چلے گئے اور اس جنگ میں کوئی حصہ نہیں لیا۔

غرض پہلی رجب سے اخیر محرم ۳۷ھ تک طرفین سے سکوت رہا اور کوئی قابل ذکر معرکہ پیش نہ آیا۔ آغاز صفر سے پھر از سر نو جنگ شروع ہوگئی اور اس قدر خونریز لڑائیاں پیش

maktabah.org

آئیں کہ ہزاروں عورتیں بیوہ اور ہزاروں بچے یتیم ہو گئے پھر بھی اس خانہ جنگی کا فیصلہ نہ ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس طوالت سے تنگ آ کر اپنی فوج کے سامنے نہایت پر جوش تقریر کی اور اس کو فیصلہ کن جنگ کے لیے ابھارا۔ تمام فوج نے نہایت جوش و خروش کے ساتھ اس تقریر کو لبیک کہا' اور اپنے حریف پر اس زور سے حملہ کیا کہ شامی فوج کی صفیں درہم برہم ہو گئیں اور بڑے بڑے بہادروں کے پاؤں اکھڑ گئے۔ حیدرِ کرار خود فوج کے آگے تھے اور اس جانبازی سے لڑ رہے تھے کہ حریف کی صفیں چیرتے ہوئے امیر معاویہؓ کے مقصورہ تک پہنچ گئے۔ آپ کی زبان پر یہ رجز جاری تھا:

اضـــربهـــم و لا ارى مـعـــاوية   الـجـاحـظ العـلـين العظيم الحاوية

قریب پہنچ کر پکار کر کہا ''معاویہ! خلق خدا کا خون گراتے ہو' آؤ ہم تم باہم اپنے جھگڑوں کا فیصلہ کر لیں''۔

اس مبارزت پر عمرؓو بن العاص اور امیر معاویہؓ میں حسب ذیل مقالہ ہوا۔

عمرؓو بن العاص: بات انصاف کی ہے۔

امیر معاویہؓ: خوب کیا انصاف ہے؟ تم جانتے ہو کہ جو اس شخص کے مقابلہ میں جاتا ہے پھر زندہ نہیں بچتا۔

عمرؓو بن العاص: جو کچھ ہو' تاہم مقابلے کے لیے نکلنا چاہیے۔

امیر معاویہؓ: تم چاہتے ہو کہ مجھے قتل کرا کے میرے منصب پر قبضہ کرو۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے اعراض پر عمرؓو بن العاص خود شیر خدا کے مقابلہ کے لیے نکلے۔ دیر تک دونوں میں تیغ و سنان کا رد و بدل ہوتا رہا۔ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایسا وار کیا کہ اس سے سلامت بچنا ناممکن تھا۔ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ اس بدحواسی کے ساتھ گھوڑے سے گرے کہ بالکل برہنہ ہو گئے۔ فاتح خیبر نے اپنے حریف کو برہنہ دیکھ کر منہ پھیر لیا اور زندہ چھوڑ کر واپس چلے آئے۔

اس جنگ کے بعد تھوڑی تھوڑی فوج سے مقابلہ ہونے کے بجائے پوری فوج کے ساتھ جنگ ہونے لگی۔ چند دنوں تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہاں تک کہ جمعہ کے روز عظیم الشان

marfat.com

جنگ پیش آئی جو شدت و خونریزی کے لحاظ سے تاریخ اسلام میں اپنی نظیر آپ ہے- صبح سے شام اور شام سے دوسری صبح تک اس زور کا رن پڑا کہ نعروں کی گرج' گھوڑوں کی ٹاپوں اور تلواروں کی جھنکاروں سے کرۂ ارض تھرا رہا تھا- اسی مناسبت سے اس کو لیلۃ الہریر کہتے ہیں-

دوسری صبح کو مجروحین و مقتولین کے اٹھانے کے لیے جنگ ملتوی ہو گئی اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے طرفداروں کو مخاطب کر کے نہایت جوش سے تقریر کی اور فرمایا "جانبازو! ہماری کوششیں اس حد تک پہنچ چکی ہیں کہ انشاء اللہ کل اس کا آخری فیصلہ ہو جائے گا- پس آج کچھ آرام لینے کے بعد اپنے حریف کو آخری شکست دینے کے لیے تیار ہو جاؤ اور اس وقت تک میدان سے منہ نہ موڑو جب تک اس کا قطعی فیصلہ نہ ہو جائے-

امیر معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نے اس وقت تک نہایت' جانبازی' شجاعت اور پامردی کے ساتھ اپنی فوجوں کو سرگرم کارزار رکھا تھا' لیکن لیلۃ الہریر کی جنگ سے انہیں بھی یقین ہو گیا تھا کہ اب لشکر حیدری کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے- قبیلوں کے سردار بھی ہمت ہار گئے- اشعث ابن قیس نے اعلانیہ دربار میں کھڑے ہو کر کہا اگر مسلمانوں کی باہمی لڑائی ایسی ہی قائم رہی تو تمام عرب ویران ہو جائے گا- رومی شام میں ہمارے اہل و عیال پر قبضہ کر لیں گے اس طرح ایران دہقان اہل کوفہ کی عورتوں اور بچوں پر متصرف ہو جائیں گے تمام درباریوں کی نظریں امیر معاویہؓ کے چہرہ پر گڑ گئیں اور سب نے بالاتفاق اس خیال کی تائید کی-

یہ رنگ دیکھ کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جناب مرتضٰی کو لکھا کہ "اگر ہم کو اور خود آپ کو معلوم ہوتا کہ یہ جنگ اس قدر طول کھینچے گی تو غالباً ہم دونوں اس کو چھیڑنا پسند نہ کرتے- بہر حال اب ہم کو اس تباہ کن جنگ کا خاتمہ کر دینا چاہیے' ہم لوگ بنی عبد مناف ہیں اور آپس میں ایک دوسرے پر کوئی فوقیت نہیں' اس لیے مصالحت ایسی ہو کہ طرفین کی عزت و آبرو برقرار رہے- لیکن اب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مصالحت سے انکار کیا اور دوسرے روز علی الصباح زرہ بکتر سے آراستہ ہو کر اپنی فوج ظفر موج کے ساتھ میدان میں صف آراء ہوئے- لیکن حریف نے جنگ ختم کر دینے کا تہیہ کر لیا تھا- عمروؓ بن العاص نے کہا اب میں ایک ایسی چال

marfat.com

چلوں گا کہ یا تو جنگ کا خاتمہ ہی ہو جائے گا یا علیؓ کی فوج میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ چنانچہ دوسری صبح شامی فوج ایک عجیب منظر کے ساتھ میدان جنگ میں آئی' آگے آگے دمشق کا مصحف اعظم پانچ نیزوں پر بندھا ہوا تھا اور اس کو پانچ آدمی بلند کیے ہوئے تھے۔ اس کے علاوہ جس جس کے پاس قرآن پاک تھا' اس نے اس کو نیزے پر باندھ لیا تھا۔ حضرت علیؓ کی طرف سے اشتر نخعی نے ایک جمعیت عظیم کے ساتھ حملہ کیا تو قلب سے فضل بن ادہم' میمنہ سے شریح الجذامی اور میسرہ سے زرقاء بن معمر بڑھے اور چلا کر کہا ''گروہ عرب! خدا رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ سے تمہاری عورتوں اور بچوں کو بچائے تم فنا ہو گئے دیکھو یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان ہے''۔ اسی طرح ابوالدعور سلمٰی اپنے سر پر کلام مجید رکھے ہوئے لشکر حیدری کے قریب آئے' اور ببانگ بلند کہا۔ ''اے اہل عراق! یہ کتاب اللہ ہمارے اور تمہارے درمیان حکم ہے۔ اشتر نخعی نے اپنے ساتھیوں کو سمجھایا کہ حریف کی چال ہے اور جوش دلا کر نہایت زور و شور سے حملہ کر دیا۔ لیکن شامیوں کی چال کامیاب ہوگئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو لاکھ سمجھایا کہ مصاحف کا بلند کرنا محض عیاری ہے ہم کو اس دام تزویر سے بچنا چاہیے۔ کردوس بن ہانی' سفیان بن ثور اور خالد بن المعمر نے بھی امیر المومنین کی تائید کی اور کہا کہ پہلے ہم نے ان کو قرآن کی دعوت دی تو انہوں نے کچھ پرواہ نہ کی' لیکن جب ناکامی و نامرادی کا خوف ہوا تو اس مکاری کے ساتھ ہمیں دھوکہ دینا چاہتے ہیں' لیکن شامیوں کا جادو چل چکا تھا' اس لیے باوجود سعی و کوشش ایک جماعت نے نہایت سختی کے ساتھ اصرار کیا کہ قرآن کی دعوت کو رد نہ کرنا چاہیے اور دھمکی دی کہ اگر قرآن کے درمیان میں آنے کے بعد بھی جنگ بند نہ ہوگی تو وہ نہ صرف فوج سے کنارہ کش ہو جائے گی بلکہ خود جناب امیرؓ کا مقابلہ کرے گی معمر بن فدکی' زید بن حصین' سنبی اور ابن الکواء اس جماعت کے سرکردہ تھے' اسی طرح اشعث بن قیس نے عرض کی امیر المومنین! میں جس طرح کل آپ کا جانثار تھا' اسی طرح آج بھی ہوں۔ لیکن میری بھی یہی رائے ہے کہ قرآن مجید کو حکم مان لینا چاہیے''۔ غرض یہ چال ایسی کامیاب ہوئی کہ جناب مرتضیٰ کو مجبوراً اپنی فوج کو بازگشت کا حکم دینا پڑا۔ اشتر نخعی اس وقت نہایت کامیاب جنگ میں مصروف تھے اس لیے

marfat.com

واپسی کا حکم سن کر ان کو بڑا صدمہ ہوا اور فرودگاہ پر واپس جانے کے بعد ان میں اور مسعر بن فدکی اور ابن الکواء وغیرہ میں جنھوں نے التوائے جنگ پر مجبور کیا تھا نہایت تلخ گفتگو ہوئی اور قریب تھا کہ باہم کشت وخون کی نوبت پہنچ جائے لیکن جناب امیرؓ نے درمیان میں پڑ کر معاملہ کو رفت وگذشت کر دیا۔

التوائے جنگ کے بعد دونوں فریق میں خط وکتابت شروع ہوئی اور طرفین کے علماء فضلاء کا اجتماع ہوا اور بحث ومباحثہ کے بعد قرار پایا کہ خلافت کا مسئلہ دو حکم کے سپرد کر دیا جائے اور وہ جو کچھ فیصلہ کریں اس کو قطعی تصور کیا جائے۔ شامیوں نے اپنی طرف سے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کا نام پیش کیا۔ اہل عراق کی طرف سے اشعث بن قیس نے ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا نام لیا حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس سے اختلاف کیا اور حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کے بجائے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو تجویز کیا۔ لوگوں نے کہا عبداللہ بن عباس اور آپ تو ایک ہی ہیں، حاکم کو غیر جانبدار ہونا چاہیے اس لیے جناب امیرؓ نے دوسرا نام اشتر نخعی کا لیا۔ اشعث بن قیس نے برافروختہ ہو کر کہا ''جنگ کی آگ اشتر ہی نے بھڑکائی ہے اور ان کی رائے تھی کہ جب تک آخری نتیجہ نہ ظاہر ہو ہر فریق دوسرے سے لڑتا رہے اس وقت تک ہم اس کی رائے پر عمل کرتے رہے ظاہر ہے کہ جس کی رائے یہ ہے اس کا فیصلہ بھی یہی ہوگا۔ حضرت علیؓ نے جب دیکھا کہ لوگ ابوموسیٰؓ کے علاوہ اور کسی پر رضامند نہیں تو تحمل اور بردباری کے ساتھ فرمایا جس کو چاہو حاکم بناؤ مجھے بحث نہیں''۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ جنگ سے کنارہ کش ہو کر ملک شام کے ایک گاؤں میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ لوگوں نے قاصد بھیج کر ان کو بلایا اور دونوں فریق کے ارباب حل وعقد ایک عہد نامہ ترتیب دینے کے لیے مجتمع ہوئے۔ کاتب نے بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کے بعد لکھا **ھذا ما قاضی علیہ امیر المومنین**، امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا اگر میں علی کو امیر المومنین تسلیم کر لیتا تو پھر جھگڑا ہی کیا تھا، عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ صرف نام پر اکتفا کیا جائے۔ لیکن احنف ابن قیس اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دوسرے جانثاروں کو اس لقب کا محو ہونا نہایت شاق تھا۔ فدائے رسولؐ نے کہا خدا کی قسم یہ سنت کبریٰ ہے۔ صلح حدیبیہ

marfat.com

(ذوقعدہ ۶ ھ) رسول اللہ کے فقرے پر ایسا ہی اعتراض ہوا تھا اس لیے جس طرح حضور انور ﷺ نے اس کو اپنے دست مبارک سے مٹایا تھا' اسی طرح میں بھی اپنے ہاتھ سے مٹاتا ہوں غرض معاہدہ لکھا گیا اور دونوں طرف کے سر برآوردہ آدمیوں نے دستخط کر کے اس کو موثق کیا معاہدہ کا خلاصہ یہ ہے:

علی، معاویہ رضی اللہ عنہما اور ان دونوں کے طرف دار باہمی رضامندی کے ساتھ عہد کرتے ہیں کہ عبداللہ بن قیس (ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ) اور عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ قرآن پاک اور سنت نبویؐ کے مطابق جو فیصلہ کریں گے اس کے تسلیم کرنے میں ان کو پس و پیش نہ ہوگا' اس لیے دونوں حکم کے لیے نہایت ضروری ہے کہ وہ قرآن اور سنت نبوی کو نصب العین بنائیں اور کسی حالت میں اس سے انحراف نہ کریں' حکم کی جان اور ان کا مال محفوظ رہے گا اور ان کے حق فیصلہ کی تمام امت تائید کرے گی- ہاں اگر فیصلہ کتاب اللہ اور سنت نبویؐ کے خلاف ہوگا تو تسلیم نہیں کیا جائے گا اور فریقین کو اختیار ہوگا کہ پھر از سر نو جنگ کو اپنا حکم بنائیں-

خارجی فرقہ کی بنیاد:

معاہدہ تیرہویں صفر ۳۷ھ چہارشنبہ کے روز ترتیب پایا' اشعث بن قیس تمام قبائل کو اس معاہدہ سے مطلع کرنے پر مامور ہوئے- وہ سب کو سناتے ہوئے جب غزہ کے فرودگاہ پر پہنچے تو دو آدمیوں نے کھڑے ہو کر کہا کہ خدا کے سوا اور کسی کو فیصلہ کا حق نہیں اور غضب ناک ہو کر شامی فوج پر حملہ کر دیا اور لڑ کر مارے گئے اسی طرح قبیلہ مراد اور بنوراست اور بنوتمیم نے بھی اس کو ناپسند کیا- بنوتمیم کے ایک شخص غزوہ بن ادیہ نے اشعث سے سوال کیا کہ کیا تم لوگ اللہ کے دین میں آدمیوں کا فیصلہ قبول کرتے ہو؟ اگر ایسا ہے تو بتاؤ کہ ہمارے مقتول کہاں جائیں؟ اور غضب ناک ہو کر تلوار کا ایسا وار کیا کہ اگر خالی نہ جاتا تو اشعث کا کام ہی تمام ہو جاتا' بہت سے آدمیوں نے خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس معاہدہ کی نسبت اپنی بیزاری ظاہر کی- محرز بن خنیس نے عرض کی- امیر المومنین! اس معاہدہ سے رجوع کر لیجئے' واللہ میں ڈرتا ہوں کہ شاید آپ کا انجام برا نہ ہو- غرض ایک معتدبہ جماعت نے اس کو ناپسند کیا اور انجام کار اسی ناپسندیدگی نے ایک مستقل فرقہ کی بنیاد قائم کر دی جس کا ذکر

marfat.com

آگے آئے گا۔

تحکیم کا نتیجہ:

حضرت علی اور امیر معاویہ ؓ دومتہ الجندل کو جو عراق اور شام کے وسط میں تھا بالاتفاق حکمین کے لیے اجلاس کا مقام منتخب کیا اور ہر ایک نے اپنے اپنے حکم کے ساتھ چار چار سو آدمیوں کی جمعیت ساتھ کر دی حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کے ساتھ جو فوج گئی تھی اس کے افسر شریح بن ہانی اور مذہبی نگران حضرت عبداللہؓ بن عباس تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضرت سعدؓ بن وقاص اور حضرت مغیرہ بن شعبہ ؓ وغیرہ بھی جو اپنے ورع وتقویٰ کے باعث اس خانہ جنگی سے الگ رہے تھے تحکیم کی خبر سن کر اس کا آخری فیصلہ معلوم کرنے کے لیے دومتہ الجندل میں آئے۔ حضرت مغیرہ بن شعبہؓ نے جو نہایت نکتہ رس اور معاملہ فہم بزرگ تھے پہنچنے کے ساتھ انہوں نے ابوموسیٰ اشعریؓ اور عمروؓ بن العاص سے علیحدہ علیحدہ گفتگو کر کے ان کی رائے کا اندازہ کیا تو انہیں یقین ہو گیا کہ ان دونوں میں اتحاد رائے ممکن نہیں ہے چنانچہ انہوں نے اسی وقت اعلانیہ پیشین گوئی کی کہ اس تحکیم کا نتیجہ خوش آئند نہ ہو گا۔ بہر حال دونوں حکم حسب قرار داد گوشہ خلوت میں مجتمع ہوئے۔ عمروؓ بن العاص نے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو اپنا ہم خیال بنانے کے لیے ان کی غیر معمولی تعظیم وتوقیر شروع کی۔ تعریف و توصیف کے پل باندھ دیئے اصل مسئلہ کے متعلق جو گفتگو ہوئی اس کا خلاصہ یہ ہے:

ابوموسیٰ: عمروؓ! تم ایک ایسی رائے کے متعلق کیا خیال رکھتے ہو جس سے خدا کی خوشنودی اور قوم کی بہبودی دونوں میسر آئے؟

عمروؓ بن العاص: وہ کیا ہے؟

ابوموسیٰ: عبداللہ بن عمرؓ نے ان خانہ جنگیوں میں کسی طرح حصہ نہیں لیا ہے' ان کو منصب خلافت پر کیوں نہ متمکن کیا جائے۔

عمرو بن العاصؓ: معاویہؓ میں کیا خرابی ہے؟

ابوموسیٰ: معاویہؓ نہ تو اس منصب جلیل کے لیے موزوں ہیں اور نہ ان کو کسی طرح کا استحقاق ہے' ہاں اگر تم مجھ سے اتفاق کرو تو فاروق اعظمؓ کا عہد لوٹ آئے اور عبداللہ اپنے باپ کی یاد

marfat.com

پھر تازہ کر دیں۔

عمروؓ بن العاص: میرے لڑکے عبداللہ پر آپ کی نظر انتخاب کیوں نہیں پڑتی فضل و منقبت میں تو وہ بھی کچھ کم نہیں۔

ابو موسیٰ: بے شک تمہارا لڑکا صاحب فضل و منقبت ہے لیکن ان خانہ جنگیوں میں شریک کر کے تم نے ان کے دامن کو بھی ایک حد تک داغ دار کر دیا ہے' برخلاف اس کے طیب ابن طیب عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کا لباس تقویٰ ہر قسم کے دھبوں سے محفوظ ہے بس آؤ انہی کو مسند خلافت پر بٹھا دیں۔

عمروؓ بن العاص: ابو موسیٰؓ! اس منصب کی صلاحیت صرف اس میں ہو سکتی ہے جس کے دو داڑھ ہوں' ایک سے کھائے اور دوسرے سے کھلائے۔

ابو موسیٰ: عمروؓ! تمہارا برا ہو' کشت و خون کے بعد مسلمانوں نے ہمارا دامن پکڑا ہے اب ہم ان کو پھر فتنہ و فساد میں مبتلا نہیں کریں گے۔

عمرو بن العاصؓ: پھر آپ کی کیا رائے ہے؟

ابو موسیٰ: ہمارا خیال ہے کہ علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کر دیں اور مسلمانوں کی مجلس شوریٰ کو پھر سے اختیار دیں کہ جس کو چاہے منتخب کرے۔

عمرو بن العاصؓ: مجھے بھی اس سے اتفاق ہے۔

مذکورہ بالا قرار داد کے بعد جب دونوں ایک دوسرے سے جدا ہوئے تو عبداللہ ابن عباسؓ نے ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس جا کر کہا "خدا کی قسم! مجھے یقین ہے کہ عمرو رضی اللہ عنہ نے آپ کو دھوکہ دیا ہوگا' اگر کسی رائے پر اتفاق ہوا ہو تو آپ ہرگز اعلان میں سبقت نہ کیجئے گا' وہ نہایت غدار ہے' کیا عجب ہے کہ آپ کے بیان کی مخالفت کر بیٹھے"۔ ابو موسیٰ نے کہا کہ ہم لوگ ایسی رائے پر متحد ہوئے ہیں کہ اس میں اختلاف کی گنجائش ہی نہیں۔ غرض دوسرے روز مسجد میں مسلمانوں کا مجمع ہوا۔ حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ نے عمروؓ بن العاص سے فرمایا کہ وہ منبر پر چڑھ کر فیصلہ سنائیں انہوں نے عرض کی میں آپ پر سبقت نہیں کر سکتا آپ فضل و منقبت میں سن و سال میں غرض ہر حیثیت سے ہم سے افضل اور ہمارے بزرگ ہیں"۔

marfat.com

حضرت ابوموسیٰؓ پر عمرو بن العاصؓ کا جادو چل گیا۔ چنانچہ آپ بغیر پس و پیش کے کھڑے ہو گئے اور حمد و ثناء کے بعد کہا "صاحبو! ہم نے علیؓ اور معاویہؓ دونوں کو معزول کیا اور پھر نئے سرے سے مجلس شوریٰ کو انتخاب کا حق دیا وہ جس کو چاہے امیر بنائے" ابوموسیٰؓ اپنا فیصلہ سنا کر منبر پر سے اترے تو عمروؓ بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا "صاحبو! علیؓ کو جیسا کہ ابوموسیٰ نے معزول کیا میں بھی معزول کرتا ہوں لیکن معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس منصب پر قائم رکھتا ہوں' کیونکہ وہ امیر المومنین عثمان رضی اللہ عنہ کے ولی اور خلافت کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بہت نیک دل اور سادہ دل بزرگ تھے اس خلاف بیانی سے ششدر رہ گئے۔ چلا کر کہنے لگے' یہ کیا غداری ہے' یہ کیا بے ایمانی ہے' سچ یہ ہے کہ تمہاری حالت بالکل اس کتے کی طرح ہے جس پر لادو جب بھی ہانپتا ہے اور چھوڑ دو تو بھی ہانپتا ہے۔ **انما مثلک کمثل الکلب ان تحمل علیه یلهث او تترکه یلهث** ۔عمرو بن العاصؓ نے کہا اور آپ پر چار پائے بروکتابے چند کی مثل صادق آتی ہے۔ **مثلک کمثل الحمار یحمل اسفارا** ۔عمروؓ بن العاص کے بیان سے مجمع میں سخت برہمی پیدا ہو گئی شریح بن ہانی نے عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو کوڑے سے مارنا شروع کیا اس طرف سے ان کے ایک لڑکے نے شریح پر حملہ کر دیا لیکن بات بڑھنے نہیں پائی اور لوگوں نے بیچ بچاؤ کر کے رفت و گذشت کر دیا حضرت ابوموسیٰ کو اس قدر ندامت ہوئی کہ اسی وقت مکہ روانہ ہو گئے اور تمام عمر گوشہ نشین رہے۔

خوارج کی سرکشی:

پہلے گذر چکا ہے کہ تحکیم کو حضرت علیؓ کے اعوان و انصار میں سے معتدبہ جماعت نے ناپسند کیا تھا چنانچہ جب آپ صفین سے کوفہ تشریف لائے تو اس نے اپنی ناپسندیدگی کا ثبوت اس طرح دیا کہ تقریباً بارہ ہزار آدمیوں نے لشکر حیدری سے کنارہ کش ہو کر حرورا میں اقامت اختیار کی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو سمجھانے کے لیے بھیجا' انہیں ناکامی ہوئی تو خود تشریف لے گئے اور مناظرہ و مباحثہ کے بعد راضی کر کے سب کو کوفہ لے آئے۔ یہاں یہ افواہ پھیل گئی کہ جناب امیرؓ نے ان کی خاطر داری کے لیے تحکیم کو کفر تسلیم کر

marfat.com

کے اس سے توبہ کی ہے۔ حضرت علیؓ کے کان میں اس کی بھنک پہنچی تو آپ نے خطبہ دے کر اس کی تکذیب کی اور فرمایا کہ پہلے ان ہی لوگوں نے جنگ ملتوی کرنے پر مجبور کیا' پھر تحکیم پر ناپسندیدگی ظاہر کی اور اب چاہتے ہیں کہ عہد شکنی کر کے قبل از فیصلہ پھر جنگ شروع کر دوں۔ خدا کی قسم! یہ نہیں ہوسکتا۔ حاضرین میں اس جماعت کے لوگ بھی موجود تھے ہو سب ایک ساتھ چلا اٹھے لاحکم الا اللہ یعنی فیصلہ کا حق صرف اللہ کو ہے اور ایک شخص نے سامنے آ کر نہایت بلند آہنگی سے کہا:

﴿وَلَقَدْ اُوْحِیَ اِلَیْکَ وَ اِلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکَ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَ لَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخَاسِرِیْنَ﴾ (زمر: ٦٥)

''اے محمد تم اور تمہارے قبل انبیاء پر یہ وحی بھیجی گئی کہ اگر تم نے خدا کی ذات میں دوسرے کو شریک بنایا تو تمہارے سب اعمال بیکار ہو جائیں گے اور تم خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گے''۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے برجستہ جواب دیا:

﴿فَاصْبِرْ اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ وَّ لَا یَسْتَخِفَّنَّکَ الَّذِیْنَ لَا یُوْقِنُوْنَ﴾ (روم: ٦٠)

''تو صبر کر خدا کا وعدہ حق ہے اور جو لوگ یقین نہیں رکھتے وہ تیرا استخفاف نہ کریں''۔

غرض رفتہ رفتہ اس جماعت نے ایک مستقل فرقہ کی صورت اختیار کر لی دومتہ الجندل کی تحکیم کا افسوس ناک نتیجہ ملک میں شائع ہوا تو اس فرقہ نے جناب مرتضیٰ کی بیعت توڑ کر عبداللہ بن وہب الراسبی کے ہاتھ پر بیعت کی اور کوفہ' بصرہ' انبار اور مدائن وغیرہ میں جس قدر اس فرقہ کے لوگ موجود تھے وہ سب نہروان میں جمع ہوئے اور عام طور پر قتل و غارت گری کا بازار گرم کر دیا۔

خارجیوں کا عقیدہ تھا کہ معاملات دین میں سرے سے حکم مقرر کرنا کفر ہے پھر ان دونوں حکم نے جس طریقہ پر اس کا فیصلہ کیا اس کے لحاظ سے خود وہ دونوں اور ان کے انتخاب کرنے والے کافر ہیں اور اس عقیدہ سے جس کو اتفاق نہ ہو اس کا خون مباح ہے چنانچہ انہوں نے عبداللہ بن خباب اور ان کی اہلیہ کو نہایت بے دردی سے قتل کر دیا اسی طرح ام سنان اور صیداویہ کو مشق ستم بنایا اور جو انہیں ملا اس کو یا تو اپنا ہم خیال بنا کر چھوڑا یا تلوار کے

marfat.com

گھاٹ اتار دیا- حضرت علی ؓ کو ان جگر خراش واقعات کی اطلاع ہوئی تو حارث بن مرہ کو دریافت حال کے لیے بھیجا- خارجیوں نے ان کا بھی کام تمام کر دیا-

جناب مرتضیٰ اس وقت نئے سرے سے شام پر فوج کشی کی تیاری فرما رہے تھے-لیکن جب خارجیوں کی سرکشی اور قتل و غارت اس حد تک پہنچ گئی تو اس ارادہ کو ملتوی کر کے ان خارجیوں کی تنبیہ کے لیے نہروان کا قصد کرنا پڑا-

معرکہ نہروان:

نہروان پہنچ کر حضرت ابو ایوب انصاری ؓ اور قیس بن سعد بن عبادہ ؓ کو خارجیوں کے پاس بھیجا کہ وہ بحث و مباحثہ کر کے ان کو ان کی غلطی پر متنبہ کریں۔ جب ان دونوں کو ناکامی ہوئی تو خارجیوں کے ایک سردار ابن الکواء کو بلا کر خود ہر طرح سمجھایا' لیکن ان کے قلوب تاریک ہو چکے تھے اس لیے ارشاد و ہدایت کے تمام مساعی ناکام رہے اور جناب امیرؓ نے مجبور ہو کر فوج کو تیاری کا حکم دیا- میمنہ پر حجر بن عدی میسرہ پر شبث بن ربعیؓ پیادہ پر حضرت ابو قتادہ ؓ انصاری اور سواروں پر حضرت ابو ایوب ؓ کو متعین کر کے باقاعدہ صف آرائی کی-

خارجیوں میں ایک جماعت ایسی تھی جس کو حیدر کرارؓ سے جنگ آزما ہونے میں پس و پیش تھا' اس لیے جب لڑائی شروع ہوئی تو تقریباً ۵ سو آدمیوں نے الگ ہو کر بندنجین کی راہ لی' ایک بڑا گروہ کوفہ چلا گیا اور ایک ہزار آدمیوں نے توبہ کر کے علم حیدری کے نیچے پناہ لی اور عبداللہ بن وہب الراسبی کے ساتھ صرف چار ہزار خارجی باقی رہ گئے' لیکن یہ سب منتخب اور جانباز تھے اس لیے انہوں نے میمنہ اور میسرہ پر اس زور کا حملہ کر دیا کہ اگر جاں نثاران علیؓ میں غیر معمولی ثبات و استقلال نہ ہوتا تو ان کا روکنا سخت مشکل تھا- خارجیوں کی حالت یہ تھی کہ ان کے اعضاء کٹ کٹ کر جسم سے علیحدہ ہو جاتے تھے لیکن ان کی حملہ آوری میں فرق نہیں آتا تھا' شریح بن ابی اوفی کا ایک پاؤں کٹ گیا تو تنہا ایک ہی پاؤں پر کھڑا ہو کر لڑتا رہا- اسی طرح خارجی ایک ایک کر کے کٹ کر مر گئے- جنگ ختم ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے خارجی مقتولین میں اس شخص کو تلاش کرنا شروع کیا جس کے متعلق رسول اللہ ﷺ نے پیشین گوئی

maarfat.com

فرمائی تھی۔ چنانچہ تمام علامات کے ساتھ ایک لاش برآمد ہوئی تو فرمایا اللہ اکبر! خدا کی قسم! رسول اللہ ﷺ نے کس قدر صحیح ارشاد فرمایا تھا''۔

جنگ نہروان سے فارغ ہونے کے بعد حضرت علیؓ نے شام کی طرف کوچ کرنے کا حکم دیا۔ لیکن اشعث بن قیس نے کہا ''امیر المؤمنین! ہمارے ترکش خالی ہو گئے ہیں' تلواروں کی دھاریں مڑ گئی ہیں' نیزوں کے پھل خراب ہو گئے ہیں' اس لیے ہم کو دشمن پر فوج کشی کرنے سے پہلے اسباب و سامان درست کر لینا چاہیے''۔ جناب امیرؓ نے اشعث کی رائے کے مطابق نخیلہ میں پڑاؤ کر کے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا۔ لیکن لوگ تیار ہونے کے بجائے آہستہ آہستہ دس دس بیس بیس کوفہ کھسکنے لگے' یہاں تک کہ آخر میں کل ایک ہزار کی جمعیت ساتھ رہ گئی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ رنگ دیکھا تو سر دست شام پر فوج کشی کا ارادہ ترک کر دیا اور کوفہ واپس جا کر اقامت اختیار کی۔

مصر کے لیے کشمکش:

پہلے گذر چکا ہے کہ جناب مرتضیٰ نے مسند خلافت پر متمکن ہونے کے ساتھ عہد عثمانی کے تمام عمال کو معزول کر کے نئے عمال مقرر کیے تھے چنانچہ مصر کی ولایت حضرت قیسؓ بن سعد انصاری کے سپرد ہوئی تھی۔ انہوں نے حکمت عملی سے تقریباً تمام اہل مصر کو جناب امیرؓ کی خلافت پر راضی کر کے ان سے آپ کی بیعت لے لی صرف قصبہ خرتبا کے لوگوں کو تامل ہوا اور انہوں نے کہا جب تک معاملات یکسو نہ ہو جائیں اس وقت تک ان سے بیعت کے لیے اصرار نہ کیا جائے۔ البتہ والی مصر کی اطاعت و فرمان برداری میں کوتاہی نہ کریں گے اور نہ ملک کے امن و سکون کو صدمہ پہنچائیں گے۔ قیس بن سعد نہایت پختہ کار اور صاحب تدبیر تھے' انہوں نے اس بھڑ کے چھتے کو چھیڑنا خلاف مصلحت سمجھا اور انہیں امن و سکون کی زندگی بسر کرنے کی اجازت دے دی۔ اس رواداری کا نتیجہ یہ ہوا کہ اہل خرتبا مطیع و فرماں بردار ہو گئے اور خراج وغیرہ ادا کرنے میں انہوں نے کبھی کوئی جھگڑا نہیں کیا۔

جنگ صفین کی تیاریاں شروع ہوئیں تو امیر معاویہؓ کو خوف ہوا کہ اگر وہ دوسری طرف سے قیس بن سعد اہل مصر کو لے کر شام پر چڑھ آئے تو بڑی دقت کا سامنا ہوگا اس لیے انہوں

marfat.com

نے قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کو خط لکھ کر اپنا طرف دار بنانا چاہا- قیسؓ بن سعد نے دنیا سازی کے طور پر نہایت گول جواب دے کر ٹال دیا- امیر معاویہؓ فوراً اس کو تاڑ گئے اور ان کو لکھا کہ تم مجھے دھوکہ دینا چاہتے ہو مجھ جیسا شخص کبھی تمہارے دام فریب کا شکار نہیں ہو سکتا افسوس! تم اس کو فریب دیتے ہو جس کا ادنیٰ سا اشارہ مصر کو پامال کر سکتا ہے- قیسؓ بن سعد نے اس تحریر کا جواب نہایت سخت دیا اور لکھا کہ تمہاری دھمکی سے نہیں ڈرتا' خدا نے چاہا تو خود تمہیں اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے-

حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ نہایت بلند پایہ اور ذی اثر بزرگ تھے' رسول مقبول ﷺ کے ساتھ اکثر غزوات میں انصار کے علم بردار رہے تھے- امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ ان کے مقابلہ میں کچھ پیش نہ جائے گی تو انہوں نے ان کے مصر سے ہٹانے کی تدبیر کی ان کے متعلق مشہور کر دیا کہ قیسؓ بن سعد میرے طرف دار ہیں- رفتہ رفتہ یہ افواہ دربار خلافت پہنچی' محمد بن ابی بکرؓ وغیرہ نے اس کو اور بھی بڑھا چڑھا کر بیان کیا اور اہل خرتبا کے بیعت نہ کرنے کا واقعہ ثبوت میں پیش کیا-

جناب امیرؓ نے اس افواہ سے متاثر ہو کر قیسؓ بن سعد کو خرتبا والوں سے بیعت کے لیے لڑنے کا حکم دیا- انہوں نے جواب دیا کہ خرتبا تقریباً دس ہزار نفوس کی آبادی ہے- اس میں بسر بن ارطاۃ' مسلمہ بن مخلد اور معاویہ بن خدیج جیسے جنگ آزما بہادر موجود ہیں' ان سے لڑائی خریدنا مصلحت نہیں ہے جب دربار خلافت سے مکرر اصرار ہوا تو انہوں نے استعفاء دے دیا- قیس کی جگہ محمد بن ابی بکرؓ والی مصر مقرر ہوئے یہ کمسن نا تجربہ کار تھے' ان کے طرز عمل نے مصر میں شورش و بے چینی کی آگ بھڑکا دی اور انہوں نے خرتبا والوں سے چھیڑ کر کے ان کو آمادہ پرخاش کر دیا- حضرت علیؓ کو ان حالات کی اطلاع ہوئی تو انہوں نے معرکہ صفین کے بعد اشتر نخعی کو مصر روانہ کیا کہ وہ محمد بن ابی بکرؓ کو سبکدوش کر کے ملک کے حالات درست کریں لیکن امیر معاویہؓ نے راستے میں زہر دلا کر اشتر نخعی کا کام تمام کرا دیا اور عمرو بن العاصؓ کے ماتحت ایک زبردست مہم مصر روانہ کی- محمد بن ابی بکرؓ کے لیے اس فوج کا مقابلہ نہایت دشوار تھا تاہم دو ہزار کی جمعیت فراہم کرا کے وہ اس جانبازی سے لڑے کہ عمرو بن العاصؓ کو معاویہؓ بن

marfat.com

خدیج رئیس خرتبا کی مدد طلب کرنا پڑی۔ لیکن اس دوران میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ایک بڑی جمعیت کے ساتھ آ کر پیچھے سے گھیر لیا اور محمد بن ابی بکرؓ کے ساتھی یا تو مارے گئے یا جان بچا کر بھاگ کھڑے ہوئے۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ نے بھی ایک ویران کھنڈر میں پناہ لی لیکن عمرو بن العاصؓ کے جاسوسوں نے ڈھونڈ نکالا اور معاویہ بن خدیج نے نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر کے لاش کو ایک مردہ گدھے کے پیٹ میں ڈال کر جلا دیا۔ اس افسوسناک طریقہ پر ۳۸ھ میں مصر کی قسمت کا فیصلہ ہو گیا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ اپنی مجبوریوں کے باعث محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ کی کوئی مدد نہ کر سکے۔

اسی سال یعنی ۳۸ھ میں امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے اہل بصرہ کو جناب مرتضیٰؓ کی اطاعت سے برگشتہ کر کے اپنی حکومت کا طرف دار بنانے کے لیے عبداللہ بن حضرمی کو بصرہ بھیجا۔ عبداللہ کو اس مہم میں بڑی کامیابی ہوئی۔ قبیلہ بنو تمیم اور تقریباً تمام اہل بصرہ نے اس دعوت کو لبیک کہا' اور حضرت علیؓ کے عامل زیاد کو بصرہ چھوڑ کر حدان میں پناہ گزین ہونا پڑا۔ بارگاہ خلافت کو اس کی اطلاع ہوئی تو حضرت علیؓ نے عین بن ضبیعہ کو ابن حضرمی کی ریشہ دوانیوں کے انسداد پر مامور کیا لیکن قبل اس کے کہ انہیں کامیابی ہو' امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ہوا خواہوں نے ناگہانی طور پر قتل کر دیا۔ عین بن ضبیعہ کے بعد جناب امیر نے جاریہ بن قدامہ کو ابن حضرمی کی سرکوبی پر مامور کیا انہوں نے نہایت حکمت عملی کے ساتھ بصرہ پہنچ کر ابن حضرمی اور اس کے ساتھیوں کو گھیر لیا اور ان کی پناہ گاہ کو نذر آتش کر کے خاک سیاہ کر دیا اور اہل بصرہ نے دوبارہ اطاعت قبول کر لی۔ امیر المومنین کے ترحم نے عفو عام کا اعلان کیا۔

بغاوتوں کا استیصال:

جنگ نہروان میں گو خارجیوں کا زور ٹوٹ چکا تھا تاہم ان کی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں ملک میں موجود تھیں اور اپنی ریشہ دوانیوں سے روز ایک نہ ایک فتنہ برپا کرتی رہتی تھیں چنانچہ ایک خارجی خریت بن راشد کا صرف یہ کام تھا کہ وہ مجوسیوں' مرتدوں اور نومسلموں کو اپنے دام تزویز میں پھنسا کر ملک میں ہر طرف لوٹ مار کرتا پھرتا تھا اور ہر جگہ ذمیوں کو بھڑکا کر بغاوت کرا دیتا تھا۔ حضرت علیؓ نے زیاد بن حفصہ اور ایک روایت کے مطابق

marfat.com

معقل بن قیس کو جب رامہرمز سے روانہ ہوئے تو ان لوگوں نے دور تک مشایعت کی۔ ایرانی مردوں اور عورتوں نے خدا حافظ کہا اور ان کی جدائی پر بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا جارحانہ طریق عمل:

جنگ صفین کے التواء اور مسئلہ تحکیم نے ایک طرف تو حضرت علیؓ کی جماعت میں تفریق واختلاف ڈال کر خارجیوں کو پیدا کر دیا اور دوسری طرف اس سے بھی بڑھ کر یہ ہوا کہ آپ کے مخصوص ہمدموں اور جانثاروں کے عزم وارادے بھی پست ہو گئے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ پھر وہ جنگ سے پہلوتہی کرنے لگے۔ جناب امیرؓ نے بارہا شام پر چڑھائی کا قصد کیا۔ پر جوش خطبوں سے اپنے ساتھیوں کو حمایت حق کی دعوت دی اور طعن آمیز جملوں سے ان کی رگ غیرت کو جوش میں لانے کی کوشش کی لیکن شیعان علیؓ کے دل ایسے پژمردہ ہو گئے تھے اور ان کی ہمتیں ایسی پست ہو چکی تھیں کہ پھر وہ کسی طرح آمادہ نہ ہوئے اس سلسلے کے جو خطبے حضرت علیؓ کی طرف منسوب اور نہج البلاغہ میں موجود ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کو اپنے حامیوں اور طرف داروں کی اس سرد مہری کا کتنا صدمہ تھا' امیر معاویہؓ اس حقیقت حال سے ناواقف نہ تھے۔ انہوں نے شیعان علیؓ کی پست ہمتی سے فائدہ اٹھا کر مدافعت کی بجائے اب جارحانہ قدم اٹھایا اور ۳۹ھ میں فوج کے چھوٹے چھوٹے دستے حجاز' عراق اور جزیرہ میں پھیلا دیئے کہ وہ بدامنی پھیلا کر جناب مرتضٰی کی پریشانیوں میں اضافہ کریں۔ چنانچہ نعمان بن بشر نے دو ہزار کی جمعیت سے عین التمر پر' سفیان بن عوف نے چھ ہزار کی فوج سے انبار اور مدائن وغیرہ پر' عبداللہ بن مسعدہ فزاری نے ایک ہزار سات سو آدمیوں سے تیماپر' ضحاک بن قیس نے واقصہ کے نشیبی حصہ پر اور امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے دجلہ کے ساحلی علاقوں پر حملہ کر کے بیت المال لوٹ لیا اور شیعان علی رضی اللہ عنہ کو تہ تیغ کر کے لوگوں کو اپنی حکومت کے سامنے گردن اطاعت خم کرنے پر مجبور کر دیا۔

کرمان وفارس کی بغاوتوں کو فرو کرنا:

حیدر کرار کی ہمت مردانہ نے گو بہت جلد امیر معاویہؓ کے حملہ آور دستوں کو ممالک

maarfat.com

مقبوضہ سے نکال دیا' تاہم اس سے ایک عام بدامنی اور بے رُعبی پیدا ہو گئی۔ کرمان و فارس کے عجمیوں نے بغاوت کر کے خراج دینے سے انکار کر دیا۔ اکثر صوبوں نے اپنے یہاں کے علوی نکال دیئے اور ذمیوں نے خودسری اختیار کر لی۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس عام بغاوت کے فرو کرنے کے متعلق مشورہ طلب کیا' لوگوں نے عرض کی' زیاد بن ابیہ سے زیادہ اس کام کے لیے کوئی شخص موزوں نہیں ہو سکتا' اس لیے زیاد اس مہم پر مامور ہوئے۔ انہوں نے بہت جلد کرمان' فارس اور تمام ایران میں بغاوت کی آگ فرو کر کے امن و سکون پیدا کر دیا۔ بغاوت فرو ہونے کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایرانی باغیوں کے ساتھ اس لطف و مدارت کا سلوک کیا کہ ایران کا بچہ بچہ منت پذیری کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ ایرانیوں کا خیال تھا کہ امیر المومنین علیؓ بن ابی طالب کے طریق جہانبانی نے نوشیروانی طرز حکومت کی یاد بھلا دی۔

فتوحات:

گذشتہ حالات سے یہ معلوم ہو گیا ہو گا کہ حضرت علیؓ مرتضیٰ کو اندرونی شورشوں اور خانگی جھگڑوں کے دبانے سے اتنی فرصت نہ مل سکی کہ وہ اسلام کے فتوحات کے دائرہ کو بڑھا سکتے۔ تاہم بیرونی امور سے غافل نہ رہے۔ چنانچہ سیستان اور کابل کی سمت میں بعض عرب خود مختار ہو گئے تھے' ان کو قابو میں کر کے آگے قدم بڑھایا۔[1] اور ۳۸ھ میں بعض مسلمانوں کو بحری راستہ سے ہندوستان پر حملہ کرنے کی اجازت دی۔ اس وقت کوکن بمبئی کا علاقہ سندھ میں شامل تھا۔ مسلمان رضا کار سپاہیوں نے سب سے پہلے اسی عہد میں کوکن پر حملہ کیا۔[2]

حجاز اور عرب کے قبضہ کے لیے کشمکش:

امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ۴۰ھ میں پھر از سر نو چھیڑ چھاڑ شروع کی اور بسر بن ابی ارطاۃ کو تین ہزار کی جمعیت کے ساتھ حجاز روانہ کیا۔ اس نے بغیر کسی مزاحمت و جنگ کے مکہ اور مدینہ پر قبضہ کر کے یہاں کے باشندوں سے زبردستی امیر معاویہؓ کے لیے بیعت لی۔ پھر وہاں سے یمن کی طرف بڑھا حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے پہلے سے پوشیدہ طور پر یمن کے عامل

[1] فتوح البلدان بلاذری باب سیستان و کابل۔ [2] ایضاً ذکر فتوح السند

marfat.com

عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کو بسر بن ابی ارطاۃ کے حملہ کی اطلاع کر دی اور یہ بھی لکھ دیا کہ جو لوگ معاویہؓ کی حکومت تسلیم کرنے میں لیت ولعل کرتے ہیں وہ ان کو نہایت بے دردی سے تہ تیغ کر دیتا ہے۔ عبیداللہؓ بن عباس نے اپنے کو اس مقابلہ سے عاجز دیکھ کر عبداللہ بن عبدالمدان کو اپنا قائم مقام بنایا اور خود دربار خلافت سے مدد طلب کرنے کے لیے کوفہ کی راہ لی۔ بسر بن ابی ارطاۃ نے یمن پہنچ کر نہایت بے دردی کے ساتھ عبیداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے دو صغیر السن بچوں اور شیعان علیؓ کی ایک بڑی جماعت کو قتل کر دیا۔

دوسری طرف شامی سواروں نے سرحد عراق پر ترکتاز شروع کر دی اور یہاں کی محافظ سپاہ کو شکست دے کر انبار پر قبضہ کر لیا۔ حضرت علیؓ کو بسر بن ابی ارطاۃ کے مظالم کا حال معلوم ہوا تو آپ نے جاریہ بن قدامہ اور وہب بن مسعود کو چار ہزار کی جمعیت کے ساتھ اس کی سرکوبی کے لیے یمن وحجاز کی مہم پر مامور کیا اور کوفہ کی جامع مسجد میں پر جوش خطبے دے کر لوگوں کو حدود عراق سے شامی فوج نکال دینے پر ابھارا' اور یہ تقریریں ایسی مؤثر تھیں کہ اہل کوفہ کے مردہ قلوب میں بھی فوری طور پر روح پیدا ہوگئی اور ہر گوشہ سے صدائے لبیک بلند ہوئی' لیکن جب کوچ کا وقت آیا تو صرف تین سو آدمی رہ گئے۔ جناب مرتضیٰ کو اہل کوفہ کی اس بے حسی پر نہایت صدمہ ہوا۔ حجر بن عدی اور سعیدؓ بن قیس ہمدانی نے عرض کی' امیر المومنین! بغیر تشدد کے لوگ راہ پر نہ آئیں گے۔ عام منادی کرا دیں کہ بلا استثناء ہر شخص کو میدان جنگ کی طرف چلنا پڑے گا اور جو اس میں تساہل یا اعراض سے کام لے گا اس کو سخت سزا دی جائے گی۔ اب صورت حال ایسی تھی کہ اس مشورہ پر عمل کرنے کے سوا چارہ نہ تھا اس لیے حضرت علیؓ نے اس کا اعلان عام کر دیا اور معقل کو رساتیق بھیجا کہ وہاں سے جس قدر بھی سپاہی مل سکیں جمع کر کے لے آئیں لیکن یہ تیاریاں ابھی حد تکمیل کو نہیں پہنچی تھیں کہ ابن ملجم کی زہر آلود تلوار نے جام شہادت پلا دیا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَ اِنَّآ اِلَیْهِ رَاجِعُوْنَ.

اس جانگداز واقعہ اور اندوہناک سانحہ کی تفصیل یہ ہے کہ واقعہ نہروان کے بعد چند خارجیوں نے حج کے موقع پر مجتمع ہو کر مسائل حاضرہ پر گفتگو شروع کی اور بحث ومباحثہ کے بعد بالاتفاق یہ رائے قرار پائی کہ جب تک تین آدمی علی، معاویہ اور عمرو بن العاص رضی اللہ

marfat.com

عنہم صفحۂ ہستی پر موجود ہیں دنیائے اسلام کو خانہ جنگیوں سے نجات نصیب نہیں ہوسکتی- چنانچہ تین آدمی ان تینوں کے قتل کرنے کے لیے تیار ہو گئے- عبدالرحمٰن بن ملجم نے کہا کہ میں علی رضی اللہ عنہ کے قتل کا ذمہ لیتا ہوں' اسی طرح نزال نے معاویہؓ اور عبداللہ نے عمروؓ بن العاص کے قتل کا بیڑہ اٹھایا اور تینوں اپنی اپنی مہم پر روانہ ہو گئے- کوفہ پہنچ کر ابن ملجم کے ارادہ کو قطام نامی ایک خوب صورت خارجی عورت نے اور زیادہ مستحکم کر دیا اس مہم میں کامیاب ہونے کے بعد اس سے شادی کا وعدہ کیا اور جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے خون کا مہر قرار دیا-

غرض رمضان ۴۰ھ میں تینوں نے ایک ہی روز صبح کے وقت تینوں بزرگوں پر حملہ کیا- امیر معاویہؓ اور عمروؓ بن العاص اتفاقی طور پر بچ گئے- امیر معاویہؓ پر وار اوچھا پڑا- عمروؓ بن العاص اس دن امامت کے لیے نہیں آئے تھے ایک اور شخص ان کا قائم مقام ہوا تھا وہ عمروؓ بن العاص کے دھوکہ میں مارا گیا- جناب مرتضیٰؓ کا پیمانہ حیات لبریز ہو چکا تھا آپ مسجد میں تشریف لائے اور ابن ملجم کو جو مسجد میں آ کر سو رہا تھا' جگایا' جب آپ نے نماز شروع کی اور سر سجدہ میں اور دل راز و نیاز الٰہی میں مصروف تھا کہ اسی حالت میں شقی ابن ملجم نے تلوار کا نہایت کاری وار کیا' سر پر زخم آیا اور ابن ملجم کو لوگوں نے گرفتار کر لیا[1] حضرت علیؓ اتنے سخت زخمی ہوئے تھے کہ زندگی کی کوئی امید نہ تھی اس لیے حضرت امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کو بلا کر نہایت مفید نصائح کیے اور محمد بن حنفیہ کے ساتھ لطف و مدارت کی تائید کی- جندب بن عبداللہ نے عرض کی امیر المؤمنین! آپ کے بعد ہم لوگ امام حسن کے ہاتھ پر بیعت کریں' فرمایا اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہنا چاہتا تم لوگ خود اس کو طے کرو- اس کے بعد مختلف وصیتیں کیں- قاتل کے متعلق فرمایا کہ معمولی طور پر قصاص لینا[2]

تلوار زہر میں بجھی ہوئی تھی اس لیے نہایت تیزی کے ساتھ اس کا اثر تمام جسم میں سرایت کر گیا اور اسی روز یعنی ۲۰ رمضان ۴۰ھ جمعہ کی رات کو یہ فضل و کمال اور رشد و ہدایت کا آفتاب ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا- حضرت امام حسنؓ نے خود اپنے ہاتھ سے تجہیز و تکفین کی- نماز جنازہ میں چار تکبیروں کی بجائے پانچ تکبیریں کہیں اور عزی' نام کوفہ کے ایک قبرستان میں سپرد خاک کیا-

---

1 طبری ص ۲۴۵۷' ۲۴۵۸ - 2 ایضاً ص ۲۴۶۱

marfat.com

کارنامے

حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی خلافت کا پورا زمانہ خانہ جنگی اور شورش کی نذر رہا اور اس پانچ سالہ مدت میں آپ کو ایک لمحہ بھی سکون و اطمینان کا نصیب نہ ہوا- اس لیے آپ کے زمانہ میں فتوحات کا دروازہ تقریباً بند ہو گیا- ملکی انتظام کی طرف بھی توجہ کرنے کی فرصت ان کو نہ مل سکی لیکن ان گوناگوں مشکلات کے باوجود جناب مرتضیٰؓ کی زندگی عظیم الشان کارناموں سے مملو ہے لیکن ان کارناموں سے نظر پڑنے سے پہلے یہ امر قابل غور ہے کہ خلافت مرتضوی میں اس قدر افتراق اختلاف اور شر و فساد کے اسباب کیا تھے؟ حضرت علیؓ نے کس تحمل، استقلال اور سلامت روی کے ساتھ ان کا مقابلہ کیا-

خلافتِ مرتضوی پر ایک نظر:

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد جناب مرتضیٰ نے جس وقت مسند خلافت پر قدم رکھا ہے اس وقت نہ صرف دارالخلافہ بلکہ تمام دنیائے اسلام پر آشوب تھی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی شہادت کوئی معمولی واقعہ نہ تھا، اس نے مسلمانوں کے جذبہ غیظ و غضب کو مشتعل کر دیا- یہاں تک کہ جو لوگ آپ کے طرز حکومت کو ناپسند کرتے تھے انہوں نے بھی مفسدین کی اس جسارت کو نفرت کی نگاہ سے دیکھا- چنانچہ حضرت زبیر، طلحہ رضی اللہ عنہما اور خود ام المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی حکومت سے شاکی ہونے کے باوجود قصاص کا علم بلند کیا-

دوسری طرف شام میں بنو امیہ امیر معاویہؓ کے زیر سیادت خلافت راشدہ کو اپنی سلطنت میں تبدیل کرنے کے خواب دیکھ رہے تھے، ان کے لیے اس سے زیادہ بہتر موقع کیا ہو سکتا تھا- چنانچہ امیر معاویہؓ نے بغیر کسی تامل کے ہر ممکن ذریعہ سے تمام شام میں خلیفہ ثالث کے انتقام کا جوش پیدا کر کے حضرت علیؓ کے خلاف ایک عظیم الشان قوت پیدا کر لی اور حسب

marfat.com

ذیل وجہ کو آڑ بنا کر میدان میں اترے:

۱- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مفسدین کے مقابلہ میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو مدد نہیں دی۔

۲- اپنی خلافت میں قاتلین عثمان رضی اللہ عنہ سے قصاص نہیں لیا۔

۳- محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنایا اور ان کو بڑے بڑے عہدے دیئے۔

یہ وجوہ تمام خانہ جنگیوں کی بناء قرار پائے' اس لیے غور کرنا چاہیے کہ اس میں کہاں تک صداقت ہے اور جناب مرتضیٰؓ کس حد تک اس میں معذور تھے۔ پہلا سبب یعنی مفسدین کے مقابلہ میں مدد نہ دینے کا الزام صرف حضرت علیؓ ہی پر نہیں بلکہ حضرت طلحہؓ، زبیرؓ، سعد وقاصؓ اور تمام اہل مدینہ پر عائد ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ کو یہ منظور ہی نہ تھا کہ ان کے عہد میں خانہ جنگی کی ابتداء ہو۔ چنانچہ انصار کرامؓ بنو امیہ اور دوسرے وابستگان خلافت نے جب اپنے کو جانثاری کے لیے پیش کیا تو حضرت عثمانؓ نے نہایت سختی کے ساتھ کشت وخون سے منع کر دیا۔

جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس باب میں جو کچھ کیا' ان کے لیے اس سے زیادہ ممکن نہ تھا' چنانچہ پہلی مرتبہ آپ ہی نے مفسدین کو راضی کر کے واپس کیا تھا لیکن جب دوسری مرتبہ وہ پھر لوٹے تو مروان کی غداری نے ان کی آتش غیظ وغضب کو اس قدر بھڑکا دیا تھا کہ کسی قسم کی سفارش کارگر نہیں ہو سکتی تھی۔ ام المومنین ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے محاصرہ کی حالت میں حضرت عثمانؓ کے پاس کھانے پینے کا کچھ سامان پہنچانا چاہا' تو مفسدین نے ان کا بھی پاس ولحاظ نہ کیا اور گستاخانہ مزاحمت کی اسی طرح حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سفارش کی کہ آب ودانہ کی بندش نہ کی جائے تو ان شوریدہ سروں نے نہایت سختی سے انکار کیا۔ جناب امیرؓ کو اس کا اس قدر صدمہ ہوا کہ عمامہ پھینک کر اسی وقت واپس چلے آئے[1] اور تمام معاملات سے قطع تعلق کر کے عزلت نشین ہو گئے۔ پھر یہ بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ محصور تھے تو دوسرے بڑے بڑے صحابہؓ بھی آزاد نہ تھے اور مفسدین نے ان لوگوں کی نقل وحرکت پر نہایت سخت نگرانی قائم کر دی تھی۔ چنانچہ ایک دفعہ حضرت امام حسنؓ نے اپنے پدر گرامی سے عرض کی کہ اگر آپ میری گذارش پر عمل کر کے محاصرہ کے وقت مدینہ چھوڑ دیتے تو مطالبہ قصاص کا جھگڑا آپ

[1] طبری ص ۳۸۰

marfat.com

کے سر نہ پڑتا- اس وقت جناب امیر نے یہی جواب دیا تھا کہ تمہیں کیا معلوم کہ میں اس وقت آزاد تھا یا مقید-[1]

البتہ قاتلوں کو سزا دینے کا الزام ایک حد تک لائق بحث ہے' اصل یہ ہے کہ اگر قاتل سے مراد وہ اشخاص ہیں جنہوں نے براہ راست قتل میں حصہ لیا تو بے شک انہیں کیفر کردار تک پہنچانا حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرض تھا- لیکن جیسا کہ پہلے گذر چکا ہے' پوری تفتیش و تحقیقات کے باوجود ان کا سراغ نہ ملا- اگر قاتل کا لفظ تمام محاصرہ کرنے والوں پر مشتمل ہے' جیسا کہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ وغیرہ کے مطالبہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک شخص کے قصاص میں ہزاروں آدمیوں کا خون نہیں بہایا جا سکتا تھا اور نہ شریعت اس کی اجازت دیتی تھی- اس بڑی جماعت میں بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور بہت سے صلحائے روزگار بھی شامل تھے- جن کا مطمع نظر صرف طلب اصلاح تھا' ان لوگوں کو قتل کر دینا یا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے خنجر انتقام کے نیچے دے دینا صریحاً ظلم تھا-

امر سوم یعنی محاصرہ کرنے والوں کو قوت بازو بنانے اور ان کو بڑے بڑے عہدے دینے کا الزام ایک حد تک صحیح ہے لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ اس میں مجبور تھے- اس وقت دنیائے اسلام میں تین فرقے پیدا ہو گئے تھے- شیعہ عثمانؓ، یعنی عثمانی فرقہ جو اعلانیہ جناب امیرؓ کا مخالف اور اپنی ایک مستقل سلطنت قائم کرنے کا خواب دیکھ رہا تھا- دوسرا گروہ اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کا تھا جو اگرچہ حضرت علیؓ کو برحق سمجھتا تھا' لیکن اپنے ورع و تقویٰ کے باعث خانہ جنگی میں حصہ لینا پسند نہیں کرتا تھا- چنانچہ جب حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مدینہ سے کوفہ کا قصد کیا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے چلنے کے لیے کہا تو بہت سے محتاط صحابہ رضی اللہ عنہم نے معذرت کی- حضرت سعد وقاصؓ نے کہا ''مجھے ایسی تلوار دیجئے جو مسلم و کافر میں امتیاز رکھے' میں صرف اسی صورت میں جانبازی کے لیے حاضر ہوں'' حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے کہا' خدا کے لیے مجھے ایک ناپسندیدہ فعل کے لیے مجبور نہ کیجئے- حضرت محمد ابن مسلمہؓ نے کہا کہ قبل اس کے کہ میری تلوار کسی کا خون گرائے اس زور سے اسے جبل احد پر ٹپک ماروں گا کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے گی-

---

[1] ابن اثیر ج ۳ ص ۱۸۱

marfat.com

حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نے عرض کی امیر المومنین! مجھے معاف کیجیے میں نے عہد کیا کہ کسی کلمہ گو کے خون سے اپنی تلوار رنگین نہ کروں گا۔ غرض یہ گروہ عملی اعانت سے قطعی کنارہ کش تھا۔ تیسرا گروہ شیعانِ علیؓ کا تھا جس میں ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی تھی جو یا تو خود محاصرہ میں شریک تھے یا وہ ان کے زیر اثر تھے۔ اس لیے جناب امیر خواہ مخواہ بے رخی کر کے اس بڑی جماعت کو قصداً اپنا دشمن نہیں بنا سکتے تھے تاہم آپ نے ان لوگوں کو مقرب خاص بنایا، جو درحقیقت اس کے اہل تھے۔ حضرت عمارؓ بن یاسر ایک بلند پایہ صحابی اور مقبول بارگاہِ نبوت تھے۔ محمد بن ابی بکر رضی اللہ عنہ خلیفہ اول کے صاحبزادے اور آغوش حیدر کے تربیت یافتہ تھے۔ اسی طرح اشتر نخعی ایک صالح نیک سیرت اور جاں نثار تابعی تھے۔

غرض اسباب وعلل جو بھی رہے ہوں اور ان کی حقیقت کچھ بھی ہو لیکن یہ واقعہ ہے کہ جناب مرتضیٰ کی مسند نشینی کے ساتھ ہی یکا یک دنیائے اسلام میں افتراق واختلاف کی آگ بھڑک اٹھی اور شیرازۂ ملی اس طرح بکھر گیا کہ جناب مرتضیٰؓ کی سعی اور جدوجہد کے باوجود پھر اوراق پریشاں کی شیرازہ بندی نہ ہو سکی اور روز بروز مشکلات میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور اسلام کے سررشتہ نظام میں فرقہ آرائی اور جماعت بندی کی ایسی گرہ پڑ گئی جو قیامت تک کسی کے ناخن تدبیر سے حل نہیں ہو سکتی۔

اس میں شک نہیں ہے کہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے جب عنان خلافت ہاتھ میں لی تھی تو اس وقت دنیائے اسلام نہایت پر آشوب تھے لیکن دونوں حالتوں میں بین فرق ہے۔ صدیق اکبرؓ کے سامنے گو مصائب کا طوفان امنڈ رہا تھا، لیکن یہ کفر وارتداد اور اسلام کا مقابلہ تھا، اس لیے سارے مسلمان اس کے مقابلہ میں متحد تھے۔ کل صحابہ ان کے معین و مددگار تھے، پھر خود حریف طاقتوں میں ہوا و ہوس اور باطل پرستی کی وجہ سے کوئی استقلال نہ تھا اس لیے ان کو زیر کر لینا نسبتاً آسان تھا۔ اس کے برخلاف جناب امیر رضی اللہ عنہ کے مقابلہ میں جو لوگ تھے وہ نہ صرف مسلمان تھے بلکہ ان میں آنحضرت ﷺ کی محبوب حرم حضرت عائشہؓ صدیقہ، آپ کے پھوپھی زاد اور ہم زلف وحواری رسول حضرت زبیر بن العوامؓ مبشر بالجنۃ صحابی اور غزوہ احد کے ہیرو جن کا آنحضرتؐ کی حفاظت میں سارا بدن چھلنی ہو گیا تھا اور اس صلہ میں انہیں

marfat.com

بارگاہ نبوت سے خیر کا لقب ملا تھا- جیسے اکابر امت تھے- ان کے علاوہ امیر معاویہ رضی اللہ عنہ والی شام جیسے مدبر تھے جنہیں آنحضرت ﷺ سے قرابت داری کا بھی شرف حاصل تھا اور عمرؓو بن العاص فاتح مصر جیسے سیاستدان تھے جن کی اسلام میں بڑی خدمات تھیں اور ان میں سے ہر ایک اپنے کو برسر حق سمجھتا تھا- ساتھ ہی ان کو ایسے جاں نثار و فا شعار ملے تھے جن کی مثالیں شیعان علی رضی اللہ عنہ میں کم تھیں اس لیے ان کے مقابلہ میں حضرت علیؓ کا عہدہ برآ ہونا بہت دشوار تھا-

حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سیاسی ناکامی کا ایک بڑا سبب یہ بھی تھا کہ وہ جس زہد و اتقاء دینداری امانت' عدل و انصاف کے ساتھ حکومت کرنا چاہتے تھے اور لوگوں کو جس راستہ پر لے جانا چاہتے تھے زمانہ کے تغیر اور حالات کے انقلاب سے لوگوں کے قلوب میں اس کی صلاحیت باقی نہیں رہ گئی تھی' ایک طرف امیر معاویہؓ اپنے طرف داروں کے لیے بیت المال کا خزانہ لٹا رہے تھے دوسری طرف حضرت علیؓ ایک ایک خرمہرہ کا حساب لیتے تھے- یہی سبب تھا کہ حضرت علیؓ کے طرف دار اور ان کے بعض اعزہ تنگ دل برداشتہ ہو کر ان سے جدا ہو گئے تھے لیکن بہر حال حق حق ہے اور باطل باطل' باطل کے مقابلہ میں حق کی شکست سے اس کی عظمت میں فرق نہیں آتا- اگر حضرت علیؓ ایسا نہ کرتے تو اور سیاسی حیثیت سے وہ کامیاب بھی ہو جاتے تو زہد و تقویٰ اور دیانت و امانت کی حیثیت میں وہ ناکام ہی ٹھہرتے- ان کی سیاسی ناکامی کا دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ ان کے طرف داروں اور حامیوں میں پورا اتحاد خیال اور کامل خلوص نہ تھا- اس جماعت میں ایک بڑا طبقہ عبداللہ بن سبا کے پیروؤں کا تھا جس کا عقیدہ تھا کہ جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کے وصی ہیں- پھر اس خیال نے یہاں تک ترقی کی کہ سبائی فرقہ کے لوگ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو انسان سے بالاتر ہستی بلکہ بعض خدا تک کہنے لگے- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ان لوگوں کو عبرت انگیز سزائیں دیں' لیکن جو وباء پھیل چکی تھی اس کا دور کرنا آسان نہ تھا- اس فرقہ نے مذہب کے علاوہ سیاسی حیثیت سے بھی مسلمانوں کو بڑا نقصان پہنچایا- واقعہ جمل میں ممکن تھا کہ صلح ہو جاتی لیکن اسی جماعت نے پیش دستی کر کے جنگ شروع کر دی-...

marfat.com

دوسری جماعت قراء اور حفاظ قرآن کی تھی جو ہر معاملہ میں قرآن پاک کی لفظی پابندی چاہتی تھی۔ معنی اور مفہوم سے اس کو چنداں سروکار نہ تھا۔ چنانچہ واقعہ تحکیم کے بعد یہی جماعت خارجی فرقہ کی صورت میں ظاہر ہوئی۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے حاشیہ نشینوں میں کچھ لوگ ایسے بھی تھے جو درحقیقت جاں نثار و وفا شعار تھے لیکن معرکہ صفین میں کامل جدوجہد کے بعد درمقصود تک پہنچ کر غنیم کی چال سے محروم واپس آنا نہایت ہمت شکن واقعہ تھا' اس نے تمام جانثاروں کے حوصلے اور ارادے پست کر دیئے تھے۔ غرض ان تمام مشکلات اور مجبوریوں کے باوجود جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے غیر معمولی ہمت و استقلال اور عدیم النظیر عزم و ثبات کے ساتھ آخری لمحہ حیات تک ان مشکلات و مصائب کا مقابلہ کر کے دنیا کے سامنے بے نظیر تحمل و سلامت روی کا نمونہ پیش کیا اور اپنی ناکامی کے اسباب کا مشاہدہ کرنے کے باوجود دیانت داری اور شریعت سے سر موتجاوز کرنا پسند نہ فرمایا۔ اگر آپ تھوڑی سی دنیاداری سے کام لیتے تو کامیاب ہو جاتے لیکن دین ضائع ہو جاتا جس کا بچانا ایک خلیفہ راشد اور جانشین رسول اللہ ﷺ کا سب سے پہلا معرکہ اصلی فرض تھا۔

ملکی نظم و نسق:

حضرت علی کرم اللہ وجہہ انتظام مملکت میں حضرت عمرؓ کے نقش قدم پر چلنا چاہتے تھے اور اس زمانہ کے انتظامات میں کسی قسم کا تغیر کرنا پسند نہیں فرماتے تھے۔ ایک دفعہ نجران کے یہودیوں نے (جن کو فاروق اعظمؓ نے حجاز سے جلاوطن کر کے نجران میں آباد کرایا تھا) نہایت لجاجت کے ساتھ درخواست کی کہ ان کو پھر اپنے قدیم وطن میں واپس آنے کی اجازت دی جائے۔ حضرت علیؓ نے صاف انکار کر دیا اور فرمایا کہ عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے زیادہ کون صحیح الرائے ہو سکتا ہے؟ [1]

---

[1] کتاب الخراج قاضی ابو یوسف و مصنف ابن ابی شیبہ کتاب الغزوات

marfat.com

عمال کی نگرانی:

ملکی نظم و نسق کے سلسلہ میں سب سے اہم کام عمال کی نگرانی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کا خاص اہتمام مدنظر رکھا، وہ جب کسی عامل کو مقرر کرتے تھے تو اس کو نہایت مفید اور گراں بہا نصائح کرتے تھے۔[1] وقتاً فوقتاً عمال و حکام کے طرز عمل کی تحقیقات کرتے تھے، چنانچہ ایک مرتبہ جب حضرت کعب رضی اللہ عنہ بن مالک کو اس خدمت پر مامور کیا تو یہ ہدایت فرمائی:

اخرج فی طائفة من اصحابک حتی تمر بارض السواد کورة فتسالهم عن عمالهم و تنظر فی سیرتهم.[2]

''تم اپنے ساتھیوں کا ایک گروہ لے کر روانہ ہو جاؤ اور عراق کے ہر ضلع میں پھر کر عمال کی تحقیقات کرو اور ان کی روش پر غائر نظر ڈالو''۔

عمال کے اسراف اور مالیات میں ان کی بدعنوانیوں کی سختی سے باز پرس فرماتے تھے۔ ایک دفعہ اردشیر کے عامل مصقلہ نے بیت المال سے قرض لے کر پانچ سو لونڈی اور غلام خرید کر آزاد کیے۔ کچھ دنوں کے بعد حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سختی کے ساتھ اس رقم کا مطالبہ کیا۔ مصقلہ نے کہا خدا کی قسم! عثمان رضی اللہ عنہ کے نزدیک اتنی رقم کا چھوڑ دینا کوئی بات نہ تھی لیکن یہ تو ایک ایک حبہ کا تقاضا کرتے ہیں اور ناداری کے باعث مجبور ہو کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی پناہ میں چلے گئے۔ جناب امیر کو معلوم ہوا تو فرمایا:

برحه الله فعل فعل السید و فرفرار العبد دخان خیانة الفاجر اماوالله لوانه اقام فعجز مازدنا علی حبس فان وجد ناله شیئا اخذناه و ان لم نقدر علی مال ترکناه.[3]

''خدا اس کا برا کرے اس نے کام تو سید کا کیا لیکن غلام کی طرح بھاگا اور فاجر کی طرح خیانت کی خدا کی قسم! اگر وہ مقیم ہوتا تو قید سے زیادہ اس کو سزا دیتا اور اگر

---

[1] کتاب الخراج ص ۷۹

[2] کتاب الخراج ص ۶۷

[3] طبری ص ۳۴۴۱

marfat.com

اس کے پاس کچھ ہوتا تو لیتا ورنہ معاف کر دیتا"۔

اس باز پرس سے آپ کے مخصوص اعزہ و اقارب بھی مستثنیٰ نہ تھے۔ ایک مرتبہ آپ کے چچیرے بھائی حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عامل بصرہ نے بیت المال سے ایک بیش قرار رقم لی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے چشم نمائی فرمائی تو جواب دیا کہ میں نے ابھی اپنا پورا حق نہیں لیا ہے لیکن اس عذر کے باوجود وہ خائف ہو کر بصرہ سے مکہ چلے گئے۔[1]

صیغہ محاصل:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے محاصل کے صیغہ میں خاص اصلاحات جاری کیں۔ آپ سے پہلے جنگل سے کسی قسم کا مالی فائدہ نہیں لیا جاتا تھا' آپ کے عہد میں جنگلات کو بھی محاصل ملکی کے ضمن میں داخل کیا گیا چنانچہ برس کے جنگل پر چار ہزار درہم مال گذاری تشخیص کی گئی۔[2]

عہد نبویؐ میں گھوڑے زکوٰۃ سے مستثنیٰ تھے' لیکن عہد فاروقی میں جب عام طور سے اس کی تجارت ہونے لگی تو اس پر بھی زکوٰۃ مقرر کر دی۔ حضرت علیؓ کے نزدیک تمدنی اور جنگی فوائد کے لحاظ سے گھوڑوں کی افزائش نسل میں سہولت بہم پہنچانا ضروری تھا اس لیے آپ نے اپنے زمانہ میں زکوٰۃ موقوف کر دی[3] گو آپ محاصل ملکی وصول کرنے میں نہایت سخت تھے لیکن اسی کے ساتھ رعایا کی فلاح و بہبود کا بھی خاص خیال رکھا تھا۔ چنانچہ معذور اور نادار آدمیوں کے ساتھ کسی قسم کی زیادتی نہیں کی جاتی تھی۔[4]

رعایا کے ساتھ شفقت:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وجود رعایا کے لیے سایہ رحمت تھا' بیت المال کے دروازے غرباء اور مساکین کے لیے کھلے ہوئے تھے اور اس میں جو رقم جمع ہوتی تھی نہایت فیاضی کے ساتھ مستحقین میں تقسیم کر دی جاتی تھی' ذمیوں کے ساتھ بھی نہایت شفقت آمیز برتاؤ تھا۔ ایران میں مخفی سازشوں کے باعث بارہا بغاوتیں ہوئیں لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ہمیشہ نہایت ترحم سے کام لیا' یہاں تک کہ ایرانی اس لطف و شفقت سے متاثر ہو کر کہتے تھے' خدا کی قسم! اس

[1] طبری ص ۳۴۵۳ [2] کتاب الخراج ص ۵۰
[3] کتاب الخراج ص ۵۰ [4] ایضاً ص ۴۴

marfat.com

عربی نے نوشیرواں کی یاد تازہ کر دی۔

فوجی انتظامات:

حضرت علی رضی اللہ عنہ خود ایک بڑے تجربہ کار جنگ آزما تھے اور جنگی امور میں آپ کو پوری بصیرت حاصل تھی۔ اس لیے اس سلسلہ میں آپ نے بہت سے انتظامات کیے۔ چنانچہ شام کی سرحد پر نہایت کثرت کے ساتھ فوجی چوکیاں قائم کیں۔ ۴۰ھ میں جب امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے عراق پر عام یورش کی تو پہلے انہی سرحدی فوجوں نے ان کو آگے بڑھنے سے روکا۔ اسی طرح ایران میں مسلسل شورش اور بغاوت کے باعث بیت المال، عورتوں اور بچوں کی حفاظت کے لیے نہایت مستحکم قلعے بنوائے اصطخر کا قلعہ حصن زیاد اسی سلسلہ میں بنا تھا[1] جنگی تعمیرات کے سلسلہ میں دریائے فرات کا پل بھی جو معرکہ صفین میں فوجی ضروریات کے خیال سے تعمیر کیا تھا لائق ذکر ہے۔

مذہبی خدمات:

امام وقت کا سب سے اہم فرض مذہب کی اشاعت، تبلیغ اور خود مسلمانوں کی مذہبی تعلیم و تلقین ہے۔ حضرت علی عہد نبوت ہی سے ان خدمات میں ممتاز تھے چنانچہ یمن میں اسلام کی روشنی ان ہی کی کوشش سے پھیلی تھی۔ سورۂ براۃ نازل ہوئی تو اس کی تبلیغ و اشاعت کی خدمت بھی ان ہی کے سپرد ہوئی۔

مسند خلافت پر قدم رکھنے کے بعد سے آخر وقت تک گو خانہ جنگیوں نے فرصت نہ دی تاہم اس فرض سے بالکل غافل نہ تھے۔ ایران اور آرمینیہ میں بعض نومسلم عیسائی مرتد ہو گئے تھے، حضرت علیؓ نے نہایت سختی کے ساتھ ان کی سرکوبی کی اور ان میں سے اکثر تائب ہو کر پھر دائرہ اسلام میں داخل ہو گئے۔

خارجیوں کی سرکوبی اور ان سبائیوں کو جو شدت غلو میں جناب مرتضیٰؓ کو خدا کہنے لگے تھے، سزا دینا بھی دراصل مذہب کی ایک بڑی خدمت تھی۔

---

1. طبری ص ۳۴۵

marfat.com

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مسلمانوں کی اخلاقی نگرانی کا بھی نہایت سختی کے ساتھ خیال رکھا- مجرموں کو عبرت انگیز سزائیں دیں- جرم کی نوعیت کے لحاظ سے نئی سزائیں تجویز کیں جوان سے پہلے اسلام میں رائج نہ تھیں- مثلاً زندہ جلانا' مکان مسمار کرا دینا' چوری کے علاوہ دوسرے جرم میں بھی ہاتھ کاٹنا وغیرہ' لیکن اس سے قیاس نہیں کرنا چاہیے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ حدود کے اجراء میں کسی اصول کے پابند نہ تھے- زندہ جلا دینے کی سزا صرف چند زندیقوں کو دی تھی مگر جب حضرت ابن عباسؓ نے آپ کو بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے اس سزا کی ممانعت فرمائی ہے' تو آپ نے اس فعل پر ندامت ظاہر کی[1] شراب نوشی کی سزا میں کوڑوں کی تعداد متعین نہ تھی' حضرت علیؓ نے اس کے لیے اسی کوڑے تجویز کیے-[2]

درے مارنے والوں کو ہدایت کی تھی کہ چہرہ اور شرمگاہ کے علاوہ تمام جسم پر کوڑا مار سکتے ہیں- عورتوں کے لیے حکم تھا کہ ان کو بٹھا کر سزا دیں اور کپڑے سے تمام جسم کو اس طرح چھپا دیں کہ کوئی عضو بے ستر نہ ہونے پائے- اسی طرح رجم کی صورت میں ناف تک زمین میں گاڑ دینا چاہیے-[3]

اقرار جرم کی حالت میں صرف ایک دفعہ کا اقرار کافی نہ سمجھتے تھے- چنانچہ ایک مرتبہ ایک شخص نے حاضر ہو کر عرض کی امیر المومنین! میں نے چوری کی ہے- حضرت علیؓ نے غضب آلود نگاہ ڈال کر اس کو واپس کر دیا لیکن جب اس نے پھر مکرر حاضر ہو کر اقرار جرم کیا تو فرمایا اب اس نے اپنا جرم آپ ثابت کر دیا اور اس وقت اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا-[4]

تنہا جرم کا ارادہ اور اس کے لیے اقدام بغیر جرم کیے ہوئے مجرم بنانے کے لیے کافی نہیں ہے- چنانچہ ایک شخص نے ایک مکان میں نقب لگائی اور چوری کرنے سے قبل پکڑ لیا گیا- حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ نے اس پر کسی قسم کی حد جاری نہیں کی-[5]

---

1. ترمذی حدود مرتد-
2. کتاب الخراج ص ۹۹ اور سنن ابی داؤد کتاب الحدود
3. کتاب الخراج ص ۹۷ 4. ایضاً ص ۱۰۳-
5. کتاب الخراج ص ۱۰۴

marfat.com

دس درہم سے کم کی چوری میں ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ تھا اسی طرح اگر مجرم نشہ کی حالت میں ہوتو نشہ اترنے کا انتظار کیا جاتا تھا۔ [1]

جو عورتیں ناجائز حمل سے حاملہ ہوتی تھیں' ان پر حد جاری کرنے کے لیے وضع حمل کا انتظار کیا جاتا تھا تاکہ بچہ کی جان کو نقصان نہ پہنچے' جس کا کوئی گناہ نہیں ہے۔

عام قیدیوں کو بیت المال سے کھانا دیا جاتا تھا لیکن جو لوگ محض اپنے فسق و فجور کے باعث نظر بند کیے جاتے تھے' وہ اگر مالدار ہوتے تھے تو خود ان کے مال سے ان کے کھانے پینے کا انتظام کیا جاتا تھا۔ ورنہ بیت المال سے مقرر کر دیا جاتا تھا۔ [2]

تعزیری سزا:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو بعض غیر معمولی سزائیں تجویز کیں وہ دراصل تعزیری سزائیں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے بھی اس قسم کی سزائیں جاری کی تھیں۔ چنانچہ ان کے عہد میں ایک شخص نے رمضان میں شراب پی تو اسی کوڑوں کی بجائے سو کوڑے لگوائے کیونکہ اس نے بادہ نوشی کے ساتھ رمضان کی بھی بے حرمتی کی تھی۔

---

[1] کتاب الخراج ص ۱۰۰ [2] ایضاً ص ۱۰۰

marfat.com

فضل و کمال

حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بچپن ہی سے درس گاہِ نبوت میں تعلیم و تربیت حاصل کرنے کا موقع ملا جس کا سلسلہ ہمیشہ قائم رہا۔ مسند میں خود ان سے روایت ہے کہ میں روزانہ صبح کو معمولاً آپ کی خدمت میں حاضر ہوا کرتا تھا[1] اور تقرب کا درجہ میرے سوا کسی اور کو حاصل نہ تھا[2] ایک روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ رات دن میں دوبار اس قسم کا موقع ملتا تھا۔[3] اکثر سفر میں بھی آپ کی رفاقت کا شرف حاصل ہوتا تھا اور اس سلسلہ میں سفر سے متعلق شرعی احکام سے واقف ہونے کا موقع ملتا تھا' ایک مرتبہ شریح بن ہانی نے حضرت عائشہؓ سے ''مسح علی الخفین'' کے متعلق سوال کیا تو انہوں نے اس کے لیے حضرت علیؓ کا نام بتایا اور اس کی وجہ یہ بیان کی کہ وہ آپؐ کے ساتھ سفر کیا کرتے تھے[4] شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں بارگاہ رسالت میں جناب امیر کے اس تقرب و تربیت کو ان کے فضائل کی اصلی بنیاد قرار دیا ہے۔ چنانچہ امام احمد بن حنبل کی ایک روایت نقل کر کے' جس کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؓ کے جس قدر فضائل مذکور ہیں' کسی صحابی کے نہیں ہیں' اس کی تشریح یہ کی ہے:

''عبد ضعیف گوید سبب ایں معنی اجتماع دو جہت است' در مرتضٰی رضی اللہ عنہ یکے رسوخ او در سوابق اسلامیہ' دوم قرب قرابت او با آنحضرت ﷺ و آں جناب علیہ الصلوٰۃ و السلام اوصل ناس بار حام و اعرف ناس بحقوق قرابت بودند بازچوں عنایت الٰہی مساعدت نمود۔ حضرت مرتضٰی را در کنار تربیت آنحضرت ﷺ انداخت مرتبہ قرابت در بالا شد و کرامت دیگر در کار او کردند رضی اللہ عنہ بازچوں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا عقد او دادند مزید فضیلت باد یار شد''۔[5]

---

[1] کتاب الخراج ص ۸۵ [2] ایضاً ص ۸۰ [3] مسند جلد اول ص ۱۴۶
[4] ازالۃ الخفاء ج اول ص ۸۳ [5] ایضاً ج ۲ ص ۲۶۰

marfat.com

آپ کے تقرب و اختصاص کی بناء پر خود رسول اللہ ﷺ آپ کو قرآن مجید کی تعلیم دیتے تھے۔[1] بعض موقعوں پر قرآن مجید کی آیتوں کی تفسیر بھی فرماتے تھے۔[2] چند مخصوص حدیثیں بھی قلم بند کر لی تھیں[3] غرض حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ابتداء ہی سے علم و فضل کے گہوارہ میں تربیت پائی تھی اس لیے صحابہ کرام میں آپ غیر معمولی تجربہ اور فضل و کمال کے مالک اور "وانا مدینۃ العلم و علی بابھا" (میں علم کا گھر اور علی اس کا دروازہ ہیں) کے طغرائے خاص سے ممتاز ہوئے۔[4]

نوشت و خواند کی تعلیم آپ نے بچپن ہی میں حاصل کی تھی' چنانچہ ظہور اسلام کے وقت جب کہ آپ کی عمر بہت کم تھی آپ لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔[5] اسی لیے ابتداء ہی سے بعض دوسرے صحابہ کی طرح آپ بھی آنحضرت ﷺ کے تحریری کام انجام دیتے تھے' چنانچہ کاتبان وحی میں آپ کا بھی نام ہے' آنحضرت ﷺ کی طرف سے جو مکاتیب و فرامین لکھے جاتے تھے ان میں بعض آپ کے دست مبارک کے لکھے ہوئے تھے چنانچہ حدیبیہ کا صلح نامہ آپ ہی نے لکھا تھا۔

تفسیر اور علوم القرآن:

اسلام کے علوم و معارف کا اصل سرچشمہ قرآن پاک ہے' حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس سرچشمہ سے پوری طرح سیراب اور ان صحابہ میں تھے جنہوں نے آنحضرت ﷺ کی زندگی ہی میں نہ صرف پورا قرآن زبانی یاد کر لیا تھا بلکہ اس کی ایک ایک آیت کے معنی اور شانِ نزول سے واقف تھے۔ ابن سعد میں ہے کہ ایک موقع پر خود آپ نے اس کا اظہار فرمایا کہ میں ہر آیت کے متعلق بتا سکتا ہوں کہ یہ کہاں اور کیوں اور کس کے حق میں نازل ہوئی[6] چنانچہ حضرت

---

[1] مسند ج ا ص ۸۳ [2] ایضاً ص ۸۵ [3] ایضاً ص ۷۹

[4] جامع ترمذی مناقب علی مرتضیٰؓ میں ہے "انا دار الحکمۃ و علی بابھا" لیکن امام ترمذی نے اس کو منکر کہا ہے۔ حاکم نے مستدرک ج ۳ ص ۴۹۲ اس روایت کے متعلق متعدد راویوں کو جمع کیا ہے اور اس کو صحیح ثابت کرنے کی کوشش کی ہے لیکن امام ذہبی نے ان کے صحیح کہنے کو تسلیم نہیں کیا ہے۔

[5] فتوح البلدان بلاذری ص ۴۷۷ [6] ابن سعد جز ثانی قسم ثانی ص ۱۰۱

marfat.com

علی رضی اللہ عنہ کا شمار مفسرین کے اعلیٰ طبقہ میں ہے اور صحابہ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سوا اس کمال میں آپ کا کوئی شریک نہیں ہے۔ چنانچہ ان تمام تفسیروں میں فن کا مدار روایتوں پر ہے۔ مثلاً ابن جریر طبری' ابن ابی حاتم' ابن کثیر وغیرہ میں بکثرت آپ کی روایت سے آیات کی تفسیریں منقول ہیں۔ ابن سعد میں ہے کہ آپ نے آنحضرت ﷺ کی وفات کے چھ مہینے تک جو گوشہ نشینی اختیار کی اس میں آپ نے قرآن مجید کی تمام سورتوں کو نزول کی ترتیب سے مرتب کیا تھا۔ ابن ندیم نے کتاب الفہرست میں سورتوں کی اس ترتیب کو نقل کیا ہے۔

قرآن پاک سے اجتہاد اور مسائل کے استنباط میں آپ کو ید طولیٰ حاصل تھا چنانچہ تحکیم کے مسئلہ میں خوارج نے اعتراض کیا کہ فیصلہ کا حق خدا کے سوا اور کسی کو حاصل نہیں ان الحکم الا للہ ۔ تو آپ نے قرآن کے تمام حفاظ اور اس کے عالموں کو جمع کر کے فرمایا کہ میاں بیوی میں جب اختلاف رائے ہو تو اللہ تعالیٰ حکم بنانے کی اجازت دے۔ وان خفتم شقاق بینھما فابعثوا حکما من اھلہ وحکما من اھلھا۔ اور امت محمدیہ میں جب اختلاف رائے ہو جائے تو حکم بنانا ناجائز ہو؟ کیا تمام امت محمدیہ کی حیثیت ایک مرد اور ایک عورت سے بھی خدا کی نگاہ میں کم ہے۔[1]

علم ناسخ اور منسوخ میں آپ کو کمال حاصل تھا اور اس کو آپ بڑی اہمیت دیتے تھے اور جن لوگوں کو اس میں درک نہ ہوتا' ان کو درس و وعظ سے روک دیتے تھے' چنانچہ کوفہ میں جامع مسجد میں جو شخص وعظ و تذکیر کرنا چاہتا تھا' اس سے پہلے آپ دریافت فرماتے تھے کہ تم کو ناسخ و منسوخ کا بھی علم ہے' اگر وہ نفی میں جواب دیتا تو اس کو زجر و توبیخ فرماتے تھے اور درس و وعظ کی اجازت نہ دیتے۔

آیات کی تفسیر و تاویل کے متعلق آپ سے اس کثرت سے روایتیں ہیں کہ اگر ان کا استقصاء کیا جائے تو ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے اسی لیے یہاں ان کو نقل کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔

بعض لوگوں کا خیال تھا کہ آنحضرت ؐ نے حضرت علیؓ مرتضیٰ کو ان ظاہری علوم کے

1۔ مسند ابن حنبل ج اول ص ۸۶

marfat.com

علاوہ کچھ خاص باتیں اور بھی بتائی ہیں- ان کے شاگردوں نے ان سے پوچھا کہ کیا قرآن کے سوا کچھ اور بھی آپ کے پاس ہے؟ فرمایا قسم ہے اس کی جو دانہ کو پھاڑ کر درخت اُگاتا ہے اور جو جان کو (جسم کے اندر) پیدا کرتا ہے' قرآن کے سوا میرے پاس کچھ اور نہیں لیکن قرآن کے سمجھنے کی قوت (فہم) یہ دولت خدا جس کو چاہے دے[1] ان کے علاوہ چند حدیثیں میرے پاس ہیں اس موقع میں حضرت علیؓ نے جو قسم کھائی ہے اس میں بھی ایک خاص نکتہ ہے- یعنی قرآن کی آیتوں کی مثال تخم اور جسم کی ہے اور اس کے معنی ومقصود کی مثال درخت کی ہے جو اسی تخم سے پیدا ہوتا ہے اور جان کی ہے جو جسم میں پوشیدہ رہتی ہے یعنی جس طرح ایک چھوٹے سے تخم سے اتنا بڑا اعظیم الشان درخت پیدا ہو جاتا ہے جو درحقیقت اس کے اندر مخفی تھا اور روح سے جو جسم میں چھپی رہتی ہے' تمام اعمال انسانی کا ظہور ہوتا ہے- اسی طرح قرآن پاک کے الفاظ سے جو بمنزلہ جسم کے ہیں' معنی ومطالب نکلتے ہیں-

علم حدیث:

جناب مرتضیٰؓ نے بچپن سے لے کر وفات نبویؐ تک کامل تیس سال آنحضرت ﷺ کی خدمت و رفاقت میں بسر کیے اس لیے حضرت ابوبکرؓ کو چھوڑ کر اسلام کے احکام وفرائض اور ارشادات نبویؐ کے سب سے بڑے عالم آپ ہی تھے' پھر تمام اکابر صحابہؓ میں وفات نبویؐ کے بعد سب سے زیادہ آپ نے عمر پائی- آنحضرت کے بعد تقریباً تیس برس تک ارشادات وافادات کی مسند پر جلوہ گر رہے- خلفائے ثلاثہ کے عہد میں بھی یہ خدمت آپ ہی کے سپرد رہی- ان کے بعد خود آپ کے زمانہ خلافت میں بھی یہ فیض بدستور جاری رہا اس لیے تمام خلفاء میں احادیث کی روایت کا زمانہ آپ کو سب سے زیادہ ملا- اسی لیے خلفائے سابقین کے مقابلہ میں آپ کی روایتوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے' لیکن احادیث کی روایت میں آپ بھی اپنے پیشرو خلفاء اور اکابر صحابہ کی طرح محتاط اور متشدد تھے- اس لیے دوسرے کثیر الروایۃ صحابہؓ کے مقابلہ میں آپ کی روایتیں بہت کم ہیں- چنانچہ آپ سے کل ۵۸۶ حدیثیں مروی ہیں جن میں سے بیس حدیثوں پر بخاری ومسلم دونوں کا اتفاق ہے اور ۹ حدیثیں صرف

[1] صحیح بخاری کتاب الدیات وابن حنبل ج اول ص ۷۹ و ۱۰۰

marfat.com

بخاری میں ہیں مسلم میں نہیں ہیں اور دس حدیثیں مسلم میں ہیں بخاری میں نہیں ہیں۔ غرض صحیحین میں آپ کی کل ۳۹ حدیثیں ہیں۔

آپ نے آنحضرت ﷺ کے علاوہ اپنے رفقاء اور ہمعصروں میں حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت مقداد بن الاسودؓ اپنی حرم محترم حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا سے روایتیں کی ہیں۔ آپ کی عترت مطہرہ اور اولاد امجاد میں حضرت حسنؓ، حضرت حسینؓ، محمد بن حنفیہ، عمر، فاطمہ (صاحبزادے اور صاحبزادیاں) محمد بن عمر بن علیؓ، علی بن حسین بن علیؓ، (پوتے) عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب (بھتیجے) جعدہ بن ہبیرہ مخزومی (بھانجے) عام اصحاب میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، براء بن عازبؓ، ابو ہریرہؓ، ابوسعید خدریؓ، بشیر بن شحیم غفاریؓ، زید بن ارقمؓ، سفینہ مولیٰ رسول اللہ ﷺ، صہیب رومیؓ، ابن عباسؓ، ابن عمرؓ، ابن زبیرؓ، عمروؓ بن حریث، نزال بن سبرہؓ، ہلالؓ، جابر بن سمرہؓ، جابرؓ بن عبداللہ، ابو جحیفہؓ، ابو امامہؓ، ابو لیلیٰ انصاریؓ، ابو موسیٰؓ، مسعودؓ بن حکم زرقی، ابو الطفیلؓ، عامر بن واثلہ، عبیداللہ بن ابی رافعؓ (کاتب) اور ام موسیٰؓ (جاریہ)

تابعین میں زر بن حبیش، زید بن وہب، ابو الاسود دوئلی، حارث بن سوید التیمی، حارث ابن عبداللہ الاعور، حرملہ مولیٰ بن زیدؓ، ابو ساسان حضین بن منذر الرقاشی، حیہ بن عبداللہ الکندی، ربعی بن حراش، شریح بن ہانی، شریح بن النعمان الصائدی، ابو وائل شقیق بن سلمہ، شیث بن ربعی، سوید بن غفلہ، عاصم بن ضمرہ، عامر بن شراحیل الشعبی، عبداللہ بن سلمہ مرادی، عبداللہ بن شداد بن الہاد، عبداللہ بن شقیق، عبداللہ بن معقل بن مقرن، عبد خیر بن یزید المرانی، عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ، عبیدہ سلیمانی، علقمہ بن قیس النخعی، عمیر بن سعید النخعی قیس بن عباد البصری، مالک بن اوس بن حدثان، مروان بن حکم اموی، مطرف بن عبداللہ ابن شخیر، نافع بن جبیر بن مطعم، ہانی بن ہانی، یزید بن شریک التیمی، ابو بردہ بن ابی الموسیٰ الاشعری، ابوحیہ وادعی، ابو الخلیل الحضرمی، ابو صالح الحضرمی، ابو الصالح الحنفی، ابو عبدالرحمن السلمی، ابو عبیدہ مولی ابن ازہر، ابو الہیاج الاسدی وغیرہ نے آپ سے فیض پایا ہے۔[1]

---

[1] یہ فہرست تہذیب التہذیب سے منقول ہے۔

marfat.com

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی تمام حدیثوں پر ایک اجمالی نظر ڈالی ہے اس میں وہ لکھتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے حلیہ اقدس' آپ کی نماز و مناجات و دعا و نوافل کے متعلق سب سے زیادہ روایتیں حضرت علیؓ ہی سے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ وہ ہر وقت رفاقت نبویؐ میں رہتے تھے اور ان کو عبادتوں سے خاص شغف تھا۔[1]

احادیث کو قلم بند کرنے کا شرف جن چند صحابہ کو حاصل ہے ان میں حضرت علی مرتضیٰؓ بھی داخل ہیں۔ فہم قرآن کے سلسلہ میں جو روایت اوپر گذری ہے اس میں چند حدیثوں کا ذکر ہے یہ وہی ہیں جن کو آنحضرت ﷺ سے سن کر آپ نے ایک لمبے کاغذ پر لکھ لیا تھا۔ یہ تحریر لپٹی ہوئی آپ کی تلوار کی نیام میں لٹکی رہتی تھی۔ اس کا نام آپ نے صحیفہ رکھا تھا' اس صحیفہ کا ذکر حدیث کی کتابوں میں آتا ہے۔ یہ حدیثیں چند فقہی احکام سے متعلق تھیں۔[2]

فقہ و اجتہاد:

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو فقہ و اجتہاد میں بھی کامل دست گاہ حاصل تھی' بلکہ علم و اطلاع کی وسعت سے دیکھا جائے تو آپ کی متحضرانہ قوت سب سے اعلیٰ ماننی پڑے گی۔ بڑے بڑے صحابہ رضی اللہ عنہم یہاں تک کہ حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کو بھی کبھی کبھی حضرت علیؓ کے فضل و کمال کا ممنون ہونا پڑتا تھا۔

فقہ و اجتہاد کے لیے کتاب و سنت کے علم کے ساتھ سرعت فہم' دقیقہ سنجی انتقال ذہنی کی بڑی ضرورت ہے اور حضرت علیؓ مرتضیٰ کو یہ کمالات خداداد حاصل تھے مشکل سے مشکل اور پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل کی تہہ تک آپ کی نکتہ رس نگاہ آسانی سے پہنچ جاتی تھی۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں آپ کی طباعی اور انتقال ذہنی کے بہت سے واقعات نقل کیے ہیں لیکن ہم طوالت کے خوف سے ان کو نظر انداز کرتے ہیں۔ مثلاً ایک واقعہ یہ ہے:

ایک مرتبہ حضرت عمرؓ کے سامنے ایک مجنون زانیہ عورت پیش کی گئی۔ حضرت عمرؓ نے اس پر حد جاری کرنے کا ارادہ کیا۔ حضرت علیؓ نے فرمایا یہ ممکن نہیں کہ مجنون حدود شرعی سے

---

[1] ازالۃ الخفاء ص ۲۵۵

[2] صحیح بخاری کتاب العلم باب کتابۃ العلم ج ۲ و کتاب الاعتصام و مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۷۰۹

marfat.com

مستثنیٰ ہیں' یہ سن کر حضرت عمرؓ اپنے ارادہ سے باز آ گئے۔[1]

ایک دفعہ حج کے موسم میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے سامنے کسی نے شکار کا گوشت پکا کر پیش کیا۔ لوگوں نے احرام کی حالت میں اس کے کھانے کے جواز اور عدم جواز میں اختلاف کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اس کے جواز کے قائل تھے۔ انہوں نے کہا حالت احرام میں خود شکار کر کے کھانا منع ہے۔ لیکن جب کسی دوسرے غیر محرم نے شکار کیا ہے تو اس کے کھانے میں کیا حرج ہے؟ دوسروں نے اس سے اختلاف کیا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اس مسئلہ میں قطعی فیصلہ کس سے معلوم ہوگا؟ لوگوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام لیا۔ چنانچہ انہوں نے ان سے جا کر دریافت کیا حضرت علیؓ نے فرمایا جن لوگوں کو یہ واقعہ یاد ہو وہ شہادت دیں کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں جب آپؐ احرام کی حالت میں تھے' ایک گورخر شکار کر کے پیش کیا گیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ ہم لوگ تو احرام کی حالت میں ہیں یہ ان کو کھلا دو جو احرام میں نہیں ہیں۔ حاضرین میں سے بارہ آدمیوں نے شہادت دی' اسی طرح آپ نے ایک دوسرے واقعہ کا ذکر کیا جس میں کسی نے آنحضرت ﷺ کے سامنے حالت احرام میں شترمرغ کے انڈے پیش کیے تھے تو آپؐ نے ان کے کھانے سے بھی احتراز فرمایا تھا۔ اس کی بھی کچھ لوگوں نے گواہی دی۔ یہ سن کر حضرت عثمانؓ اور ان کے رفقاء نے اس کے کھانے سے پرہیز کیا۔[2]

ایک دفعہ ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کسی نے یہ مسئلہ پوچھا کہ ایک بار پاؤں دھونے کے بعد' کتنے دن تک موزوں پر مسح کر سکتے ہیں؟ فرمایا علیؓ سے جا کر دریافت کرو ان کو معلوم ہوگا کیونکہ وہ سفر میں آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہا کرتے تھے چنانچہ وہ سائل حضرت علیؓ مرتضیٰ کے پاس گیا۔ انہوں نے بتایا کہ مسافر تین دن تین رات تک اور مقیم ایک دن ایک

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۱ص ۱۴۰۔

[2] مسند امام ابی عبداللہ احمد بن محمد بن حنبل ج ۱ص ۱۰۰ فقہا میں یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے' بہت سے لوگ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے استدلال کو صحیح سمجھتے ہیں اور دیگر احادیث سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے' بہر حال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ زیادہ محتاطانہ ہے اس لیے حضرت عثمانؓ نے اس کو قبول کر لیا۔

marfat.com

رات تک۔[1]

حضرت علیؓ کے علم اور ان کی اجتہادی قوت اور دقت نظر کا اس سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ ان کے حریف بھی دقیق اور مشکل مسائل میں ان کی طرف رجوع کرنے کے لیے مجبور ہوتے تھے۔ چنانچہ ایک دفعہ امیر معاویہؓ نے لکھ کر دریافت کیا کہ خنثیٰ مشکل کی وراثت کی کیا صورت ہے؟ یعنی وہ مرد قرار دیا جائے یا عورت؟ حضرت علیؓ نے فرمایا خدا کا شکر ہے کہ ہمارے دشمن بھی علم دین میں ہمارے محتاج ہیں' پھر جواب دیا کہ پیشاب گاہ سے اندازہ کرنا چاہیے کہ وہ مرد ہے یا عورت؟[2]

فقہی مسائل میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی وسعت نظر کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ آپ جو بات نہیں جانتے تھے اس کو آنحضرت ﷺ سے دریافت کرتے تھے۔ بعض ایسے مسائل جو شرم وحیا اور اپنے رشتہ کی نزاکت کے باعث خود براہ راست نہیں پوچھ سکتے تھے اس کو کسی دوسرے کے ذریعہ سے پوچھوا لیتے تھے۔ چنانچہ مذی کا ناقض وضو ہونا آپ نے اسی طرح بالواسطہ دریافت کرایا تھا۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اپنے علم وکمال کی بناء پر متعدد مسائل میں عام صحابہ ؓ سے مختلف رائے رکھتے تھے۔ خصوصاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بعض خاص مسائل میں زیادہ اختلاف تھا۔ مثلاً حضرت عثمان رضی اللہ عنہ حج تمتع کو جائز نہیں سمجھتے تھے اور فرماتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں یہ صرف لڑائی اور بے امنی کی وجہ سے جائز تھا' اب وہ حالت نہیں ہے اس لیے اب جائز نہیں ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور دوسرے صحابہ ؓ ہر حال میں جائز سمجھتے تھے اسی طرح حالت احرام میں نکاح اور حالت عدت میں عورت کی وراثت وغیرہ کے مسائل میں بھی اختلاف تھا۔

حضرت علی مرتضیٰؓ گو تمام عمر مدینہ منورہ میں رہے لیکن آپ کی خلافت کا زمانہ تمام تر کوفہ میں گذرا اور احکام اور مقدمات کے فیصلے کا زیادہ موقع نہیں پیش آیا اس لیے آپ کے

---

1. مسند ابن حنبل ج ا ص ۹۶ و ج ۶ ص ۵۵۔
2. تاریخ الخلفاء سیوطی بحوالہ سنن سعد بن منصور و مسند ہشیم۔

marfat.com

مسائل و اجتہادات کی زیادہ تر اشاعت عراق میں ہوئی' اسی بناء پر حنفی فقہ کی بنیاد حضرت عبداللہ بن مسعود کے بعد حضرت علی مرتضیٰ ؓ کے ہی فیصلوں پر ہے۔

قضا اور فیصلے:

حضرت مرتضیٰؓ ان ہی خصوصیات کی بناء پر مقدمات کے فیصلوں اور قضا کے لیے نہایت موزوں تھے اور اس کو صحابہؓ عام طور سے تسلیم کرتے تھے حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ " اقضانا علی و اقرأنا ابی" یعنی ہم میں مقدمات کے فیصلے کے لیے سب سے موزوں علی ہیں اور سب سے بڑے قاری ابی ہیں''۔[1]

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ہم (صحابہؓ) کہا کرتے تھے کہ مدینہ والوں میں سب سے زیادہ صحیح فیصلہ کرنے والے علیؓ ہیں۔[2]

آنحضرت ﷺ کی جوہر شناس نگاہ نے حضرت علیؓ کی اس استعداد و قابلیت کا پہلے ہی اندازہ کر لیا تھا اور آپ کی زبان فیض ترجمان سے حضرت علی ؓ کو "اقضاهم علی" کی سند مل چکی تھی اور ضرورت کے اوقات میں قضا کی خدمت آپ کے سپرد فرماتے تھے۔ چنانچہ جب اہل یمن نے اسلام قبول کیا تو آنحضرت ﷺ نے وہاں کے عہدۂ قضاء کے لیے آپ کو منتخب فرمایا۔ حضرت علیؓ نے عرض کی یا رسول اللہ! وہاں نئے نئے مقدمات پیش ہوں گے اور مجھے قضاء کا تجربہ اور علم نہیں' فرمایا: کہ اللہ تعالیٰ تمہاری زبان کو راہِ راست اور تمہارے دل کو ثبات و استقلال بخشے گا۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مقدمات کے فیصلہ میں تذبذب نہ ہوا۔[3]

آنحضرت ﷺ نے آپ کو قضاء اور فصل مقدمات کے بعض اصول بھی تعلیم فرمائے۔ چنانچہ ایک مرتبہ فرمایا علی! جب تم دو آدمیوں کا جھگڑا چکانے لگو تو صرف ایک آدمی کا بیان سن کر فیصلہ نہ کرو' اس وقت تک اپنے فیصلے کو روکو جب تک دوسرے کا بیان بھی نہ سن لو۔[4]

---

[1] طبقات ابن سعد ج ۲ قسم ۲ ص ۱۰۲ [2] مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۳۵

[3] مسند ابن حنبل ج اول ص ۸۳ و حاکم جلد ۳ ص ۱۳۵

[4] مسند ابن حنبل جلد اول ص ۹۶' ۱۴۳

marfat.com

مقدمات میں علم یقین کے لیے اہل مقدمہ اور گواہوں سے جرح اور ان سے سوالات کرنا بھی آپ کے اصول قضاء میں داخل تھا- ایک مرتبہ ایک عورت نے آپ کی عدالت میں اپنی نسبت جرم زنا کا اعتراف کیا- آپ نے اس سے پے در پے متعدد سوالات کیے جب وہ آخر تک اپنے بیان پر قائم رہی تو اس وقت سزا کا حکم دیا-[1] اسی طرح لوگوں نے ایک شخص کو چوری کے الزام میں پکڑ کر پیش کیا اور دو گواہ بھی پیش کر دیئے آپ نے گواہوں کو دھمکی دی کہ اگر تمہاری گواہی جھوٹی نکلی تو میں یہ سزا دوں گا' اور یہ کروں گا اور وہ کروں گا- اس کے بعد کسی دوسرے کام میں مصروف ہو گئے اس سے فراغت کے بعد دیکھا کہ دونوں گواہ موقع پا کر چل دیئے- آپ نے ملزم کو بے قصور پا کر چھوڑ دیا-[2]

یمن میں آپ نے دو عجیب و غریب مقدمات کا فیصلہ کیا- یمن نیا نیا مسلمان ہوا تھا پرانی باتیں بھی تازہ تھیں' ایک عورت کا مقدمہ پیش ہوا' جس سے ایک ماہ کے اندر تین مرد خلوت کر چکے- نو ماہ بعد اس کے لڑکا ہوا اب یہ نزاع ہوئی کہ وہ لڑکا کس کا قرار دیا جائے- ہر ایک نے اس کے باپ ہونے کا دعویٰ کیا- حضرت علی رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ اس لڑکے کی دیت کے تین حصے کیے- پھر قرعہ ڈالا' جس کے نام قرعہ نکلا' اس کے حوالہ کیا اور بقیہ دونوں کو دیت کے تین حصوں میں سے دو حصے اس سے لے کر دلوا دیئے- گویا غلام کے مسئلہ پر اس کو قیاس کیا- آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ فیصلہ سنا تو آپ نے تبسم فرمایا-[3]

دوسرا واقعہ یہ پیش آیا کہ چند لوگوں نے شیر پھنسانے کے لیے ایک کنواں کھودا تھا شیر اس میں گر گیا- چند اشخاص ہنسی مذاق میں ایک دوسرے کو دھکیل رہے تھے کہ اتفاق سے ایک کا پیر پھسلا اور وہ اس کنوئیں میں گرا اس نے اپنی جان بچانے کے لیے بدحواسی میں دوسرے کی کمر پکڑ لی وہ بھی سنبھل نہ سکا اور گرتے گرتے اس نے تیسرے کی کمر تھام لی- تیسرے نے

---

1. مسند ابن حنبل جلد اول ص ۱۴۰
2. تاریخ الخلفاء بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ
3. مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۳۵

marfat.com

چوتھے کو پکڑ لیا غرض چاروں اس میں گر پڑے اور شیر نے چاروں کو مار ڈالا۔ ان مقتولین کے ورثاء باہم آمادۂ جنگ ہوئے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو اس ہنگامہ وفساد سے روکا اور فرمایا کہ ایک رسول کی موجودگی میں یہ فتنہ وفساد مناسب نہیں۔ میں فیصلہ کرتا ہوں' اگر وہ پسند نہ ہو تو دربارِ رسالت میں جا کر تم اپنا مقدمہ پیش کر سکتے ہو۔ لوگوں نے رضامندی ظاہر کی۔ آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ جن لوگوں نے یہ کنواں کھودا' ان کے قبیلوں سے ان مقتولین کے خون بہا کی رقم اس طرح وصول کی جائے کہ ایک پوری' ایک، ایک تہائی' ایک، ایک چوتھائی اور ایک آدھی' پہلے مقتول کے ورثاء کو ایک چوتھائی خون بہا' دوسرے کو ثلث' تیسرے کو نصف اور چوتھے کو پورا خون بہا دلایا۔

لوگ اس بظاہر عجیب وغریب فیصلہ سے راضی نہ ہوئے اور حجۃ الوداع کے موقع پر حاضر ہو کر اس فیصلہ کا مرافعہ (اپیل) عدالت نبویؐ میں پیش کیا۔ آنحضرت ﷺ نے اس فیصلہ کو برقرار رکھا۔[1]

روایت میں مذکور نہیں کہ یہ فیصلہ کس اصول پر کیا گیا تھا' صرف پہلے شخص کے متعلق اتنا ہے کہ اس کو چوتھائی اس لیے ملا کہ فوراً اوپر سے گرا تھا۔ ہمارا خیال ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے اس فیصلہ میں اس اصول کو پیش نظر رکھا ہے کہ یہ حادثے بالقصد قتل اور اتفاقی قتل کے درمیان ہیں۔ غرض قصد اور عدم قصد کے بیچ کی شکل ہے اس لیے عدم قصد واتفاق اور قصد وارادہ ان دونوں میں اس کا حصہ جس مقتول میں زیادہ ہے۔ اتنا ہی اس کو کم وبیش دلایا گیا۔ اس کے بعد وراثت کا اصول پیش نظر رہا۔ چونکہ یہ معاملہ چار آدمیوں کا تھا اس لیے کم سے کم رقم ایک چوتھائی مقرر کی۔ اس کے نکل جانے کے بعد تین آدمی رہ گئے تو اس کو تہائیوں پر تقسیم کر کے تیسرا حصہ یعنی ایک تہائی اس کو دلایا' باقی دو بچے تو دو حصے کر کے نصف تیسرے کا مقرر کیا۔

اب غور کیجئے کہ اصل جرم ان لوگوں کا تھا جنہوں نے آبادی کے قریب کنواں کھود کر شیر پھنسانے کی غلطی کی تھی' اس لیے کسی متعین قاتل نہ ہونے کے سبب سے قسامت کے

[1] مسند ابن حنبل ج اول ص ۷۷

marfat.com

اصول سے خون بہا کو ان کے کھودنے والوں اور ان کے ہم قبیلوں پر عائد کیا- پہلا شخص گو اتفاقاً گرا- مگر ایک دوسرے کے دھکیلنے کے نتیجہ کو بھی اس میں دخل تھا اس لیے پہلے شخص کے گرنے میں اتفاق کا زیادہ اور قصد کا بہت کم دخل تھا اس لیے وہ خون بہا کا کم سے کم مستحق ٹھہرا' یعنی ایک چوتھائی- پہلے نے دوسرے کو گویا بالقصد کھینچا' مگر غایت بدحواسی میں اس کو اپنے فعل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا موقع نہیں ملا' اس لیے پہلے کے مقابلہ میں اس میں اتفاق کا عنصر کم اور قصد کا کچھ زیادہ ہے اس لیے وہ تہائی کا مستحق ہوا- دوسرے کو پہلے نتائج کو دیکھ کر اپنے فعل کے نتیجہ کے سوچنے سمجھنے کا موقع زیادہ ملا اس لیے اس میں اتفاق کے مقابلہ میں قصد کا عنصر زیادہ تھا' اس لیے اس کو نصف دلایا گیا- تیسرے نے چوتھے کو کھینچا حالانکہ وہ سب سے دور تھا اور گذشتہ نتائج کو تیسرے نے خوب غور سے دیکھ لیا تھا' اس لیے وہ تمام تر قصد و ارادہ سے گرایا گیا- نیز یہ کہ اس نے اپنے رفقاء کی طرح کسی اور کے گرانے کا جرم بھی نہیں کیا' اس لیے وہ پوری دیت کا مستحق تھا- (واللہ اعلم)

ایک اور مقدمہ کا اس سے بھی زیادہ دلچسپ فیصلہ آپ نے فرمایا' دو شخص (غالباً مسافر) تھے' ایک کے پاس تین روٹیاں تھیں اور دوسرے کے پاس پانچ روٹیاں تھیں' دونوں مل کر ایک ساتھ کھانے کو بیٹھے تھے کہ اتنے میں ایک تیسرا مسافر بھی آ گیا' وہ بھی کھانے میں شریک ہوا' کھانے سے جب فراغت ہوئی تو اس نے آٹھ درہم اپنے حصہ کی روٹیوں کی قیمت دے دی اور آگے بڑھ گیا- جس شخص کی پانچ روٹیاں تھیں اس نے سیدھا حساب یہ کیا کہ اپنی پانچ روٹیوں کی قیمت پانچ درہم لی اور دوسرے کو ان کی تین روٹیوں کی قیمت تین درہم دینے چاہے مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا اور نصف کا مطالبہ کیا- یہ معاملہ عدالت مرتضوی میں پیش ہوا' آپ نے دوسرے کو نصیحت فرمائی کہ تمہارا رفیق جو فیصلہ کر رہا ہے اس کو قبول کر لو اس میں زیادہ تمہارا نفع ہے- لیکن اس نے کہا کہ حق کے ساتھ جو فیصلہ ہو مجھے منظور ہے-

حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے فرمایا حق تو یہ ہے کہ تم کو صرف ایک درہم اور تمہارے رفیق کو

marfat.com

سات درہم ملنے چاہئیں۔ اس عجیب فیصلہ سے وہ متحیر ہو گیا آپ نے فرمایا کہ تم تین آدمی تھے' تمہاری تین روٹیاں تھیں اور تمہارے رفیق کی پانچ' تم دونوں نے برابر کھائیں اور ایک تیسرے کو بھی برابر کا حصہ دیا۔ تمہاری تین روٹیوں کے حصے تین جگہ کیے جائیں تو نو ٹکڑے ہوتے ہیں تم اپنے نو ٹکڑوں اور اس کے پندرہ ٹکڑوں کو جمع کرو تو ۲۴ ٹکڑے ہوتے ہیں۔ تینوں میں سے ہر ایک نے برابر ٹکڑے کھائے تو فی کس آٹھ ٹکڑے ہوتے ہیں تم نے اپنے نو میں سے آٹھ خود کھائے اور ایک تیسرے مسافر کو دیا اور تمہارے رفیق نے اپنے پندرہ ٹکڑوں میں سے آٹھ خود کھائے اور سات تیسرے کو دیئے۔ اس لیے آٹھ درہم میں سے ایک کے تم اور سات کا تمہارا رفیق مستحق ہے۔[1]

کبھی کبھی کوئی لغو مقدمہ پیش ہوتا تو آپ زندہ دلی کا ثبوت بھی دیتے تھے ایک شخص نے ایک شخص کو یہ کہہ کر پیش کیا کہ اس نے خواب میں دیکھا ہے کہ اس نے میری ماں کی آبروریزی کی ہے۔ فرمایا ملزم کو دھوپ میں لے جا کر کھڑا کرو' اس کے سایہ کو سو کوڑے مارو۔[2]

حضرت علی رضی اللہ عنہ مرتضیٰ کے فیصلے قانون کے نظائر کی حیثیت رکھتے تھے' اس لیے اہل علم نے ان کو تحریری صورت میں مدون کر لیا تھا مگر اس عہد میں اختلاف آراء اور فرقہ آرائی کا زمانہ شروع ہو چکا تھا اس لیے ان میں تحریف بھی ہونے لگی چنانچہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے جب ان کے فیصلوں کا تحریری مجموعہ پیش ہوا تو اس میں سے ایک حصہ کو انہوں نے جعلی بتلایا اور فرمایا کہ عقل و ہوش کی سلامتی کے ساتھ علیؓ کبھی ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تھے۔[3]

علم اسرار و حکم:

دنیا میں اہل حکمت اور متکلمین کے دو گروہ ہیں ایک وہ جو اپنی عقل و فہم اور علم کی بناء پر

---

1. تاریخ الخلفاء سیوطی بروایت زر بن حبیش
2. ایضاً بحوالہ مصنف ابن ابی شیبہ
3. مقدمہ صحیح مسلم

marfat.com

ہر شرعی حکم کی جزئی مصلحتوں پر نگاہ رکھتا ہے اور اس کے اسرار و حکم کی تلاش میں رہتا ہے۔ دوسرا گروہ وہ ہے جو ایک ایک حکم کے جزئی مصالح سے دلچسپی نہیں رکھتا بلکہ وہ کلی طور پر پوری شریعت پر ایک مبصرانہ نگاہ ڈال کر ایک کلی اصول طے کر لیتا ہے اور اللہ تعالیٰ نے ان احکام میں جزئی مصلحتیں رکھی ہیں ان کی تلاش اور جستجو کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ صحابہؓ میں حضرت عائشہ صدیقہؓ کا مذاق علم پہلی قسم کا اور حضرت علی مرتضیٰؓ کا ذوق فکر دوسری قسم کا معلوم ہوتا ہے ان کی نظر احکام کی نظری کیفیت پر اتنی نہیں پڑتی جتنی ان کی عملی کیفیت پر اسی لیے کسی حکم کا انسان کی ظاہری عقل کے خلاف ہونا ان کے نزدیک چنداں اہم نہیں کہ انسانی عقل خود ناقص ہے وہ کسی حکم شرعی کے لیے صحت اور صواب کا معیار نہیں بن سکتی۔

صحیح بخاری کی تعلیقات میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مرتضیٰ نے فرمایا:

حدثوا الناس بما یعرفون اتحبون ان یکذب اللہ و رسولہ. (کتاب العلم)

''لوگوں سے وہی کہو جو سمجھ سکتے ہو' کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ خدا یا خدا کا رسول جھٹلایا جائے''۔

مقصود یہ ہے کہ اگر ان سے ایسی باتیں کی جائیں جو ان کے فہم سے بالاتر ہوں تو لامحالہ اپنی کوتاہی عقل سے وہ ان باتوں کو غلط سمجھیں گے اور اس طرح سے وہ نادانستگی میں خدا اور رسول کی تکذیب کے جرم کے مرتکب ہوں گے۔ اس لیے لوگوں سے ان کی عقل کے موافق گفتگو کرنی چاہیے کہ ہر مصالح الٰہی ہر شخص کی سمجھ میں یکساں نہیں آ سکتے ہیں۔

احکام اور روایات کے الفاظ اگر متعدد معنوں کو متحمل ہوں تو آپ کا یہ فیصلہ ہے کہ ان میں سے وہی معنی صحیح ہوں گے جو رسالت اور نبوت کی شان کے شایان ہوں۔ مسند ابن حنبل کے مطابق اس روایت کے اصل الفاظ یہ ہیں' آپ نے فرمایا:

اذا حدثتم عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحدیث فظنوا بہ الذی هو اهدیٰ و الذی هو اتقی و الذی هو اهنا. (ص ۱۳۰)

''جب تم سے رسول اللہ ﷺ کی کوئی حدیث بیان کی جائے تو اس کے معنی وہ سمجھو

marfat.com

جو زیادہ قرین ہدایت زیادہ پرہیزگارانہ اور زیادہ بہتر ہوں"۔

موزوں پر مسح کرنا سنت ہے' لیکن یہ مسح نیچے تلووں پر نہیں بلکہ اوپر پاؤں پر کیا جاتا ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جیسا کہ سنن ابی داؤد میں ہے:

لو كان الدين بالراى لكان باطن المقدمين احق بالمسح من ظاهر هما وقد مسح النبى صلى الله عليه وسلم على اظهر خفيه.

(باب كيف المسح)

"اگر دینی مسائل کا انحصار محض رائے پر ہوتا تو تلوے اوپر کے پاؤں سے زیادہ مسح کے مستحق ہوتے لیکن آنحضرت ﷺ نے موزوں کی پشت پا پر مسح فرمایا"۔

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کا مقصود یہ ہے کہ چلنے کی وجہ سے اگر گرد و غبار کے دور کرنے اور صفائی کی غرض سے یہ مسح ہوتا تو نیچے کے تلووں پر مسح ہوتا' لیکن آنحضرت ﷺ نے نیچے نہیں اوپر مسح فرمایا۔ اس لیے احکام الٰہی کے مصالح کی تعیین میں محض ظاہری عقل و رائے کو دخل نہیں ہے۔

یہی روایت مسند ابن حنبل (جلد اول ص ۱۱۴) میں اس طرح ہے کہ آپ نے فرمایا کہ اگر میں رسول اللہ ﷺ کو مسح کرتے ہوئے نہ دیکھتا تو سمجھتا کہ نیچے مسح کرنا اوپر کرنے سے زیادہ بہتر ہے یعنی ظاہر قیاس کا مقتضی یہی تھا' مگر حکم الٰہی محض ظاہری قیاس پر مبنی نہیں۔

تصوف:

اس بیان سے یہ نہ سمجھنا چاہیے کہ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اسرار شریعت پر عبور نہ تھا بلکہ ان کا مسلک یہ تھا کہ عوام کے لیے یہ موزوں نہیں ہیں اور یہ بالکل سچ ہے کہ اس سے عوام کے طبائع میں احکام الٰہی کی اتباع اور پیروی کے بجائے عدم عمل کے لیے حیلہ سازی اور فلسفیانہ بہانہ جوئی پیدا ہوتی ہے خواص اس فرق کو سمجھتے ہیں اس لیے ان ہی کے لیے یہ علم موزوں ہے۔ چنانچہ تصوف جو مذہب کی جان' شریعت کی روح اور جو خاصانِ امت کا حصہ ہے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے اس کے حقائق و معارف بہت خوبی سے بیان کیے ہیں۔

marfat.com

تصوف کے اکثر سلسلے سینہ مرتضوی ؓ پر جا کر ختم ہوتے ہیں۔ حضرت جنید رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ ''اصول اور آزمائش و امتحان میں ہمارے شیخ الشیوخ علی ؓ مرتضیٰ ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے ازالۃ الخفاء میں لکھا ہے کہ خلافت سے پہلے حضرت ممدوح کو اس میں بے حد انہماک تھا' مگر خلافت کے بعد اس کی مصروفیت نے ان کو اس فن کی تفصیل بیان کرنے کی فرصت نہ دی۔[1]

محدثین کے اصول روایت کے مطابق حضرت علی مرتضیٰ ؓ کے یہ صوفیانہ اقوال پایہ صحت کو نہیں پہنچتے اور نہ سلسلہ صحبت کی کڑیاں ثابت ہوتی ہیں کہ یہ اکثر سلسلے حضرت حسن بصری ؒ پر جا کر تمام ہوتے ہیں' ان کو حضرت علی مرتضیٰ ؓ کا فیض اور صحبت یافتہ سمجھا جاتا ہے۔ مگر حضرت حسن بصری ؒ کی صحبت اور تعلیم محدثین کی روایتوں سے ثابت نہیں ہوتی بلکہ امام ترمذی نے تو اس سے بھی انکار کیا ہے کہ انہوں نے بلا واسطہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے کچھ سنا بھی ہے بہر حال اتنا بالاتفاق ثابت ہے کہ انہوں نے حضرت علی مرتضیٰ ؓ کو خلافت سے پہلے مدینہ میں دیکھا تھا اور ان کے دیدار سے مشرف تھے' اور اس وقت ان کی عمر غالباً ۱۴' ۱۵ برس کی تھی۔

تقریر و خطابت:

تقریر و خطابت میں حضرت علی ؓ مرتضیٰ کو خداداد ملکہ حاصل تھا اور مشکل سے مشکل مسائل پر بڑے بڑے مجمعوں میں فی البدیہہ تقریر فرماتے تھے۔ تقریریں نہایت خطیبانہ مدلل اور مؤثر ہوتی تھیں ۳۹ھ میں جب امیر معاویہ ؓ نے مدافعت کے بجائے جارحانہ طریق عمل اختیار کیا تو جمعہ کے روز اپنی جماعت کو ابھارنے کے لیے جو خطبہ دیا تھا' اس سے زور تقریر اور حسن خطاب کا اندازہ ہوگا۔

اما بعد فان الجهاد باب من ابواب الجنة من تركه البسه الله الزلة وشمله بالصغار و سيم الخسف وسيل الضيم و انى قد دعوتكم الى الجهاد وهؤلاء القوم ليلاً و نهارا و سرا وجهاراً و قلت لكم اعزوهم

[1] ازالۃ الخفاء ص ۲۷۴

marfat.com

قبل ان یغزوکم فما عزی قوم فی عقر دارھم الاذلوا واجترء علیھم عدولھم ھذا اخوبنی عامر قدور دا لانبار وقتل ابن حسان البکری و ازال مسالحکم عن مواضعھا وقتل رجا لا منکم صالحین وقد بلغنی انھم کانوا یدخلون بیت المرأۃ المسلمۃ و الاخریٰ المعاھدۃ فینزع خجلھا من دجلھا و قلائدھا من عنقھا یا عجبھا من امریمیت القلوب و یحتلب النعم و یسعر الاخران من اجتماع القوم علی باطلھم و تفرقکم عن حقکم فبعداً لکم وسحقًا قد مرتم غرضًا ترمون و لا ترمون و یغار علیکم و لا تغیرون و یعصی اللہ فترضون اذا قلت لکم سیروا فی الشتاء قلتم کیف نغزو فی ھذا القرو الصروان قلت لکم سیروا فی الصیف قلتم حتیٰ ینصوم عنا حرارۃ القیظ و کل ھذا فرار من الموت فاذا کنتم من الحروا نقر تفرون فانتم و اللہ من السیف افروا الذی نفسی بیدہ مامن ذالک تھربون و لکن من السیف تحیلون یا اشباہ الرجال و لا الرجال و یا احلام اطفال و عقول ربات الحجال اما و اللہ لودوت ان اللہ اخرجنی من بین اظھرکم و قبضتی الی رحمۃ من بینکم و ودرت انی الم ارکم و لم اعرفکم و اللہ ملاتم صدری غیظاً وجرعتمونی الامرین انفاسا و افسدتم علی رائی بالعصیان و الخذلان.

''حمد ونعت کے بعد' جہاد جنت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے جس نے اس کو چھوڑا' خدا اس کو ذلت کا لباس پہناتا ہے' اور رسوائی کو شامل حال کرتا ہے اور ذلت کا مزہ چکھایا جاتا ہے اور دشمنوں کی دست درازی میں گرفتار ہوتا ہے' میں نے تم کو شب و روز اعلانیہ اور پوشیدہ' ان لوگوں سے لڑنے کی دعوت دی اور میں نے کہا کہ اس سے پہلے کہ وہ حملہ کریں میں حملہ کروں' کوئی قوم جس پر اس کے گھر میں آ کر حملہ کیا جائے وہ ذلیل و رسوا ہوتی ہے اس کا دشمن اس پر جری ہوتا ہے

marfat.com

دیکھو کہ عامری نے انبار میں آ کر ابن حسان بکری کو قتل کر دیا' تمہارے مورچوں کو اپنی جگہ سے ہٹا دیا' تمہاری فوج کے چند نیکوکار بہادروں کو قتل کر ڈالا' اور مجھے یہ خبر معلوم ہوئی ہے کہ وہ مسلمان اور ذمی عورتوں کے گھروں میں گھسے اور ان کے پاؤں سے ان کے پازیب' ان کے گلے سے ان کے ہار اتار لیے' ایک قوم کا باطل پر اجتماع اور تمہارا امر حق سے برگشتہ ہونا کس قدر تعجب انگیز ہے جو دلوں کو مردہ کرتا ہے اور غم و رنج کو بڑھاتا ہے' تمہارے لیے دوری و ہلاکت ہو تم نشانہ بن گئے ہو اور تم پر تیر برسایا جاتا ہے لیکن تم خود تیر نہیں چلا سکتے تم پر غارت گری کی جاتی ہے' لیکن تم غارت گری نہیں کرتے خدا کی نافرمانی کی جاتی ہے اور تم اس کو پسند کرتے ہو' جب تم سے کہتا ہوں کہ موسم سرما میں فوج کشی کرو تم کہتے ہو کہ اس قدر سردی اور پالے میں کس طرح لڑ سکتے ہیں اور اگر کہتا ہوں کہ موسم گرما میں چلو تو کہتے ہو کہ گرمی کی شدت کم ہو جائے تب' حالانکہ یہ سب موت سے بھاگنے کا حیلہ ہے۔ پس تم گرمی سردی سے بھاگتے ہو تو خدا کی قسم! تلوار سے اور بھی بھاگو گے۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم اس سے نہیں بھاگتے بلکہ تلوار سے جان چراتے ہو' اے مرد نہیں' بلکہ مرد کی تصویر و! اور اے بچوں اور عورتوں کی سی عقل اور سمجھ رکھنے والو! خدا کی قسم میں پسند کرتا ہوں کہ خدا تمہاری جماعت سے مجھے نکال لے جائے اور (موت دے کر) اپنی رحمت نصیب کرے' میری تمنا تھی کہ تم سے جان پہچان نہ ہوتی خدا کی قسم! تم نے میرا سینہ غیظ و غضب سے بھر دیا ہے' تم نے مجھے وہ تلخیوں کے گھونٹ پلائے ہیں اور عصیان و نافرمانی کر کے میری رائے کو برباد کر دیا''۔

آپ کے طرف داروں کے دل اگرچہ پژمردہ ہو چکے تھے اور قوائے عمل نے جواب دے دیا تھا تاہم اس پر جوش اور ولولہ انگیز تقریر نے تھوڑی دیر کے لیے ہلچل پیدا کر دی اور ہر طرف سے پر جوش صداؤں نے لبیک کہا۔

شریف رضی نے حضرت علیؓ کے تمام خطبوں کو ''نہج البلاغۃ'' کے نام سے چار جلدوں

marfat.com

میں جمع کر دیا ہے اور ان پر اپنی رائے ظاہر کرتے ہوئے صحیح لکھا ہے کہ ان خطبوں نے ہزاروں اور لاکھوں آدمیوں کو فصیح و بلیغ مقرر بنا دیا- لیکن نہج البلاغۃ کے تمام خطبوں کا صحیح ہونا ایک مشتبہ امر ہے' کیونکہ ان میں ایسے اصلاحات و خیالات بھی ہیں جو تیسری صدی میں یونانی فلسفہ کے ترجمہ کے بعد سے عربی میں رائج ہوئے ہیں اور ان میں حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی زبان سے ایسی باتیں بھی ہیں جن کو کوئی صاحب ایمان ان کی طرف منسوب نہیں کر سکتا-

شاعری:

جناب مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی طرف بہت سے اشعار بھی منسوب ہیں جن میں سے دو چار احادیث صحیحہ میں بھی مذکور ہیں- مثلاً آپ کا وہ رجز یہ شعر جو معرکہ خیبر میں آپ نے پڑھا تھا-

انا الذی سمتنی امی حیدرۃ کلیث غابات کریہ المنظرۃ

لیکن بہت سے جعلی اشعار بنا کر آپ کی طرف منسوب کر دیئے گئے ہیں' بلکہ ایک پورا دیوان دیوان علی رضی اللہ عنہ کے نام سے موجود ہے- جس کو افسوس ہے کہ طلباء اور علماء نہایت شوق سے پڑھتے پڑھاتے ہیں- حالانکہ اس کی زبان اس لائق بھی نہیں کہ کسی عربی شاعر کی طرف منسوب کی جائے- چہ جائیکہ افصح الفصحاء حضرت علی رضی اللہ عنہ کی طرف- حاکم نے مستدرک میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا زہرا کے مرثیہ میں آپ کی زبان مبارک سے دو شعر نقل کیے ہیں-

علم نحو کی ایجاد:

علم نحو کی بنیاد خاص حضرت علی رضی اللہ عنہ کے دست مبارک سے رکھی گئی ہے ایک دفعہ ایک شخص کو قرآن شریف غلط پڑھتے سنا- اس سے خیال پیدا ہوا کہ کوئی ایسا قاعدہ بنا دیا جائے جس سے اعراب میں غلطی واقع نہ ہو سکے- چنانچہ ابو الاسود دوئلی کو چند قواعد کلیہ بتا کر اس فن کی تدوین پر مامور کیا-[1] اس طرح علم نحو کے ابتدائی اصول بھی آپ ہی کی طرف منسوب ہیں-

[1] فہرست ابن ندیم

marfat.com

اخلاق و عادات اور ذاتی حالات

حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ایام طفولیت ہی سے سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے دامن عاطفت میں تربیت پائی تھی اس لیے وہ قدرتاً محاسن اخلاق اور حسن تربیت کے نمونہ تھے۔ آپ کی زبان کبھی کلمہ شرک و کفر سے آلودہ نہ ہوئی اور نہ آپ کی پیشانی غیر خدا کے آگے جھکی۔ جاہلیت کے ہر قسم کے گناہ سے مبرا اور پاک رہے۔ شراب کے ذائقہ سے جو عرب کی گھٹی میں تھی، اسلام سے پہلے بھی آپ کی زبان آشنا نہ ہوئی اور اسلام کے بعد تو اس کا کوئی خیال ہی نہیں کیا جا سکتا۔[1]

امانت و دیانت:

آپ ایک امین کے تربیت یافتہ تھے اس لیے ابتداء ہی سے امین تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس قریش کی امانتیں جمع رہتی تھیں۔ جب آپ نے ہجرت فرمائی تو ان امانتوں کی واپسی

---

[1] ترمذی اور ابوداؤد کی ایک روایت میں ہے کہ شراب کی حرمت سے پہلے دوستوں کے ایک جلسہ میں حضرت علیؓ نے شراب پی اور اسی حالت میں نماز پڑھائی تو سورۃ قل یایھا الکفرون کچھ سے کچھ پڑھ دی، اس پر شراب کی حرمت کی آیت نازل ہوئی، گو شراب کی حرمت کے نازل ہونے سے پہلے شراب پینا مذہباً گناہ نہیں تھا تاہم ظاہر ہے کہ کمال تقویٰ کے خلاف ضرور تھا اور دوسری روایتوں سے یہ بالکل ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا دامن مبارک کبھی اس سے آلودہ ہوا؟ اسی لیے اس روایت کے قبول کرنے میں ہمیں تردد ہے۔ اصل یہ ہے کہ اس کا اخیر راوی گو پہلے علوی تھا مگر آخر میں حضرت علیؓ کا مخالف (عثمانی) ہو گیا تھا۔ اس لیے حضرت علیؓ کی شان میں اس کی شہادت معتبر نہیں ہو سکتی۔ اب حاکم کی مستدرک چھپ چکی ہے اس کی روایت سے اصلی واقعہ ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ نے یہ واقعہ ایک اور شخص کا بیان کیا تھا، عثمانی راوی نے خود حضرت علیؓ مرتضیٰ کا نام رکھ دیا۔ حاکم نے اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ بحمد اللہ اس روایت سے حضرت علیؓ کے مخالفین جو آپ پر اعتراض کرتے تھے وہ اٹھ گیا۔

marfat.com

کی خدمت حضرت علیؓ کے سپرد فرمائی۔[1] اپنے عہد خلافت میں آپ نے مسلمانوں کی امانت بیت المال کی جیسی امانت داری فرمائی۔ اس کا اندازہ حضرت ام کلثومؓ کے اس بیان سے ہو سکتا ہے کہ ایک دفعہ نارنگیاں آئیں۔ حضرت امام حسنؓ، حضرت امام حسینؓ نے ایک نارنگی اٹھا لی۔ جناب امیر رضی اللہ عنہ نے دیکھا تو چھین کر لوگوں میں تقسیم کر دی۔[2]

مال غنیمت تقسیم فرماتے تھے تو برابر حصے لگا کر غایت احتیاط میں قرعہ ڈالتے تھے کہ اگر کچھ کمی بیشی رہ گئی ہو تو آپ اس سے بری ہو جائیں۔ ایک دفعہ اصفہان سے مال آیا اس میں ایک روٹی بھی تھی۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تمام مال کے ساتھ اس روٹی کے بھی سات ٹکڑے کیے اور قرعہ ڈال کر تقسیم فرمایا۔ ایک دفعہ بیت المال کا تمام اندوختہ تقسیم کر کے اس میں جھاڑو دی اور دو رکعت نماز ادا فرمائی کہ وہ قیامت میں ان کی امانت و دیانت کی شاہد رہے۔[3]

زہد:

آپ کی ذات گرامی زہد فی الدنیا کا نمونہ تھی بلکہ حق یہ ہے کہ آپ کی ذات پر زہد کا خاتمہ ہو گیا۔ آپ کے کاشانہ فقر میں دنیاوی شان و شکوہ کا درگذر نہ تھا' کوفہ تشریف لائے تو دارالامارت کے بجائے ایک میدان میں فروکش ہوئے اور فرمایا کہ عمرؓ بن الخطاب نے ہمیشہ ہی ان عالی شان محلات کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا مجھے بھی اس کی حاجت نہیں' میدان ہی میرے لیے بس ہے۔

بچپن سے پچیس چھبیس برس کی عمر تک آنحضرت ﷺ کے ساتھ رہے اور شہنشاہ اقلیم زہد و قناعت کے یہاں دنیاوی عیش کا کیا ذکر تھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ شادی ہوئی تو علیحدہ مکان میں رہنے لگے۔ اس نئی زندگی کے ساز و سامان کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ سیدہ جنت جو ساز و سامان اپنے میکہ سے لائی تھیں' اس میں ایک چیز کا بھی اضافہ نہ ہو سکا۔ چکی پیستے پیستے حضرت فاطمہؓ کے ہاتھوں میں گھٹے پڑ گئے تھے' گھر میں اوڑھنے کی صرف ایک چادر

---

[1] اسد الغابہ ج ۴ ص ۱۹۔ [2] ازالۃ الخفاء بحوالہ ابن ابی شیبہ
[3] ایضاً ابو عمر ص ۳۶۶

marfat.com

تھی، وہ بھی اس قدر مختصر کہ پاؤں چھپاتے تو سر برہنہ ہو جاتا اور سر چھپاتے تو پاؤں کھل جاتا معاش کی یہ حالت تھی کہ ہفتوں گھر سے دھواں نہیں اٹھتا تھا بھوک کی شدت ہوتی تو پیٹ سے پتھر باندھ لیتے۔ ایک دفعہ شدت گرسنگی میں کاشانہ اقدس سے باہر نکلے کہ مزدوری کر کے کچھ کما لائیں۔ عوالی[1] مدینہ میں دیکھا کہ ایک ضعیفہ کچھ اینٹ پتھر جمع کر رہی ہے۔ خیال ہوا کہ شاید اپنا باغ سیراب کرنا چاہتی ہے اس کے پاس پہنچ کر اجرت طے کی اور پانی سینچنے لگے۔ یہاں تک کہ ہاتھوں میں آبلے پڑ گئے۔ غرض اس محنت و مشقت کے بعد ایک مٹھی کھجوریں اجرت میں ملیں لیکن تنہا خوری کی عادت نہ تھی بجنسہ لیے ہوئے بارگاہ نبوت میں حاضر ہوئے۔ آنحضرت ﷺ نے تمام کیفیت سن کر نہایت شوق کے ساتھ کھانے میں ساتھ دیا۔[2]

ایام خلافت میں بھی زہد کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹا اور آپ کی زندگی میں کوئی فرق نہ آیا۔ موٹا جھوٹا لباس اور روکھا پھیکا کھانا ان کے لیے دنیا کی سب سے بڑی نعمت تھی۔ ایک دفعہ عبداللہ بن زریر نامی ایک صاحب شریک طعام تھے، دستر خوان پر کھانا نہایت معمولی اور سادہ تھا، انہوں نے کہا۔ امیر المؤمنین! آپ کو پرند کے گوشت سے شوق نہیں ہے۔ فرمایا ابن زریر! خلیفہ وقت کو مسلمانوں کے مال میں سے صرف دو پیالوں کا حق ہے، ایک خود کھائے اور اہل کو کھلائے اور دوسرا خلق خدا کے سامنے پیش کرے۔[3]

در دولت پر کوئی حاجب نہ تھا۔ نہ دربان، نہ امیر نہ کروفر، شاہانہ تزک و احتشام اور عین اس وقت جب قیصر و کسریٰ کی شہنشاہی مسلمانوں کے لیے زر و جواہر اگل رہی تھی۔ اسلام کا خلیفہ ایک معمولی غریب کی طرح زندگی بسر کرتا تھا اور اس پر فیاضی کا یہ حال تھا کہ داد و دہش کی بدولت کبھی فقر و فاقہ کی نوبت بھی آ جاتی تھی۔ ایک دفعہ منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ”میری تلوار کا کون خریدار ہے؟ خدا کی قسم! اگر میرے پاس ایک تہہ بند کی قیمت ہوتی تو اس کو فروخت نہ کرتا“ ایک شخص نے کھڑے ہو کر کہا ”امیر المؤمنین! میں تہہ بند کی

---

1. مدینہ کے قرب و جوار کی آبادی کا نام عوالی تھا

2. مسند ابن حنبل ص ۱۳۵ 3. مسند احمد ج ۱ ص ۷۸

marfat.com

قیمت قرض دیتا ہوں''۔

گھر میں کوئی خادمہ نہ تھی' شہنشاہ دو عالمؐ کی بیٹی گھر کا سارا کام اپنے ہاتھوں سے انجام دیتی تھی۔ ایک مرتبہ شفیق باپ کے پاس اپنی مصیبت بیان کرنے گئیں۔ حضرت سرورِ کائنات ﷺ موجود نہ تھے اس لیے واپس آ کر سو رہی۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی اطلاع پر آنحضرت ﷺ خود تشریف لائے اور فرمایا ''کیا تم کو ایک ایسی بات نہ بتادوں جو ایک خادم سے کہیں زیادہ تمہارے لیے مفید ہو۔'' اس کے بعد آپؐ نے تسبیح کی تعلیم دی۔[1]

عبادات:

حضرت علی رضی اللہ عنہ اللہ کے نہایت عبادت گذار بندے تھے' عبادات ان کا مشغلہ حیات تھا جس کا شاہد خود قرآن ہے۔ کلام پاک کی اس آیت:

﴿مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا﴾

''محمد رسولؐ اللہ اور وہ لوگ جو ان کے ساتھ ہیں کافروں پر سخت ہیں باہم رحم دل ہیں تم ان کو دیکھتے ہو کہ بہت رکوع اور بہت سجدہ کر کے خدا کا فضل اور اس کی رضا مندی کی جستجو کرتے ہیں''۔

کی تفسیر میں مفسرین نے نکتہ لکھا ہے کہ وَ الَّذِيْنَ مَعَهٗۤ سے ابوبکرؓ صدیق اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ سے عمرؓ بن الخطاب رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ سے عثمانؓ بن عفان' رُكَّعًا سُجَّدًا سے حضرت علیؓ ابن ابی طالب اور يَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانًا سے بقیہ صحابہؓ مراد ہیں[2] اس سے عبادات میں تمام صحابہؓ پر حضرت علیؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کیونکہ رکوع و سجود تمام صحابہ کا مشترک وصف تھا پھر اس اشتراک میں تخصیص سے معلوم ہوا کہ اس اشتراک کے باوجود ان کو اس باب میں کچھ مزید امتیاز بھی حاصل تھا۔

---

1. بخاری کتاب الدعوات باب التسبیح و التکبیر عند المنام
2. تفسیر فتح البیان ج ۹

marfat.com

قرآن مجید کے اس اشارہ کے علاوہ خود صحابہؓ کی زبان سے ان کے اس امتیازی وصف کی شہادت مذکور ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

کان ما علمت صواما قواما[1]

''جہاں تک مجھے معلوم ہے وہ بڑے روزہ دار اور عبادت گذار تھے''۔

زبیر بن سعید قریشی کہتے ہیں:

لم ارها شمیاقط کان اعبد الله منه.[2]

''میں نے کسی ہاشم کو نہیں دیکھا جوان سے زیادہ خدا کا عبادت گذار ہو''۔

ان حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبادات میں جس چیز کا التزام کر لیتے تھے۔ اس پر ہمیشہ قائم رہتے تھے۔ ایک موقع پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح، دس بار تحمید اور دس بار تکبیر پڑھ لیا کرو اور جب سونے لگو تو ۳۳ بار تسبیح، ۳۳ بار تحمید اور ۳۴ بار تکبیر پڑھ لیا کرو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ کو اس کی تلقین کی میں نے اس کو چھوڑا نہیں۔ ابن کواء نے کہا کہ ''صفین کی شب میں بھی نہیں؟ فرمایا ''صفین کی شب میں بھی نہیں''۔[3]

انفاق فی سبیل اللہ:

حضرت علی رضی اللہ عنہ گو دنیاوی دولت سے تہی دامن تھے، لیکن دل غنی تھا، کبھی کوئی سائل آپ کے در سے ناکام واپس نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ قوت لایموت تک دے دیتے۔ ایک دفعہ رات بھر باغ سینچ کر تھوڑے سے جو مزدوری میں حاصل کیے، صبح کے وقت گھر تشریف لائے تو ایک ایک ثلث پسوا کر حریرہ پکوانے کا انتظام کیا۔ اب پک کر تیار ہی ہوا تھا کہ

---

1. ترمذی کتاب المناقب فضل فاطمہ
2. مستدرک حاکم ج ۳ ص ۱۰۸
3. مسند ابن حنبل ج ۱ ص ۱۰۷ و ابوداؤد کتاب الادب

marfat.com

ایک مسکین نے صدا دی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے سب اٹھا کر اس کو دے دیا اور پھر بقیہ میں دوسرے ثلث کے پکنے کا انتظار کیا لیکن تیار ہوا کہ ایک یتیم مسکین نے دست سوال بڑھایا' اسے بھی اٹھا کر اس کی نذر کیا غرض اسی طرح تیسرا حصہ بھی جو بچ رہا تھا پکنے کے بعد ایک مشرک قیدی کی نذر ہو گیا اور یہ مرد خدا رات بھر کی مشقت کے باوجود دن کو فاقہ مست رہا خدائے پاک کو یہ ایثار کچھ ایسا بھایا کہ بطور ستائش اس کے صلہ میں وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا. (الآیۃ) کی آیت نازل ہوئی۔[1]

تواضع:

سادگی اور تواضع حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دستار فضیلت کا سب سے خوشنما طرہ ہے۔ اپنے ہاتھ سے محنت و مزدوری کرنے میں کوئی عار نہ تھا۔ لوگ مسائل پوچھنے آتے تو آپ کبھی جوتا ٹانکتے' کبھی اونٹ چراتے اور کبھی زمین کھودتے ہوئے پائے جاتے' مزاج میں بے تکلفی اتنی تھی کہ فرش خاک پر بے تکلف سو جاتے۔ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ انہیں ڈھونڈتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے' دیکھا کہ بے تکلفی کے ساتھ زمین پر سو رہے ہیں' چادر پیٹھ کے نیچے سے سرک گئی ہے اور جسم انور گرد و غبار کے اندر کندن کی طرح دمک رہا ہے۔ سرور کائنات ﷺ کو یہ سادگی نہایت پسند آئی۔ خود دست مبارک سے ان کا بدن صاف کر کے محبت آمیز لہجہ میں فرمایا' اجلس یا ابا تراب۔[2]

مٹی والے اب اٹھ بیٹھ' زبان نبوی ﷺ کی عطا کی ہوئی یہ کنیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس قدر محبوب تھی کہ جب کوئی اس سے مخاطب کرتا تو خوشی سے ہونٹوں پر تبسم کی لہر دوڑ جاتی۔

ایام خلافت میں بھی یہ سادگی قائم رہی' عموماً چھوٹی آستین اور اونچے دامن کا کرتہ

---

1. بخاری کتاب المناقب' مناقب علی رضی اللہ عنہ
2. بخاری کتاب المناقب باب مناقب علی رضی اللہ عنہ

marfat.com

اور معمولی کپڑے کی تہ بند باندھتے۔ بازار میں گشت کرتے پھرتے اگر کوئی تعظیماً پیچھے ہو لیتا تو منع فرماتے کہ اس میں ولی کے لیے فتنہ اور مومن کے لیے ذلت ہے۔[1]

شجاعت:

شجاعت و بسالت حضرت علی ؓ کا مخصوص وصف تھا جس میں کوئی معاصر آپ کا حریف نہ تھا۔ آپ تمام غزوات میں شریک ہوئے اور سب میں اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ اسلام میں سب سے پہلا غزوۂ بدر پیش آیا' اس وقت حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا عنفوانِ شباب تھا' لیکن اس عمر میں آپ نے جنگ آزما بہادروں کے دوش بدوش ایسی داد شجاعت دی کہ آپ اس کے ہیرو قرار پائے۔

آغازِ جنگ میں آپ کا مقابلہ ولید سے ہوا۔ ایک ہی وار میں اس کا کام تمام کر دیا۔ پھر شیبہ کے مقابلہ میں حضرت عبیدہ بن حارث آئے اور اس نے ان کو زخمی کیا تو حضرت حمزہ ؓ اور حضرت علی ؓ نے حملہ کر کے اس کا کام بھی تمام کر دیا۔ غزوۂ احد میں کفار کا جھنڈا طلحہ بن ابی طلحہ کے ہاتھ میں تھا' اس نے مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰ ؓ ہی اس کے مقابلہ میں آئے اور سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی خبر ہوئی تو فرطِ مسرت میں تکبیر کا نعرہ بلند کیا اور مسلمانوں نے بھی تکبیر کے نعرے لگائے۔

غزوۂ خندق میں بھی پیش پیش رہے۔ چنانچہ عرب کے مشہور پہلوان عمرو بن عبدود نے جب مبارزت طلب کی تو حضرت علی مرتضیٰ ؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میدان میں جانے کی اجازت چاہی' آپ ؐ نے ان کو اپنی تلوار عنایت فرمائی۔ خود اپنے دست مبارک سے ان کے سر پر عمامہ باندھا اور دعا کی خداوندا! تو اس کے مقابلہ میں ان کا مددگار رہو۔ اس اہتمام سے آپ ابن عبدود کے مقابلہ میں تشریف لے گئے اور اس کو زیر کر کے تکبیر کا نعرہ مارا' جس سے مسلمانوں کو معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنے حریف پر کامیابی

---

[1] تاریخ طبری ص ۳۳۳۸

marfat.com

حاصل کر لی۔

غزوۂ خیبر کا معرکہ حضرت علیؓ ہی کی شجاعت سے سر ہوا۔ جب خیبر کا قلعہ کئی دن تک فتح نہ ہو سکا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کل میں جھنڈا ایسے شخص کو دوں گا۔ جو خدا اور خدا کے رسول کو محبوب رکھتا ہے اور خدا اور خدا کے رسول اس کو محبوب رکھتے ہیں۔ چنانچہ دوسرے دن آپؐ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو جھنڈا عنایت فرمایا اور خیبر کا رئیس مرحب تلوار ہلاتا ہوا اور رجز پڑھتا ہوا مقابلے میں آیا۔ اس کے جواب میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ رجز خواں آگے بڑھے اور مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ سر پھٹ گیا اور خیبر فتح ہو گیا۔ خیبر کی فتح کو آپ کے جنگی کارناموں میں خاص امتیاز حاصل ہے۔

غزوات میں غزوۂ ہوازن خاص اہمیت رکھتا ہے اس میں تمام قبائل عرب کی متحدہ طاقت مسلمانوں کے خلاف امنڈ آئی تھی۔ لیکن اس غزوہ میں بھی حضرت علی رضی اللہ عنہ ہر موقع پر ممتاز رہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جن اکابر صحابہ کو جھنڈے عنایت فرمائے۔ ان میں حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی شامل تھے۔ آغاز جنگ میں جب کفار نے دفعتہً تیروں کا مینہ برسانا شروع کیا تو مسلمانوں کے پاؤں اکھڑ گئے اور صرف چند ممتاز صحابہ کرام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے ان میں ایک حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ بھی تھے، عہد نبوت کے بعد خود ان کے زمانہ میں جو معرکے پیش آئے ان میں کبھی ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوئی۔

دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک:

حدیث میں آیا ہے کہ ''بہادر وہ نہیں ہے جو دشمن کو پچھاڑ دے، بلکہ وہ ہے جو اپنے نفس کو زیر کرے''۔ حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ اس میدان کے مرد تھے، ان کی زندگی کا اکثر حصہ مخالفین کی معرکہ آرائی میں گذرا۔ لیکن بایں ہمہ انہوں نے ہمیشہ دشمنوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا۔ ایک دفعہ ایک لڑائی میں جب ان کا حریف گر کر برہنہ ہو گیا تو اس کو چھوڑ کر الگ کھڑے ہو گئے کہ اس کو شرمندگی نہ اٹھانی پڑے۔ جنگ جمل میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ان کی حریف تھیں، لیکن جب ایک ضبی نے ان کے اونٹ کو زخمی کر کے گرایا تو خود حضرت علی کرم اللہ

marfat.com

وجہہ نے آگے بڑھ کر ان کی خیریت دریافت کی اور ان کو ان کے طرف دار بصرہ کے رئیس کے گھر میں اتارا- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فوج کے تمام زخمیوں نے بھی اسی گھر کے ایک گوشے میں پناہ لی تھی- حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ملنے کے لیے تشریف لے گئے لیکن ان پناہ گذین دشمنوں سے کچھ تعرض نہیں کیا-

جنگ جمل میں جو لوگ شریک جنگ تھے' ان کی نسبت بھی عام منادی کرا دی کہ بھاگنے والوں کا تعاقب نہ کیا جائے' زخمیوں کے اوپر گھوڑے نہ دوڑائے جائیں مال غنیمت نہ لوٹا جائے جو ہتھیار ڈال دے اس کو امان ہے-

حضرت زبیر رضی اللہ عنہ نے ایک حریف کی حیثیت سے ان کا مقابلہ کیا تھا اور جنگ جمل کے سپہ سالاروں میں تھے' مگر جب ان کا قاتل ابن جرموزان کا مقتول سر اور تلوار لے کر حضرت علیؓ کے پاس آیا تو وہ آبدیدہ ہو گئے اور فرمایا' فرزند صفیہؓ کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو- پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کی تلوار ہاتھ میں لے کر فرمایا' یہ وہی تلوار ہے جس نے کئی دفعہ آنحضرتؐ کے چہرہ سے مشکلات کا بادل ہٹایا ہے-

مستدرک میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ان کا سر آیا تو فرمایا کہ ''فرزند صفیہ رضی اللہ عنہا کے قاتل کو جہنم کی بشارت دے دو' میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ہر نبی کے حواری ہوتے ہیں اور میرا حواری زبیرؓ ہے''۔[1]

جنگ جمل کے میدان میں جب آپ فریق مخالف کی لاشوں کا معائنہ کر رہے تھے تو ایک ایک لاش کو دیکھ کر افسوس کرتے تھے- جب حضرت طلحہؓ کے صاحبزادے محمد کی لاش پر نظر پڑی تو آہ سرد بھر کر فرمایا ''اے قریش کا شکرہ''!

ان کا سب سے بڑا دشمن ان کا قاتل ابن ملجم ہو سکتا تھا' لیکن انہوں نے اس کے متعلق جو آخری وصیت کی تھی وہ یہ تھی کہ اس سے معمولی طور پر قصاص لینا' مثلہ نہ کرنا- یعنی اس کے ہاتھ پاؤں اور ناک نہ کاٹنا- ابن سعد میں ہے کہ جب وہ آپ کے سامنے لایا گیا تو

---

[1] مستدرک ج ۳ ص ۳۶۷

marfat.com

فرمایا کہ اس کو اچھا کھانا کھلاؤ اور اس کو نرم بستر پر سلاؤ اگر میں زندہ بچ گیا تو اس کے معاف کرنے یا قصاص لینے کا مجھے اختیار حاصل ہوگا اور اگر میں مرگیا تو اس کو مجھ سے ملا دینا' میں خدا کے سامنے اس سے جھگڑلوں گا۔[1] دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک کی اس سے اعلیٰ مثال اور کیا ہوسکتی ہے؟

اصابت رائے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ صائب الرائے بھی تھے اور آپ کی اصابت رائے پر عہد نبویؐ ہی سے اعتماد کیا جاتا تھا' چنانچہ آپ تمام مہمات امور میں شریک مشورہ کیے جاتے تھے۔ واقعہ افک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے گھر کے راز داروں میں جن لوگوں سے مشورہ کیا ان میں سے ایک حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے غزوۂ طائف میں آپ نے ان سے اتنی دیر تک سرگوشی فرمائی کہ لوگوں کو اس پر رشک ہونے لگا۔

خلافت راشدہ کے زمانہ میں: وہ حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما دونوں کے مشیر تھے' چنانچہ حضرت ابوبکرؓ صدیق نے مہاجرین وانصار کی جو مجلس شوریٰ قائم کی تھی' اس کے رکن حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی تھے۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس مجلس کے ساتھ مہاجرین کی جو مخصوص مجلس شوریٰ قائم کی تھی اس کے اراکین کے نام اگرچہ ہم کو معلوم نہیں ہیں' لیکن حضرت علی رضی اللہ عنہ لازمی طور پر اس کے ایک رکن رہے ہوں گے' کیونکہ حضرت عمرؓ کو ان کی رائے پر اتنا اعتماد تھا کہ جب کوئی مشکل معاملہ پیش آ جاتا تو حضرت علیؓ سے مشورہ کرتے تھے۔ ایک موقع پر انہوں نے فرمایا تھا:

لو لا علی لھلک عمر.

''اگر علی نہ ہوتے عمر ہلاک ہو جاتا''۔

اس اعتماد کی بناء پر بعض امور میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی رائے کو اپنی رائے پر ترجیح دی ہے۔ معرکہ نہاوند میں جب ایرانیوں کی کثرت نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ

---

1. طبقات تذکرہ علیؓ بن ابی طالب

marfat.com

کو بے حد مشوش کر دیا' تو انہوں نے مسجد نبوی ﷺ میں تمام صحابہ کو جمع کر کے رائے طلب کی۔ حضرت طلحہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہا امیر المؤمنین آپ خود ہم سے زیادہ سمجھ سکتے ہیں۔ البتہ ہم لوگ تعمیل حکم کے لیے تیار ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے مشورہ دیا کہ شام ویمن وغیرہ سے فوجیں جمع کر کے آپ خود سپہ سالار ہو کر میدان جنگ تشریف لے جائیں حضرت علی رضی اللہ عنہ خاموش تھے' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان کی طرف دیکھا تو بولے کہ شام سے اگر فوجیں ہٹیں تو مفتوحہ مقامات پر دشمنوں کا تسلط ہو جائے گا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائے گی' اس لیے میری رائے یہ ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہلیں اور شام ویمن وغیرہ میں فرمان بھیج دیئے جائیں کہ جہاں جہاں جس قدر فوجیں ہوں ایک ایک ثلث ادھر روانہ کر دی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند کیا اور کہا کہ میرا بھی یہی خیال تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بھی ان سے اہم معاملات میں مشورے لیے اور اگر ان کے مشورہ پر عمل کیا جاتا تو ان کا عہد نہ صرف فتنہ وفساد سے محفوظ رہتا بلکہ قبائل عرب میں ایک ایسا توازن قائم ہو جاتا کہ آئندہ جھگڑے کی کوئی صورت ہی نہ پیدا ہوتی۔

آپ کی اصابت رائے کا سب سے بڑا ثبوت آپ کے فیصلوں میں ملتا ہے احادیث کی کتابوں میں بہت سے ایسے پیچیدہ مقامات مذکور ہیں جن کا فیصلہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کیا اور جب وہ فیصلے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ نے فرمایا:

ما اجد فیھا الا ما قال علی.

''میرے نزدیک بھی اس کا فیصلہ وہی ہے جو علیؓ نے کیا''۔

ان کے ایک اور فیصلہ کا ذکر کیا گیا تو آپؐ بہت خوش ہوئے اور فرمایا:

الحمدللہ الذی جعل فینا الحکمة اھل البیت[1]

''اس خدا کا شکر ہے جس نے ہم اہل بیت کو حکمت سکھائی''۔

---

1. ازالة الخفاء ص ۲۶۹ عن حمید بن عبداللہ بن یزید المدنی

marfat.com

شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے ازالۃ الخفاء میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے محاسن اخلاق پر ایک نہایت جامع بحث کی ہے' جس کا خلاصہ یہاں مناسب ہوگا وہ لکھتے ہیں:

بڑے بڑے لوگوں کی سرشت میں جو عظیم الشان اخلاق داخل ہوتے ہیں' مثلاً شجاعت' قوت' حمیت اور وفا وہ سب ان میں موجود تھے اور فیض ربانی نے ان سب کو اپنی مرضی میں صرف کیا اور ان کے ایک ایک خلق کے ساتھ اس فیض ربانی کی آمیزش سے ایک ایک مقام پیدا ہوا۔ ریاض النظرہ میں ہے کہ جب وہ راہ چلتے تھے تو ادھر ادھر جھکے ہوئے چلتے تھے' اور جب کسی کا ہاتھ پکڑ لیتے تھے تو وہ سانس تک نہیں لے سکتا تھا۔ وہ تقریباً فربہ اندام تھے' ان کی کلائیاں اور ان کے ہاتھ مضبوط تھے اور دل کے مضبوط تھے' جس شخص سے کشتی لڑتے اس کو پچھاڑ دیتے تھے بہادر تھے اور جس سے جنگ میں مقابلہ کرتے اس پر غالب آتے تھے۔

ان کے تمام محاسن اخلاق میں ایک وفا تھی اور جب فیض ربانی نے اس کو موہبت کیا تو مقام محبت ان کے لیے ایک مسلمہ چیز بن گیا۔ رسول اللہؐ نے جیسا کہ متواتر طور پر ثابت ہے' فرمایا کہ میں کل ایسے شخص کو جھنڈا دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہے اور اللہ اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس سے محبت کرتے ہیں بالآخر آپؐ نے جھنڈا حضرت علی رضی اللہ عنہ کو دیا۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق' دشمنوں کی مدافعت و مبارزت تھی جسے فیض ربانی نے ان کے سوابق اسلامیہ میں صرف کیا اور آخرت میں اس سے عجیب نتیجہ پیدا ہوا اور یہ آیت:

﴿هٰذٰنِ خَصۡمٰنِ اخۡتَصَمُوۡا﴾

''ان دونوں فریق نے باہم مخاصمت کی''۔

ان کی اور ان کے رفقاء کی شان میں نازل ہوئی۔ امام بخاری نے حضرت علیؓ بن ابی طالب سے روایت کی ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں پہلا شخص ہوں گا جو قیامت کے دن خدا

marfat.com

کے سامنے خصومیت کے لیے دوزانو بیٹھے گا-

قیس کہتے ہیں کہ یہ آیت:

﴿هٰذَانِ خَصْمَانِ اخْتَصَمُوْا فِيْ رَبِّهِمْ﴾

''ان دونوں فریق نے اپنے رب کے بارے میں باہم مخاصمت کی''۔

ان ہی لوگوں کے بارے میں نازل ہوئی اور یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے بدر کے دن باہم مبارزت کی، یعنی حمزہؓ، علیؓ اور عبیدہؓ بن الحارث' شیبہ بن ربیعہ' عتبہ اور ولید بن عتبہ-

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق ان کی غیر معمولی دلیری تھی' وہ کسی کی بھی پرواہ نہیں کرتے تھے' لوگوں کی خاطر مدارت میں اپنی خواہش سے باز نہیں آتے تھے- فیض ربانی نے ان کے اس اخلاق سے نہی المنکر اور بیت المال کی حفاظت کا کام لیا- حاکم نے حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شکایت کی تو آپؐ نے ہم لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور فرمایا ''لوگو! علی کی شکایت نہ کرو' خدا کی قسم! خدا کی ذات اور اس کی راہ کے معاملہ میں وہ کسی قدر سخت ہے''- حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''خدا کی ذات کے معاملہ میں علیؓ سخت ہیں''-

ان کے محاسن اخلاق میں ایک خلق اپنی قوم اور اپنے چچا زاد بھائی (آنحضرت ﷺ) کی حمیت تھی' وہ ان کے کام کی تکمیل میں نہایت اہتمام کرتے تھے اور ان کی مدد میں نہایت ہمت سے کام لیتے تھے- یہ وہ وصف ہے جو اکثر شریفوں میں پیدا ہوتا ہے- جب فیض ربانی نے اعلائے کلمۃ اللہ کا جذبہ ان کے دل میں پیدا کیا تو اس خلق سے کام لیا اور اس عقلی معنی کی شرح وتفسیر جس سے ایک ایسا عجیب مقام پیدا ہوا جس کی تعبیر اخوت رسول موالات رسول' وصی اور وارث وغیرہ متعدد الفاظ سے کی جاتی ہے- حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے چچیرے بھائیوں میں سے ہر ایک سے فرمایا کہ دنیا وآخرت میں تم میں سے کون میرا ولی ہوگا لیکن ان سب نے اس بار کے تحمل سے انکار کیا- اس وقت آپؐ

marfat.com

نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ تم دنیا و آخرت میں میرے ولی ہوئے- حاکم نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں فرماتے تھے کہ خداوند تعالیٰ فرماتا ہے-[1]

﴿اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰى اَعْقَابِكُمْ﴾

''اگر وہ مر گئے یا مارے گئے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے''۔

خدا کی قسم! جب ہم کو خدا نے ہدایت دے دی تو اس کے بعد ہم پیٹھ نہ پھیریں گے خدا کی قسم اگر رسول اللہ ﷺ کا وصال ہوا یا آپ شہید ہو گئے تو جس چیز کے لیے آپ جنگ کرتے تھے، ہم بھی اس کے لیے لڑیں گے، یہاں تک کہ مر جائیں- خدا کی قسم! میں آپ کا بھائی ہوں، آپ کا ولی ہوں، آپؐ کے چچا کا لڑکا ہوں، اور آپ کے علم کا وارث ہوں ایسی صورت میں مجھ سے زیادہ آپ کا حق دار کون ہے- اسی سے ان دونوں فریق کی جو افراط و تفریط کرتے ہیں غلطی بھی ظاہر ہو گئی- ایک کہتا ہے کہ قوم کی حمایت کے لیے غلبہ کا خواست گار ہونا خلوص نہیں، دوسرا کہتا ہے کہ استحقاق خلافت کے لیے اخوت نسبی شرط ہے-

ان کے محاسن اخلاق میں ایک زہد اور شہوات نفسانی سے اجتناب ہے- حضرت امیر معاویہؓ نے ضرار اسدی سے کہا کہ مجھ سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے اوصاف بیان کرو انہوں نے کہا کہ امیر المومنین! اس سے مجھے معاف فرمایئے- معاویہ نے اصرار کیا- ضرار بولے- اگر اصرار ہے تو سنئے- وہ بلند حوصلہ اور نہایت قوی تھے، فیصلہ کن بات کہتے تھے، عادلانہ فیصلہ کرتے تھے، ان کے ہر جانب سے علم کا سر چشمہ پھوٹتا تھا، ان کے تمام اطراف سے حکمت ٹپکتی تھی- دنیا کی دلفریبی اور شادابی سے وحشت کرتے اور رات کی وحشت ناکی سے انس رکھتے تھے- بڑے رونے والے اور بہت زیادہ غور و فکر کرنے والے تھے- چھوٹا لباس اور موٹا جھوٹا کھانا پسند تھا- ہم میں بالکل ہماری طرح رہتے تھے، جب ہم ان سے سوال کرتے تھے تو وہ •

---

[1] مستدرک کی روایت اور ازالۃ الخفاء کی روایت میں تھوڑا سا فرق ہے- اس ترجمہ میں اصل مستدرک کی روایت کا لحاظ رکھا گیا ہے- مستدرک ج ۳ ص ۱۲۶

marfat.com

ہمارا جواب دیتے تھے اور جب ہم ان سے انتظار کی درخواست کرتے تھے تو وہ ہمارا انتظار کرتے تھے- باوجود یکہ اپنی خوش خلقی سے ہم کو اپنے قریب کر لیتے تھے اور وہ خود ہم سے قریب ہو جاتے تھے' لیکن اس کے باوجود خدا کی قسم ان کی ہیبت سے ہم ان سے گفتگو نہیں کر سکتے تھے- وہ اہل دین کی عزت کرتے تھے' غریبوں کو مقرب بناتے تھے' قوی کو اس کے باطل میں حرص وطمع کا موقع نہیں دیتے تھے- ان کے انصاف سے ضعیف ناامید نہیں ہوتا تھا- میں شہادت دیتا ہوں کہ میں نے ان کو بعض معرکوں میں دیکھا کہ رات گذر چکی ہے' ستارے ڈوب چکے ہیں اور وہ اپنی داڑھی پکڑے ہوئے ایسے مضطرب ہیں جیسے مار گزیدہ مضطرب ہوتا ہے اور اس حالت میں وہ غمزدہ آدمی کی طرح رو رہے ہیں اور کہتے کہ اے دنیا مجھ کو فریب نہ دے' تو مجھ سے چھیڑ چھاڑ کرتی ہے' یا میری مشتاق ہوتی ہے- افسوس افسوس! میں نے تجھ کو تین طلاقیں دے دی ہیں جس سے رجعت نہیں ہو سکتی' تیری عمر کم اور تیرا مقصد حقیر ہے- آہ! زادِراہ کم اور سفر دور دراز کا ہے' راستہ وحشت خیز ہے''-

یہ سن کر امیر معاویہ رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمایا خدا ابوالحسن پر رحم کرے' خدا کی قسم! وہ ایسے ہی تھے-

ان کے محاسن اخلاق میں ایک چیز شبہات سے اجتناب ہے' ان کی صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس لیموں آ جاتے تھے اور حسنؓ وحسینؓ ان میں سے کوئی لیموں لے کر کھانے لگتا تو وہ اس کو ان کے ہاتھ سے چھین لیتے اور اس کو تقسیم کرنے کا حکم دیتے تھے- ابو عمرو سے روایت ہے کہ وہ فے کی تقسیم میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا طریقہ اختیار کرتے تھے یعنی جب ان کے پاس آتا تھا تو سب تقسیم کر دیتے تھے اور بیت المال میں صرف اس قدر باقی رہ جاتا تھا جس کی تقسیم اس روز نہ کر سکتے تھے اور فرماتے اے دنیا میرے سوا کسی اور کو دھوکہ دے اور خود اس سے اپنے لیے کوئی چیز انتخاب نہ کرتے تھے اور نہ تقسیم میں اپنے کسی رشتہ دار یا اور عزیز کی تخصیص کرتے تھے- حکومت اور امانت صرف متدین لوگوں کے سپرد کرتے تھے اور جب یہ معلوم ہوتا کہ کسی نے اس میں خیانت کی ہے تو اس کو لکھتے:

marfat.com

قد جاء تکم موعظة من ربکم فاوفوا الکیل و المیزان بالقسط و لا تبخسوا الناس اشیاء هم و لا تعثوا فی الارض مفسدین بقیة الله خیر لکم ان کنتم مومنین و ما انا علیکم بحفیظ.

''تمہارے پاس تمہارے رب کی جانب سے نصیحت آ چکی ہے تو ناپ تول انصاف کے ساتھ پورا کرو اور لوگوں کی چیزوں میں کمی نہ کرو اور زمین میں فساد نہ پھیلاؤ' خدا کا ثواب تمہارے لیے بہتر ہے اگر تم ایماندار ہو اور میں تمہارا نگران نہیں ہوں''۔

جب تمہارے پاس میرا خط پہنچے تو تمہارے ہاتھ میں جو کام ہے اس وقت تک تم اس کی پوری حفاظت کرو جب تک کہ ہم تمہارے پاس دوسرے شخص کو نہ بھیجیں جو تمہارے ہاتھوں سے لے لے' پھر اپنی نگاہ کو آسمان کی طرف اٹھاتے اور کہتے کہ خداوندا تو جانتا ہے کہ میں نے ان کو تیری مخلوق پر ظلم کرنے اور تیرے حق کو چھوڑنے کا حکم نہیں دیا ہے۔

مجمع التیمی سے روایت ہے کہ بیت المال میں جو کچھ تھا اس کو حضرت علیؓ نے مسلمانوں میں تقسیم کر دیا' پھر حکم دیا کہ اس میں جھاڑو دے دی جائے اور اس میں نماز پڑھی تا کہ قیامت کے دن ان کی گواہ رہے۔

حضرت کلیب رضی اللہ عنہ نے روایت ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس اصفہان سے مال آیا تو انہوں نے اس کے سات حصے کیے۔ اس میں ایک روٹی بھی تھی اس کے بھی سات ٹکڑے کیے اور ہر حصے پر ایک ایک ٹکڑا تقسیم کیا۔ پھر قرعہ ڈالا کہ ان میں کس کو کون سا حصہ دیا جائے۔

ان کے محاسن اخلاق میں ایک چیز یہ ہے کہ وہ معاش کی تنگی پر صبر کرتے تھے اور اس کو اپنے لیے گوارہ کر لیتے تھے۔ خود ان سے روایت ہے کہ حضرت فاطمہؓ ہمارے گھر میں آئیں تو ہمارے بچھانے کے لیے صرف مینڈھے کی ایک کھال تھی۔ ضمرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے گھر کا کام اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کے متعلق کیا تھا اور بیرونی انتظامات حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سپرد کیے تھے' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

marfat.com

جب رسول اللہ ﷺ نے ان سے حضرت فاطمہؓ کا نکاح کیا تو جہیز میں ایک چادر' چمڑے کا ایک گدا جس میں کھجور کی پتیاں بھری ہوئی تھیں- ایک چکی' ایک مشک اور دو گھڑے دیئے- ایک دن حضرت علیؓ نے حضرت فاطمہؓ سے کہا کہ پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا- رسول اللہ ﷺ کے پاس لونڈی غلام آتے ہیں' آپؐ سے ایک خادم کی درخواست کرو- انہوں نے کہا کہ آٹا پیتے پیتے میرے ہاتھوں میں بھی آبلے پڑ گئے- چنانچہ وہ آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئیں- آپؐ نے پوچھا' بیٹی کس غرض سے آئی ہو؟ بولیں سلام کرنے- لیکن سوال کرنے سے ان کو شرم آئی اور واپس چلی گئیں- حضرت علیؓ نے پوچھا' تم نے کیا کیا؟ بولیں سوال کرنے میں مجھے شرم آئی- دوبارہ دونوں آپؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے- حضرت علیؓ نے عرض کیا پانی بھرتے بھرتے میرا سینہ درد کرنے لگا اور حضرت فاطمہؓ نے کہا کہ آٹا پیتے پیتے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے خدا نے آپؐ کے پاس لونڈی غلام اور مال بھیجا ہے ہم کو بھی ایک خادم عنایت ہو- آپؐ نے فرمایا نہیں' یہ نہیں ہوسکتا کہ میں تم کو دوں اور اہل صفہ کو فاقہ مستی کی حالت میں چھوڑ دوں- میں ان لونڈی غلاموں کو فروخت کر کے ان کی قیمت ان پر صرف کروں گا''- یہ جواب پا کر دونوں لوٹ آئے- ان کی واپسی کے بعد خود رسول اللہ ﷺ ان کے پاس تشریف لے گئے- حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت فاطمہؓ چادر اوڑھ کر سو چکی تھیں' یہ چادر اتنی چھوٹی تھی کہ جب سر ڈھکتے تھے تو پاؤں اور جب پاؤں ڈھکتے تو سر کھل جاتا تھا- رسول اللہ ﷺ کے تشریف لانے پر دونوں اٹھ گئے- آپؐ نے فرمایا کیا تم کو میں ایسی چیز نہ بتلا دوں جو اس چیز سے بہتر ہے جس چیز کو تم مجھ سے مانگ سکتے ہو- دونوں نے کہا' ہاں! فرمایا' مجھ کو جبرائیل نے چند کلمے سکھائے اور کہا کہ دونوں ہر نماز کے بعد دس بار تسبیح اور دس بار تحمید اور دس بار تکبیر کہہ لیا کرو' اس لیے تم دونوں سوتے وقت ۳۳ بار تسبیح اور ۳۳ تحمید اور ۳۴ بار تکبیر کہہ لیا کرو- حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جب سے رسول اللہ ﷺ نے مجھ کو یہ کلمے سکھائے' اس وقت سے میں نے ان کو نہیں چھوڑا- ابن کواء نے کہا کہ صفین کی رات میں بھی نہیں؟ فرمایا' نہیں-

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ مدینہ میں ایک مرتبہ مجھے سخت بھوک لگی جا ے

marfat.com

کو کچھ نہ تھا اس لیے عوالی میں مزدوری کی تلاش میں نکلا' ایک عورت ملی' جس نے ڈھیلے اکٹھے کیے تھے میں نے خیال کیا کہ غالباً ان کو بھگونا چاہتی ہے- چنانچہ میں نے ہر ڈول پر ایک کھجور اجرت طے کی اور ۱۶ ڈول پانی بھرے جس سے میرے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے' اس نے مجھے سولہ کھجوریں گن کر دیں- رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپؐ نے ان کھجوروں کو میرے ساتھ کھایا-[1]

خانگی زندگی:

حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مستقل خانہ داری کی زندگی اس وقت سے شروع ہوئی جب کہ سیدۂ جنت حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک علیحدہ مکان میں رہنے لگے' اس سے پہلے آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے تھے اس لیے کسب معاش کے لیے آپ کو کسی جدوجہد کی ضرورت نہ پڑتی تھی- ہجرت کے بعد جب حضرت فاطمہؓ سے شادی قرار پائی تو ولیمہ کی فکر دامن گیر ہوئی- چنانچہ قرب و جوار کے جنگل سے اونٹ پر گھاس لا کر بیچنے کا ارادہ کیا حضرت حمزہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک روز ان کی اجازت کے بغیر اس اونٹ کو ذبح کر کے لوگوں کو کھلا دیا- حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا تو نہایت صدمہ ہوا' کیونکہ آپ کے پاس صرف دو اونٹ تھے[2] آخر زرہ بیچ کر سامان کیا- اس زرہ کی قیمت بھی روپیہ سوا روپیہ سے زیادہ نہ تھی-

شادی کے بعد جب علیحدہ مکان میں رہنے لگے تو حصول معاش کی فکر لاحق ہوئی چونکہ شروع سے اس وقت تک آپ کی زندگی سپاہیانہ کاموں میں بسر ہوئی تھی' اس لیے کسی قسم کا سرمایہ پاس نہ تھا' محنت مزدوری اور جہاد کے مال غنیمت پر گذر اوقات تھی- خیبر فتح ہوا تو آنحضرت ﷺ نے آپ کو ایک قطعہ زمین جاگیر کے طور پر عنایت فرمایا- حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے

---

1. ازالۃ الخفاء کا خلاصہ ختم ہوا
2. ابوداؤد کتاب الخراج والامارۃ باب فی بیان مواضع قسم الخمس

marfat.com

اپنی خلافت میں باغ فدک کا انتظام بھی ان کے حوالہ کر دیا اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرح ان کے لیے بھی پانچ ہزار درہم (ایک ہزار روپیہ) سالانہ کا وظیفہ مقرر فرمایا' خلیفہ ثالث کے بعد جب مسند نشین خلافت ہوئے تو بیت المال سے بقدر کفاف روزینہ مقرر ہو گیا جس پر آخری لمحہ حیات تک قانع رہے۔

مسند کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ ایک وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھوک کی شدت سے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اور آج میرا یہ حال ہے کہ چالیس ہزار سالانہ میری زکوٰۃ کی رقم ہوتی ہے[1] اس واقعہ میں اور آپ کی عسرت اور فقر و فاقہ کی روایتوں میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لیے کہ آپ کی اس آمدنی کا بڑا حصہ خدا کی راہ میں صرف ہوتا تھا اور تمول کے دور میں بھی ذاتی اور خانگی فقر و فاقہ کا وہی عالم رہتا تھا۔

کبھی کبھی خانہ داری کے معاملات میں حضرت فاطمہؓ سے رنجش بھی ہو جاتی تھی' لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ درمیان میں پڑ کر صلح صفائی کرا دیتے تھے۔ ایک مرتبہ حضرت علیؓ نے ان پر کچھ سختی کی' وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکایت لے کر چلیں۔ پیچھے پیچھے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی آئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے شکایت کی تو آپؐ نے فرمایا بیٹی! تم کو خود سمجھنا چاہیے کہ کون شوہر اپنی بی بی کے پاس خاموش چلا آتا ہے؟ حضرت علی رضی اللہ عنہ نہایت متاثر ہوئے اور انہوں نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا اب میں تمہارے خلاف مزاج کوئی بات نہ کروں گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رحلت فرمائی تو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس قدر غم ہوا کہ آنحضرت ﷺ کے بعد صرف چھ مہینے زندہ رہیں اور اس عرصہ میں ایک لمحہ کے لیے بھی ان کا دل پژمردہ شگفتہ نہ ہوا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی ان کی دلدہی اور تسلی کے خیال سے خانہ نشین رہے اور جب تک وہ زندہ رہیں گھر سے باہر قدم نہ رکھا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے بعد

---

[1] مسند ابن حنبل ج ۱ص ۱۵۹

marfat.com

متعدد شادیاں کیں اور ان بیویوں سے بھی لطف و محبت کے ساتھ پیش آئے- دوسری بیویوں سے جو اولادیں تھیں ان میں حضرت محمد بن حنفیہ رضی اللہ عنہ سے بھی نہایت محبت تھی- چنانچہ وفات کے وقت حضرت امام حسنؓ سے ان کے ساتھ لطف و محبت سے پیش آنے کی خاص طور پر وصیت فرمائی تھی-

غذا ولباس:

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے غیر معمولی زہد وورع نے ان کی معاشرت کو نہایت سادہ بنادیا تھا کھانا عموماً روکھا پھیکا کھاتے تھے- عمدہ لباس اور قیمتی لباس سے شوق نہ تھا عمامہ بہت پسند کرتے تھے' چنانچہ فرمایا کرتے تھے-

العمامة يتجان العرب' یعنی عمامے عربوں کے تاج ہیں کبھی کبھی سپید ٹوپی بھی پہنتے تھے' کرتے کی آستین اس قدر چھوٹی ہوتی کہ اکثر ہاتھ آدھے کھلے رہتے تھے- تہبند بھی نصف ساق تک ہوتی تھی- کبھی صرف ایک تہبند اور ایک چادر ہی پر قناعت کرتے اور اسی حالت میں فرائض خلافت ادا کرنے کے لیے کوڑا لے کر بازار میں گشت کرتے نظر آتے تھے غرض آپ کو ظاہری طمطراق کا مطلق شوق نہ تھا- پیوند لگے ہوئے کپڑے پہنتے تھے لوگوں نے اس کے متعلق عرض کیا تو فرمایا یہ دل میں خشوع پیدا کرتا ہے اور مسلمانوں کے لیے ایک اچھا نمونہ ہے کہ وہ اس کی پیروی کریں- بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے اور اس پر ''الله الملك'' نقش تھا-

حضرت علی رضی اللہ عنہ پر سردی و گرمی کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا کیونکہ رسالت مآب ﷺ نے غزوۂ خیبر میں ان کے لیے دعا فرمائی تھی **اللهم اذهب عنه الحر و البرد** یعنی اس سے گرمی و سردی دور کر- اس کا یہ اثر تھا کہ وہ جاڑے کا کپڑا گرمی میں اور گرمی کا کپڑا جاڑا میں زیب تن فرماتے اور اس سے کوئی تکلیف نہ ہوتی -[1]

حلیہ:

قد میانہ' رنگ گندم گوں' آنکھیں بڑی بڑی' چہرہ پر رونق و خوبصورت' سینہ چوڑا اس پر

---

1 مسند احمد ج ۱ ص ۹۹

marfat.com

بال' بازو اور تمام بدن گٹھا ہوا- پیٹ بڑا اور نکلا ہوا- سر میں بال نہ تھے' یا ایک روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو کہتے ہوئے سنا ہے کہ سر کے بال کے نیچے نجاست ہوتی ہے اسی لیے میں بالوں کا دشمن ہوں- ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص نے آپ کے دو گیسو پڑے دیکھے- مگر زیادہ مشہور یہی ہے کہ آپ کے سر میں بال نہ تھے ریش مبارک بڑی اور اتنی چوڑی تھی کہ ایک مونڈھے سے دوسرے مونڈھے تک پھیلی تھی- آخر میں بال بالکل سپید ہو گئے تھے اور شاید تمام عمر میں ایک مرتبہ بالوں میں مہندی کا خضاب کیا تھا-

ازواج واولاد:

سیدۂ جنت حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے بعد جناب مرتضٰی رضی اللہ عنہ نے مختلف اوقات میں متعدد شادیاں کیں اور ان سے نہایت کثرت کے ساتھ اولادیں ہوئیں- تفصیل حسب ذیل ہے:

حضرت فاطمہؓ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی تھیں- ان سے ذکور میں حسنؓ، حسینؓ، محسنؓ اور لڑکیوں میں زینب کبریٰ اور ام کلثوم کبریٰ پیدا ہوئیں- محسنؓ نے بچپن ہی میں وفات پائی-

ام البنین بنت حزام: ان سے عباسؓ، جعفرؒ عبداللہ اور عثمان پیدا ہوئے- ان میں سے عباس کے علاوہ سب حضرت امام حسینؓ کے ساتھ کربلا میں شہید ہوئے-

لیلیٰ بنت مسعود: انہوں نے عبیداللہ اور ابوبکر کو یادگار چھوڑا- لیکن ایک روایت کے مطابق یہ دونوں بھی حضرت امام حسینؓ کے ساتھ شہید ہوئے-

اسماء بنت عمیس: ان سے یحییٰ اور محمد اصغر پیدا ہوئے-

صہبا یا ام حبیب بنت ربیعہ: یہ ام ولد تھیں' ان سے عمر اور رقیہ پیدا ہوئیں- عمر نے نہایت طویل عمر پائی اور تقریباً پچاس برس کے سن میں ینبوع میں وفات پائی-

امامہ بنت ابی العاص: یہ حضرت زینبؓ کی صاحبزادی اور آنحضرت ﷺ کی نواسی تھیں

marfat.com

ان سے محمد اوسط تولد ہوئے۔

خولہ بنت جعفر: محمد بن علی جو محمد بن حنفیہ کے نام سے مشہور ہیں ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے تھے۔

ام سعید بنت عروہ: ان سے ام الحسن اور رملہ کبریٰ پیدا ہوئیں۔

محیاۃ بنت امرء القیس: ان سے ایک لڑکی پیدا ہوئی تھی۔ مگر بچپن ہی میں قضا کر گئی متذکرہ بالا بیویوں کے علاوہ متعدد لونڈیاں بھی تھیں اور ان سے حسب ذیل لڑکیاں تولد ہوئیں۔

ام ہانی، میمونہ، زینب صغریٰ، رملہ صغریٰ، ام کلثوم صغریٰ، فاطمہ، امامہ، خدیجہ ام الکرام، ام سلمہ، ام جعفر، جمانہ، نفیسہ۔

غرض حضرت علیؓ کے سترہ لڑکیاں اور چودہ لڑکے تھے، ان میں سے پانچ سے سلسلہ نسل جاری رہا۔ ان کے نام یہ ہیں:

حضرت امام حسن، حضرت امام حسین، محمد بن حنفیہ، عمر رضوان اللہ علیہم اجمعین۔

﴿ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ﴾

marfat.com

اسلامی کُتب خانہ

فضل الٰہی مارکیٹ چوک اُردو بازار ۰ لاہور

Ph: 7223506-7230718